مطلب یہ ہے کہ خاندانی (گھریلو) احساس، انسان کا ایک فطری احساس ہے۔ تمدن یا ... ت کا پیدا کردہ نہیں ہے۔ جیسے، بہت حیوانات فطری اور سرشت کے طور پر خاندانی رجحان رکھتے ہیں۔

لہٰذا، انسان پر کوئی دور ایسا نہیں گذرا کہ جنس زن اور جنس مرد کلّی طور پر، باقاعدہ شرط و معاہدہ۔ خواہ وہ فطری ہی کیوں نہ ہو۔ زندگی بسر کرتے ہوں۔ اس طرح کے دور کا مفروضہ جنسی اشتراکی دعویٰ ہے اور یہ دعویٰ خود اشتراکی طرفداروں نے بھی دولت کی اشتراکیت کے آغاز میں نہیں کیا تھا۔

زن و مرد کے جنسی تعلقات میں چار ادوار کا مفروضہ، ایک تقلیدی مفروضہ ہے جو مالکیت کے بارے میں سوسلسٹوں کے چار دوروں سے حاصل کیا ہے۔ سوشلسٹ کہتے ہیں کہ انسان نے مالکیت کے چار دور گذارے ہیں:

پہلا دور — ابتدائی مشترک ملکیت۔

دوسرا دور — فیوڈل ازم (جاگیرداری)

تیسرا دور — کیپٹالزم (سرمایہ داری)

چوتھا دور — سوشلزم اور کمیونزم۔

جو ابتدائی اشتراکیت کی طرف بازگشت ہے مگر ذرا اونچی سطح پر۔

خوشی کی بات ہے کہ بیگم منوچہریان نے چوتھے دور کا نام "حقوق زن و مرد کی برابری" رکھا ہے ... ہوئے انہوں نے سوشلسٹوں کی تقلید نہیں کی، اور آخری دور کو ابتدائی اشتراکیت کی طرف بازگشت کا نام نہ دیا۔

اگرچہ محترمہ کے خیال میں بقول ان کے چوتھے دور اور پہلے دور میں "زیادہ مشابہت" ہے ... انہوں نے تشریح کی ہے:

"چوتھا مرحلہ، پہلے مرحلے سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ عورت و مرد کسی بالادستی

اور برتری کے بغیر مل جل کر زندگی بسر کرتے تھے۔"

"شباہتِ زیادہ" زیادہ مشابہت ۔ کا مطلب میں ابھی نہیں سمجھ سکا۔

اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ ۔ بالادستی و برتری مرد کو حاصل نہ ہو، اور ایک دوسرے کے درمیان برابر کے معاہدے اور شرائط ہوں، تو یہ بات تو دلیل بننے کے قابل نہیں ہے، کہ یہ دور ، ان دوروں سے مشابہت رکھتا جو محترمہ کے نزدیک، شرط و قید و پابندی کے ہر بندھن سے آزاد تھے۔ جب مرد و زن گھریلو زندگی ہی نہ رکھتے تھے۔

اور اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ ۔ چوتھے مرحلے میں آہستہ آہستہ تمام بندھن ٹوٹ جائیں گے اور گھریلو زندگی منسوخ ہو جائے گی اور افرادِ بشر میں ایک قسم کا جنسی اشتراک حکمرانی کرے گا معلوم ہوتا ہے کہ "حقوق کی برابری" سے ان کا مطلب اس مطلب و مدعا کے علاوہ ہے جو برابریِ حقوق کے حامیوں کے نزدیک صحیح ہے ۔ کیونکہ محترمہ مذکورہ بالا مفہوم و مدعا کی بڑی سخت حامی ہیں اور یہ بات ان کے لیے اتفاق سے بڑی وحشت ناک ہوگی۔

○

اب ہمیں زن و مرد کے گھریلو حقوق کی فطرت کی طرف توجہ کرنا چاہئے اس بارے میں دو چیزوں کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔

ایک سوال یہ کہ ۔ زن و مرد طبیعت و فطرت کے لحاظ سے فرق رکھتے ہیں یا نہیں ؟ بالفاظ دیگر عورت و مرد میں فقط تولید و تناسل کے اعضا کا فرق ہے یا اس سے زیادہ گہرا فرق موجود ہے ؟

دوسری بات یہ ہے کہ ۔ اگر دوسری نوعیت قسم کے اختلافات بھی معلوم ہیں تو کیا وہ اختلافات ایسے ہیں جو حقوق و فرائض پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یا ایسے اختلاف ہیں جن کا فطرت انسانی سے تعلق نہیں ہے جیسے رنگ و نسل۔

عورت، فطرت کے زاویۂ نظر سے

پہلی بات کے بارے میں خیال ہے کہ بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ اس بارے میں تھوڑا سا بھی مطالعہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ فرق و اختلاف زن و مرد فقط تولید و تناسل کے اعضاء ہی میں نہیں، دوسری باتوں میں بھی فرق ہے، بحث اس میں ہے کہ باقی اختلافات عورت و مرد کے حقوق و فرائض پر اثر انداز ہوتے ہیں یا نہیں۔

مغربی دانشوروں اور ماہرین نے پہلے حصے پر مناسب طریقے سے گفتگو کی ہے، حیاتیاتی و نفسیاتی اور معاشرتی پہلوؤں کے مطالعے کے بعد ان لوگوں نے تھوڑے سے بھی انکار کی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ ان لوگوں نے جس طرف توجہ نہیں کی وہ ہے ان اختلافات کا جائزہ جو خاندانی حقوق اور ذمہ داریوں پر اثر ڈالتے ہیں اور مرد و عورت کو غیر مشابہ قرار دیتے ہیں۔

فرانس کے مشہور فیزیالوجسٹ الیکسس کارل، جو بیالوجسٹ اور اعلیٰ درجے کے سرجن تھے، موصوف نے اپنی بہت عمدہ کتاب میں دونوں باتوں کا اعتراف کیا ہے۔ موصوف کی کتاب کا فارسی ترجمہ "انسان موجود ناشناختہ" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ یعنی موصوف کے بقول۔ زن و مرد قانون تخلیق کے مطابق مختلف طور پر پیدا ہوتے ہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ دونوں کے اختلافات اور فرق ان کے فرائض و حقوق پر اثر انداز بھی ہوتے اور ان میں بھی فرق ڈالتے ہیں۔

"جنسی عمل اور تولید مثل" کے عنوان سے ایک فصل قلم بند کی ہے (طبع سوم صفحہ ۱۰۰) ... لکھتا ہے:

"خصیے اور تخم دان بڑے وسیع عمل کرتے ہیں۔ پہلے تو نر یا مادہ خلیے بناتے ہیں جن کی پیوستگی سے نیا انسان وجود میں آتا ہے۔ اور عین اسی دوران ایسے مواد کی خون پر ریزش کرتے ہیں، جو رگوں، پٹھوں اور ڈھانچے نیز شعور میں مرد و عورت کے اثر ظاہر کرتے ہیں۔ یوں وہ ہمارے تمام بدنی عمل میں تیزی بخشتے ہیں۔

بیضوں سے ہونے والی ریزش، تہور، جوش وخروش اور خشونت وسختی پیدا کرتی ہے اور یہی خصوصیات جنگی بیلوں کو اس گائے سے ممتاز کرتے ہیں جو کھیتوں میں جتائی کا کام کرتی ہے۔ تخمدان بھی وجودِ زن میں اسی طرح کے اثرات ڈالتا ہے۔

۔۔۔ مرد و عورت میں جو اختلاف موجود ہے۔ وہ فقط جنسی بدن، بچہ دانی اور نظام تولید اور خاص طرزِ تعلیم ہی پر منتج نہیں ہوتا بلکہ ایک اور گہری علت ہے اس اختلاف کی۔ اور وہ ان کیمیائی مادّوں کی ریزش ہے جو نسلی غدودوں سے خون پر ہوتی ہے۔

اس اصلی و اہم نکتے پر توجہ نہ کرنے کی وجہ سے انقلابِ خواتین کے صرف دار سوچتے ہیں کہ دونوں جنسوں کو ایک تعلیم و تربیت دی جائے۔ دونوں کے مصروفیات اختیارات اور ذمہ داریاں ایک قسم کی دی جائیں۔ عورت بہت سے پہلوؤں سے مرد سے مختلف ہے۔ بدن کے جیسے اعضاء کی قوت ساخت، خاص کر اعصابی سلسلہ اس کی جنس کی نشانیاں اس کے چہرے پر نمایاں ہیں۔

فزیولوجی کے قانون قاعدے ستاروں کی دنیا جیسے ہیں، سخت اور ناقابلِ تبدیل۔ ممکن نہیں کہ انسانی رجحانات و ارادے ان میں دخل دے سکیں۔ ہم مجبور ہیں جس طرح وہ ہیں اسی طرح انھیں مان لیں۔

خواتین کو مردوں کی اندھی تقلید کیے بغیر کوشش کرنا چاہیے کہ اپنی فطرت کے عطا کیے ہوئے انعامات کو وسعت دیں اور اپنی خاص سرشت و خمیر کے مطابق اسی راہ میں آگے بڑھیں۔ بشریت کے ارتقا میں ان کی ذمہ داریاں مردوں سے زیادہ اہم ہیں۔ ان ذمہ داریوں کو سبک نہ سمجھیں اور ان سے پہلوتہی نہ کریں۔

کارل نے مرد کے مادّہ تولید اور عورت کے مادّہ تولید میں خیوں اور ان کے باہم پیوست ہونے کی کیفیت بتائی اور یہ کہ تولید کے لیے مادہ کا ہونا ضروری ہے برخلاف وجودِ نر کے اور یہ کہ حمل

...ت کے جسم کو مکمل کرلیتے ہے۔ فصل کے آخر میں لکھا ہے :

"ہمیں جوان لڑکیوں کے لیے وہ طرز فکر اور اس قسم کی زندگی اور فکری انتظامات ...و مقاصد اور آئیڈیالوجی نہ رکھنا چاہیے جو نوجوان لڑکوں کے لیے ہوا کرتے ہیں تعلیم و تربیت کے ماہرین کو مرد و زن کے اختلاف اعضاء جنس، مرد و زن کے نفسیات ...ور ان کے فطری فرائض کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ ہماری آئندہ نسل کی بنیاد و تعمیر میں بنیادی نکتے پر بڑی اہمیت حاصل کرسکے گی۔"

آپ نے ملاحظہ فرمایا، اس بڑے دانشور نے زن و مرد کے بڑے فطری فرق بھی بتائے ...ور یہ نظریہ بھی ظاہر کیا کہ ان اختلافات کے سبب فرائض و حقوق میں مشابہت نہیں ہے۔

آئندہ فصل میں ہم دوسرے دانشوروں کے نظریے بیان کریں گے کہ وہ لوگ زن و مرد ...کے اختلاف مانتے ہیں، پھر نتیجہ حاصل کریں گے کہ زن و مرد کن حصوں میں صلاحیتوں اور ...ضرورتوں میں مشابہ ہیں اور اس وجہ سے انھیں مشابہ حقوق رکھنا چاہیے اور کن حصوں میں مشابہت نہیں رکھتے، اور ایسے حالات میں حقوق و فرائض غیر مشابہ حاصل ہونا چاہیے۔

...ن و مرد کے عائلی حقوق و فرائض میں یہ حصہ کتاب نازک ترین و اہم ترین حصوں میں ہے۔

ساتواں حصّہ :

عورت و مرد کے فرق

- —— کیا عورت و مرد میں فرق کا خیال قرونِ وسطیٰ کی سوچ ہے۔
- —— عورت کے حقوق نے افلاطون و ارسطو کو آمنے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔
- —— عورت و مرد کی تخلیق میں، قانونِ خلقت نے دونوں کے جوڑ کو زیادہ مظبوط بنایا ہے۔
- —— مرد، دنیا پر قبضہ کرنے والا ہے اور عورت مرد کو قابو میں رکھنے والی ہے۔
- —— مغرب کے نئے مقلدوں کو زن و مرد کے جن تعلقات نے غرقِ سرور کر رکھا ہے، خود اہلِ مغرب اس خمار کا دور گذار رہے ہیں۔

خلاصۂ مطالب از مؤلفؒ

عورت و مرد میں فرق و اختلافات

(۱)

عورت و مرد کے فرق و اختلافات: عجیب سی بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے باوجود کہ بیسویں صدی کے نصف آخر میں زندگی گذر رہی ہے۔ پھر بھی کونے کھدرے میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کے سوچنے کا انداز قرون وسطیٰ جیسا ہے۔ پرانے خیالات، گھسے پٹے افکار، اختلاف زن و مرد سمجھتے ہیں۔ عورت و مرد کے درمیان فرق ہے۔ تو یہ چاہتے ہیں کہ قرون وسطیٰ کے لوگوں کی طرح یہ نتیجہ نکالیں کہ عورت کی جنس گھٹیا ہے، عورت، انسانِ کامل نہیں ہے۔ عورت حیوان و انسان کے درمیان برزخ ہے۔ عورت میں یہ حیثیت و قابلیت نہیں ہے کہ زندگی میں مستقل و آزاد ہو۔ اسے بہرحال مرد کے ماتحت اور اس کی سرپرستی میں رہنا چاہیے۔ آج کی دنیا میں ان پرانی باتوں کا فائدہ کیا ہے۔ آج سب کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ باتیں جھوٹ اور جعل سازی تھیں۔ مردوں نے زور و ظلم سے عورت کو دبا رکھا تھا، اب سب جان گئے ہیں کہ بات برخلاف تھی عورت کی جنس برتر اور مرد کی جنس پست تر اور ناقص تر ہے۔

خیر، جناب! علوم کی حیرت انگیز ترقی کی روشنی میں عورت و مرد کا فرق کھل کر سامنے آگیا ہے۔ جعل سازی اور بہتان کی بات نہیں، علمی اور تجرباتی حقیقتیں ہیں۔ مگر یہ فرق اس بحث سے قطعاً غیر متعلق ہیں کہ مرد یا عورت برتر جنس ہے اور دوسری جنس گھٹیا ہے اور ناقص ہے۔ قانونِ تخلیق کے سامنے ان کی اونچ نیچ سے مقصد ہی کچھ اور ہے۔ قانونِ خلقت نے یہ فرق اس لیے رکھا تھا کہ زن و مرد کی خاندانی زندگی کے تعلق کو زیادہ مضبوط کرے ان کی اکائی کی نیو بھی رکھی جائے۔ قانون خلقت نے یہ فرق اس لئے رکھا تھا کہ زن و مرد اپنے ہاتھوں اپنے عائلی فرائض خود بانٹ لیں اور جسم کے دوسرے اعضاء کی طرح اختلاف کے باوجود ایک جسم بنائیں۔ اگر قانون خلقت نے

آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں اور ریڑھ کی ہڈی کے جوڑ بنائے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے
کہ وہ ان پر خاص نظر رکھتا اور ان میں فرق چاہتا ہے۔ ایک پر دوسرے کے مقابلے میں ظلم
جائز سمجھتا ہے۔

نقص و کمال یا تناسب

یہ موضوع میرے تعجب کا باعث ہے۔ بعض حضرات اس پر اصرار کرتے اور زور دیتے ہیں کہ جسمانی اور نفسیاتی
حیثیتوں کے لحاظ سے زن و مرد کا فرق، عورت کے ناقص اور مرد کے کامل ہونے کی دلیل
ہے۔ اس کا شمار یوں کرتے ہیں کہ قانونِ خلقت نے مصلحت کی بنا پر عورت کو ناقص پیدا کیا ہے۔

عورت کے ناقص الخلقت ہونے کی بات ہم مشرق کے رہنے والوں سے پہلے اہل مغرب میں
پھیل چکی ہے۔ وہاں مذہب و کلیسا کہتے ہیں؛

عورت کو عورت ہونے پر شرمندہ ہونا چاہیے۔ کبھی کہا جاتا ہے۔ عورت وہ مخلوق ہے،
جس کی ذہنیں بڑی اور عقل چھوٹی ہے۔ عورت آخری وحشی ہے جسے مرد نے رام کیا ہے۔ وغیرہ۔

اس سے زیادہ عجیب یہ بات کہ، اخیری دور میں کچھ یورپ والے ایک سو اسی درجے کی
گردش یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ ایک ہزار ایک دلیلوں سے مرد کو مخلوقِ ناقص و پست و زبوں
و عورت کو مخلوق کل و برتر ثابت کر دکھائیں۔

آپ نے اشلے مونٹیگو کی تالیف "زن جنس برتر" مجلہ "زن روز" میں پڑھی ہے۔ تو محسوس
[illegible] کس زور آوری اور بے معنی تانے بانے سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ عورت مرد
سے [illegible]۔ کتاب میں فزیالوجی، نفسیات اور معاشرتی شماریات کی حد تک کارآمد اطلاعات
[illegible] چیز ہے۔ اس کے بعد جو مصنف نے نتائج حاصل کرنا چاہے ہیں اور اپنا مقصد
کتاب کے نام سے عیاں ہے، ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں زمین آسمان کے
[illegible] ملا دیے ہیں۔ آخر ایک دن عورت کو اتنا حقیر و پست و زبون کیوں کہا تھا کہ آج
[illegible] گذشتہ کی تلافی کرنا پڑ رہی ہے اور اس میں بھی وہ سب نقائص اور کمزوریاں جو

عورتوں کے ذمے لگائی تھیں اب انھیں کو مرد کے سر تھوپنے کی مہم شروع کرنا پڑی ہے۔ کیوں ضروری ہے کہ زن و مرد کے فرق کو کسی کے ناقص اور کسی کے کامل ہونے پر زور دیں پھر کبھی مرد کا دامن پکڑیں کبھی عورت کا۔

ایشلی مونٹیگو ایک طرف تو زور دیتے ہیں کہ زن کو جنس کے اعتبار سے مرد پر برتری حاصل ہے اور دوسری طرف مرد کے خصوصیات جتاتے ہیں کہ مرد تاریخی اور اجتماعی لحاظ سے تاریخ کا خالق ہے، فطری عوامل نہیں۔

مرد و عورت کا فرق "تناسب" (ایک مناسبت پر مبنی ہے نہ نقص و کمال) قانون خلقت چاہتا تھا کہ ان اختلافات سے عورت و مرد میں زیادہ مناسبت رہے، کیونکہ دونوں بہرحال مشترک زندگی گذاریں گے۔ الگ الگ زندگی بسر کرنا قانونِ خلقت سے انحراف ہے۔ یہ مطلب بعد میں آنے والے توضیحات میں زیادہ روشن ہوگی اور تفاوتوں کی نوعیت اور کھلے گی۔

نظریۂ افلاطون

یہ مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے جو ہماری صدی میں زیر بحث آیا۔ کم از کم ایک ہزار چار سو برس پہلے یہ بحث ہو چکی ہے۔ افلاطون کی کتاب جمہوریت میں اس کا تذکرہ ہے۔

افلاطون نے بڑی صفائی سے کہا ہے کہ عورت و مرد مشابہ صلاحیتوں کے مالک ہیں عورتیں بھی وہی ذمہ داریاں سنبھال سکتی ہیں جو مرد سنبھالتے ہیں۔ انھیں وہی حقوق ملنا چاہئے جن سے مرد فائدہ اٹھاتے ہیں۔

عورت کے بارے میں بیسویں صدی کے مسائل جنھیں نیا کہا جاتا ہے سب کا سرچشمہ افلاطون کے افکار میں ہے، بلکہ اس صدی کے لوگ جسے حدّ افراط اور ناقابل قبول کہتے ہیں وہ افلاطون کے یہاں موجود ہے۔ لوگ اتنے بڑے آدمی سے تعجب کرتے ہیں، جو شخص "پدر فلسفہ" ہو وہ ایسی باتیں کرے! افلاطون نے رسالہ جمہوریت کی پانچویں فصل اسی موضوع سے مخصوص کی ہے اور زن و فرزند کی اشتراکیت، نسل کی اصلاح و بہبود، بعض زن و مرد افراد کی تولید

تناسل سے محرومی اور ان افراد کو یہ حق دینا جو اعلیٰ درجے کے صفات سے متصف ہوں خاندان و فرزند کی تربیت و پرورش کا ضابطہ، تناسل و توالد کے لیے معین عمروں کا تعین یعنی زن و مرد جنسی عمل اور اولاد پیدا کرنے کے لیے ایسی عمروں کا تعین جن میں جوش اور زندگی کی توانائی بھرپور ہو۔

افلاطون کا عقیدہ ہے، جس طرح مردوں کو جنگی تعلیم و تربیت دی جاتی ہے، عورتوں کو بھی اسی طرح تربیت دی جائے، مردوں کی طرح خواتین بھی ورزشی مقابلوں اور کھیلوں میں شرکت کیا کریں۔

اس کے باوجود دو نکتے افلاطون نے ضرور لکھے ہیں:

۱۔ وہ مانتا ہے کہ عورتیں جسمانی، روحانی اور دماغی طور پر مردوں سے کمزور ہیں۔ یعنی مرد و زن کے تفاوت کو کمیت (مقداری) کے لحاظ سے تسلیم کرتا ہے۔ اگرچہ "کیفیت" میں اور صلاحیتوں میں اس کے خلاف ہے۔ افلاطون کے خیال میں مرد و زن میں مماثل صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک بات یہ ہے کہ ہر شعبے میں وہ مردوں سے زیادہ کمزور ہیں اور اس سے کام لینے والے پر کوئی اثر نہیں پڑتا جو کام مرد کر سکتا ہے وہ عورت بھی انجام دے سکتی ہے۔

افلاطون، عورت کو مرد سے کمزور تر ماننے کی بنیاد پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ مرد پیدا ہوا ہے عورت نہیں۔ وہ کہتا ہے:

"میں شکر ادا کرتا ہوں یونانی پیدا ہوا ہوں، غیر یونانی نہیں ہوں۔ آزاد خلق ہوا ہوں غلام نہیں۔ مرد پیدا ہوا ہوں، عورت نہیں۔"

افلاطون نے نسلی بہبود، عورت و مرد کی مساوی صلاحیتوں کے مطابق پرورش، زن و فرزند وغیرہ کی مشترک ملکیت (اشتراکیت) کا جو نظام بنایا ہے اس میں حاکم طبقہ کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ یعنی فلسفی حاکم اور حاکم فلسفی۔ جنھیں افلاطون تنہا حکومت کے لائق سمجھتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ افلاطون سیاسی رویوں میں ڈیموکریسی کے خلاف اور ارسٹوکریسی کا حامی ہے

گذشتہ نظریوں میں ساری باتیں ارسطو کریٹ سے وابستہ ہیں ان کے علاوہ دوسرے تعلقات کے بارے میں وہ کوئی رائے نہیں دیتا۔

ارسطو۔ افلاطون کے مقابلے میں

پرانے زمانے کے لوگوں میں افلاطون کے بعد جس کے نظریات و افکار جو ہماری دسترس میں ہیں وہ اس کے شاگرد ارسطو کے ہے۔ ارسطو نے اپنی کتاب "سیاست" میں زن و مرد کے فرق پر اظہار رائے کرتے ہوئے اپنے استاد افلاطون کی سخت مخالفت کی ہے۔ ارسطو کے نزدیک زن و مرد میں اختلاف کمیت (مقداری) ہی پہلو سے نہیں۔ کیف (کیفیت) کے لحاظ سے بھی ہے۔ قانون خلقت نے ہر ایک کے ذمے جو فرائض عائد کیے اور جو حقوق تجویز کیے ہیں ان میں زیادہ مقامات باہم مختلف ہیں۔ ارسطو کے عقیدے میں عورت و مرد کے اخلاقی فضائل بھی اکثر مقامات پر جدا جدا ہیں۔ ایک خلق، مرد کے لیے باعث شرف ہو سکتا ہے اور وہی خلق عورت کے لیے فضیلت نہ ہو۔ اسی طرح اس کے برعکس ایک خلق عورت کے واسطے فضیلت ہو اور مرد کے لیے نہ ہو۔

ارسطو کے نظریات نے پرانے زمانے میں ہی افلاطون کے خیالات کو منسوخ کر دیا اس کے بعد آنے والے دانش وروں نے اس کے نظریات کو افلاطون کے خیالات پر ترجیح دی

آج کی دنیا کی نظر!

یہ باتیں تھیں ماضی بعید کی، اب دیکھیں نئی دنیا کیا کہتی ہے آج کی دنیا، اندازہ و گمان کی بات کے بجائے مشاہدہ و تجربہ پر بنیاد رکھتی ہے۔ جب اعداد و شمار کی بات ہوتی ہے تو چشم دید حقائق سامنے ہوتے ہیں جدید دنیا میں فزیکس کے گہرے مطالعات، نفسیات و معاشرے کے حقائق کی روشنی میں بہت زیادہ اختلاف اور فرق معلوم ہوئے ہیں، ایسے انکشافات جسے پرانی دنیا دریافت نہیں کر سکی تھی۔

ماضی بعید میں مرد و زن کے اقدار متعین کرتے ہوئے فقط ایک کے جسم کی قوت اور موٹائی

دوسرے کے جسم کی چھوٹائی، ایک کا جسم بھاری بھر کم دوسرا نازک اندام، ایک قد آور دوسرا پست قد والی۔ ایک کی آواز میں زیادہ گرج دوسرے کی آواز میں لطافت و نرمی، ایک کے جسم پر گھنے بال، دوسرے کا جسم آئینہ اور کندن۔ اس سے آگے بڑھ کر تو بوعلی کی حد تک جو دونوں میں فرق سن و سال میں ہے۔ یا پھر عقل و احساسات کا حساب لگاتے تھے۔ مرد کو مظہر عقل اور عورت کو مظہر مہر و محبت کہتے تھے۔

آج ان باتوں سے آگے بڑھ کر متعدد پہلو اجاگر ہوئے ہیں۔ یہ معلوم ہوا کہ زن و مرد کی دنیا اکثر معاملات میں یکسر الگ اور ان معاملات میں فرق ہے۔

اہل تحقیق نے جو کچھ لکھا ہے، ہم اس سے زن و مرد کے مجموعی تفاوت اور اختلافات کا تذکرہ کریں گے اور ان اختلافات کے فلسفے پر روشنی ڈالیں گے۔ یہ بھی غور کریں گے کہ ان اختلافات کی بنیاد فطرت ہے، وہ کتنی باتیں ہیں جو تاریخی، ثقافتی و معاشرتی عوامل سے پیدا ہوئی ہیں۔ یہ تفاوت ایسے ہیں جنہیں ہر شخص تھوڑے سے مطالعے اور تجربے سے دریافت کر سکتا ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کا انکار ممکن نہیں ہے۔

جسمانی: مرد متوسط طور پر بھاری اور گٹھے بدن کا اور عورت چھوٹی اور زیادہ نازک اندام ہوتی ہے۔ مرد کا قد لمبا، عورت کا قد چھوٹا ہوتا ہے۔ مرد میں کھردرا پن، عورت میں نرمی و لطافت، مرد کی آواز موٹی اور بھاری، عورت کی آواز نازک اور دلکش۔ عورت کا جسم جلدی بڑھتا ہے، مرد کی جسمانی نشو و نما سست ہوتی ہے۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ بطن مادر میں لڑکی لڑکے سے زیادہ جلدی بڑھتی ہے۔ مرد کے رگ پٹھے اور جسمانی قوت عورت سے زیادہ ہوتی ہے۔ عورت میں بیماری سے مقابلہ کرنے کی قوت مرد سے زیادہ ہوتی ہے۔ عورت مرد سے پہلے بالغ ہو جاتی ہے۔ اس میں مرد سے پہلے تولید کی قوت آجاتی ہے اور پہلے ختم ہوتی ہے۔ مرد کے یہاں اس کے برعکس ہے۔ لڑکی لڑکے سے پہلے بولتی ہے۔ عورت کے متوسط مغز سے مرد کا متوسط مغز بڑا ہوتا ہے لیکن مجموعی جسم کی نسبت سے عورت کا

منغز پذیر ہوتا ہے۔ مرد کے پھیپھڑے عورت کے پھیپھڑوں سے زیادہ سانس میں ہوا کھینچتے ہیں۔ عورت کے دل کی دھڑکن مرد کے دل کی دھڑکن سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔

نفسیاتی فرق: مرد، ورزش، شکار اور دوڑ دھوپ کے کام سے بہ نسبت عورت کے دلچسپی رکھتا ہے۔ مرد کے احساسات رزم و مقابلہ و جنگجوئی، عورت کے جذبات بزم دوستی صلح پسندی چاہتے ہیں۔ مرد، حد سے آگے بڑھنے اور ہنگامہ آرائی، عورت پر سکون اور خاموش تر جذبات رکھتی ہے۔ عورت اپنے لیے اور غیروں کے لیے سخت رویے سے بچتی ہے، اسی وجہ سے عورتوں کی خودکشی مردوں سے کم ہے۔ مرد، خودکشی کے معاملے میں بھی عورت سے زیادہ سخت ہے، بندوق، پستول سے اور پھندا ڈال کر مرنے کے واقعات اور اونچی عمارتوں سے کود کر جان دینے کے قصے مرد کے زیادہ ہیں۔ عورت خواب آور گولیاں، افیون ... کھاکر مر جاتی ہیں۔

عورت کے نفسیات اور احساسات مرد کے مقابلے میں زیادہ مشتعل ہو جاتے ہیں عورت مرد سے جلدی جوش میں آجاتی ہے یعنی عورت جن معاملات میں اسے خاص لگاؤ یا خطرہ ہو تیزی اور جلدی سے اپنے احساسات میں بہہ جاتی ہے اور مرد بہ نسبت عورت کے زیادہ سرد مزاج ہے۔ عورت طبعاً زیور و آرائش جمال و زیبائش چاہتی ہے اسے رنگا رنگ فیشن درکار ہیں۔ مرد اس کے خلاف ہے۔ مرد کے مقابلے میں عورت کے احساسات زیادہ ناپائیدار ہیں۔ عورت مرد سے زیادہ احتیاط طلب زیادہ مذہبی، زیادہ باتونی، زیادہ ڈرپوک اور زیادہ تکلف پسند ہے عورت نفسیاتی طور پر مادرانہ جذبات رکھتی ہے، یہ نفسیات بچپنے ہی سے اس میں موجود ہوتے ہیں۔ اسے مرد سے زیادہ خاندان اور گھر سے تعلق خاطر ہوتا اور بلا ارادہ گھر یلو فکریں رہتی ہیں۔ عورت دلیل و استدلال اور خشک عقلی بحثوں میں مرد کے برابر نہیں پہنچ سکتی، ہاں ادب، نقاشی، اور ذوق و نفسیات سے نازک تعلق رکھنے والوں میں مرد سے کم نہیں۔ مرد، راز کو چھپانے اور تکلیف دہ معاملات کو اپنے اندر محفوظ رکھنے کی زیادہ قوت رکھتا ہے۔

...ں میں سے رازداری کی بدولت پیدا ہونے والی آزمائشیں مرد کو زیادہ جھیلنا پڑتی ... بخلاف عورتوں کے۔ خواتین، مرد سے زیادہ رحم دل ہیں، فوراً انھیں رونا آتا اور کبھی کبھی ... بھی کھا جاتی ہیں۔

احساسات کا تناظر: مرد، اپنی خواہشات کا غلام ہے، عورت محبت کی بندھی ہوئی ... مرد جس عورت سے محبت کرتا ہے اسے چنتا اور پسند کرتا ہے عورت اس سے محبت کرتی ہے جس کی قدر و قیمت جانتی ہو اور جس نے اس سے محبت کا اظہار ... دیا ہو۔ مرد کی خواہش کہ عورت کے ساتھ رہے اور عورت بھی اس کا ساتھ دے اسے ... پیار دے۔ عورت، مرد کا دل موہنے اور دل کی راہ سے اس پر چھا جانے کی فکر میں رہتی ہے۔ ... عورت کے سر پر سوار ہونا چاہتا ہے، عورت، مرد کے دل میں سمانا چاہتی ہے۔ مرد، عورت کو پکڑنا چاہتا ہے، عورت بھی مرد کو جذب کرنا چاہتی ہے۔ عورت، مرد میں دلیری ... بہادری اور مرد عورت میں دلیری و زیبائش دیکھنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ عورت ... نزدیک سب سے بڑی چیز ہے کہ مرد اس کی حمایت کرے۔ عورت، مرد سے زیادہ خواہشات ... رکھتی ہے۔ مرد کی خواہش حملہ آور اور پہل کرنے والی ہے۔ عورت کی خواہش میں ... اور تحریک ہے۔

عورت مرد کے فرق

(۲)

پروفیسر ریک کے نظریات

مشہور امریکی ماہر نفسیات، پروفیسر ریک کے نظریات "زن روز" کے شمارہ نمبر ۹۰ میں چھپ چکے ہیں۔ یہ پروفیسر مدتوں "زن و مرد" کے مسائل پر تحقیق کرتے اور نتائج حاصل کرتے رہے پھر انہوں نے ایک ضخیم کتاب میں دونوں کے درمیان فرق بتائے ہیں۔

پروفیسر موصوف کے بقول:

مرد کی دنیا، عورت کی دنیا سے بہت مختلف ہے۔ اگر عورت مرد کی طرح نہیں سوچتی یا اس جیسا کام نہیں کرتی تو اس کا سبب دونوں کی دنیاؤں کا فرق ہے۔

پروفیسر نے لکھا ہے:

توراۃ کے بموجب "زن و مرد ایک گوشت سے وجود میں آئے"! ٹھیک ہے دونوں ایک گوشت سے پیدا ہوئے ہیں، مگر دونوں کے جسم مختلف ہیں۔ پھر دونوں ترکیبات میں مکمل طور پر ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ علاوہ بریں، دونوں کے احساسات کبھی مماثل نہیں ہو سکتے۔ حادثات اور اتفاقات کے وقت دونوں کا ردعمل ایک نہیں ہو سکتا۔ زن و مرد اپنے جنسی تقاضوں کے مطابق مختلف اقدام کرتے ہیں جیسے دو سیارے دو مداروں میں الگ الگ حرکت کرتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو سمجھیں اور ایک دوسرے کی تکمیل کریں، ممکن ہے مگر کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ یعنی دونوں زندگی ساتھ بسر کر سکتے ہیں، ایک دوسرے کے عاشق اور

ایک دوسرے کے صفات و اخلاق قبول کر کے ٹھکاوٹ اور اکتاہٹ محسوس نہ کریں۔

پروفیسر ریک نے زن و مرد کے تقابلی مطالعے میں جو اختلافات قلم بند کیے ان میں ہے :

(۱) مرد اپنے چاہنے والی عورت کے ساتھ ہمیشہ رہنے کے خیال سے اکتاہٹ محسوس کرتا ہے۔ لیکن عورت کے لیے اس سے بہتر کوئی لذت نہیں کہ وہ ہمیشہ ایک چاہنے والے مرد کے پہلو میں رہے۔

(۲) مرد کا دل چاہتا ہے کہ ہمیشہ ایک حالت میں رہے۔ عورت کی خواہش رہتی ہے کہ ہر آن نئی نویلی ہو۔ ہر صبح کو نئے حلیے میں بستر سے اٹھے۔

(۳) بہترین جملہ جو ایک مرد کسی عورت سے کہہ سکتا ہے وہ عام محاورہ ہے ۔ "پیاری میں تمھیں چاہتا ہوں"۔ خوبصورت ترین جملہ جو عورت اپنے چاہنے والے سے کہہ سکتی ہے، وہ ہے ۔ "مجھے تم پر ناز ہے"۔

(۴) اگر کوئی شخص زندگی میں کئی محبوب عورتوں کے ساتھ رہ چکا ہو تو دوسری عورتوں کی نظر میں وہ جاذب توجہ ہوتا ہے۔ مرد کو وہ عورت بدی معلوم ہوتی ہے جو کئی مردوں کے ساتھ زندگی گذار چکی ہو۔

(۵) مرد کو بڑھاپے میں بدبختی کا احساس ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اپنے روزانہ مشغلے یعنی کام کو ہاتھ سے دیتے ہیں۔ مگر عورت بڑھاپے سے خوش ہوتی ہے کہ بہترین چیزیں اس کے سامنے ہوتی ہیں۔ گھر اور چند نواسے پوتے۔

(۶) مرد کی نظر میں خوش نصیبی کے معنی ہیں معاشرے میں ایک شخصیت اور مقام حاصل کرلے۔

(۷) عورت کے نزدیک خوش نصیبی کے معنی ہیں ایک آدمی کے دل پر قابو اور اسے زندگی بھر کے لیے اپنا لینا۔

(۸) مرد ہمیشہ چاہتا ہے کہ محبوب عورت کو اپنے مذہب و قوم میں داخل کرلے۔

(۹) عورت کے لیے شادی کے بعد خاندانی نام، دین و ملت اپنے محبوب مرد کی خاطر بدل لینا آسان کام ہے۔

شاہکارِ خلقت

زن و مرد کے ایسے فرق جن سے دونوں کی خاندانی ذمہ داریوں اور حقوق میں فرق پیدا ہوتے ہیں یا نہیں۔ اس سے قطع نظر۔ یہ مسئلہ بجائے خود خلقت کا شاہکار ہے، درسِ توحید و معرفتِ خدا ہے، جہان و کائنات کے حکیمانہ و مدبرانہ انتظام پر ایک آیت و نشان ہے۔ ایک واضح مثال ہے کہ خلقت کے معاملات کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں۔ فطرت اندھیرے میں اندھے کی طرح راستہ نہیں طے کر رہی ہے۔ علتِ غائی کے عمل دخل بغیر تخلیق و وجودِ کائنات آئے دن رونما نہیں ہو رہا ہے اس دعوے پر یہ بحث دلیل ہے۔

"تخلیق کی عظیم قوت نے حفظِ نوع اور مقصد تک پہنچنے کے واسطے تولید و تناسل کا انتظام کیا ہے۔ اس کے کارخانے سے ہمیشہ جنسِ نر اور جنسِ مادہ وجود میں آرہی ہے۔ پھر نسل کی بقا و دوام کے لیے دونوں جنسوں کی باہمی مدد اور تعاون و وحدت کی نیو رکھی ہے، خصوصاً نوعِ انسان میں، ان دونوں کی مدد سے وہ اس دور کو مکمل کر رہی ہے۔ قوتِ تخلیق نے ہر صاحبِ حیات کی خاصیت خود خواہی و منفعت طلبی کو خدمت و تعاون، عفو و ایثار سے بدل دیا ہے، ان کو ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا طلب گار بنا دیا ہے۔ اس نے منصوبے کو عملی شکل دینے کے لیے اور دونوں کے جسم و روح کو جوڑنے کے واسطے عجیب قسم کے جسمانی و روحانی فرق رکھے ہیں۔ تاکہ وہ آپس میں زیادہ سے زیادہ جذب و انجذاب حاصل کر سکیں ایک دوسرے کے عاشق و طلب گار رہیں۔ اگر عورت میں جسم و جان اخلاق و مزاج مردانہ ہوتا تو مرد سے کام لینا اور مرد کو اپنا شیفتہ و وصال بنانا محال ہوتا۔ اور اگر مرد میں اوصاف جسمانی و روحانی وہ ہوتے جو عورت میں ہیں تو، عورت اسے اپنی زندگی کا ہیرو نہ مانتی وہ اس کے دل کو جیتنا اپنے فن سکار کا بہترین شاہکار نہ سمجھتی۔ اصل مرد جہاں گیر اور زن مرد گیر پیدا ہوئی ہے۔"

قانونِ خلقت نے زن و مرد کو ایک دوسرے کا طلب گار بنایا ہے۔ یہ رابطہ عام چیزوں کا عام چیزوں جیسا نہیں، وہ تعلق جو انسان خود خواہی سے محسوس کرتا ہے۔ یعنی انسان چیزوں کو اپنی خواہش کی بنا پر طلب کرتا ہے۔ انھیں استعمال کی نظر سے دیکھتا ہے۔ انھیں حاصل کر کے اپنے وجود

...ام پر قربان کرتا ہے۔ میاں بیوی کا تعلق یہ کہ دونوں ایک دوسرے کی خوش نصیبی و راحت کی فکر میں رہتے ہیں خود فراموشی اور ایک دوسرے پر جاں نثاری سے لذت یاب ہوتے ہیں۔

خواہشات سے بلند تر رشتہ

بعض حضرات "شہوت" اور "رافت" (خواہش و دل جوئی) میں فرق نہیں کرتے۔ تعجب تو اس پر ہے۔ ان کے بیان میں میاں بیوی کو صرف لالچ اور شہوت کا رشتہ جوڑتا ہے۔ نفع اندوزی و حسنِ خدمت جیسے آدمی، کھانے، پینے، پہننے اور سواریوں سے ربط رکھتا ہے۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ خلقت و فطرت میں خود خواہی اور نفع اندوزی کے علاوہ اور بھی رابطے موجود ہیں۔ یہ رابطے خود خواہی کے جذبے سے نہیں پیدا ہوتے۔ ان کے علاوہ سرچشموں سے ابھرتے ہیں، وہ رشتے جاں نثاری، عفو و درگذر، اپنی تکلیفوں کو بھولنا، غیر کی راحت و آرام کا خیال رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ رشتے انسان کی انسانیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ باتیں جانوروں کے یہاں بھی دکھائی دیتی ہیں جب وہ اپنی جفت یا بچوں پر وقت آنے یا حفاظت کے لیے ان کا اظہار کرتے ہیں۔

ان لوگوں کا خیال ہے کہ مرد، ہمیشہ عورت کو اسی نظر سے دیکھتا ہے جیسے بے شادی شدہ جوان ایک ہرجائی عورت کو کبھی دیکھ لے۔ یعنی دونوں کا تعلق شہوت کا ہے اور بس۔ درحقیقت ایسا نہیں یہ رشتہ، شہوت سے بالاتر ہے۔ اور وہی بلند بندھن دونوں کا پیوند ہے۔ وہ رشتہ عالی قرآن مجید کی زبان سے "مودّت و رحمت" کہنا چاہئے:

ومن آیاته أن خلق لکم من أنفسکم أزواجاً لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودّةً ورحمةً (الروم/۲۰)

ترجمہ:

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے۔ اس نے تمھارے لئے تمھاری جنس میں جوڑا پیدا کیا کہ تم اس کے پاس سکون حاصل کرو اور تم دونوں میں "مودّۃ" (پرخلوص محبت) اور رحمت (مہربانی) پیدا کی۔

کتنی بڑی غلط فہمی ہوگی، اگر ہم تاریخ روابط زن و شوہر فقط خدمت حاصل کرنے اور استحصال اور تنازع بقاء کے نام سے تعبیر کریں اور کیا کیا مہمل باتیں اس سلسلے میں کہی گئی ہیں۔ سچ عرض کرتا ہوں بعض اوقات ان تحریروں کو پڑھتا اور دیکھتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔ یہ لوگ زن و مرد کے روابط کی تاریخ میں صرف ایک اصل اور ایک قانون استعمال کرتے ہیں "تضاد" زن و مرد، سماجی دو طبقوں کی طرح الگ الگ برسرپیکار رہنے والے دو طبقے ہیں۔ ان کے مفروضے پر تعجب اور ان کی جہالت و نادانی پر غم کھاتا ہوں۔ اگر والدین اور اولاد کی تاریخ روابط کو استثمار اور حسن خدمت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے تو روابط زن و مرد کی تاریخ بھی اس نظر سے دیکھی جا سکتی ہے۔ ٹھیک ہے۔ مرد ہمیشہ عورت سے زیادہ زور آور تھا۔ لیکن قانون خلقت نے مرد کے ضمیر کو ایسا بنایا ہے کہ وہ غلاموں اور کنیزوں اور کمزوروں کی طرح اپنی بیوی پر ظلم و ستم کو روا نہ رکھے، جیسے وہ سلوک اپنی اولاد پر جائز نہیں جانتا۔

مرد، عورتوں پر ستم کرتے ہیں۔ میں اس کا منکر نہیں ہوں۔ ہاں، وہ تشریح نہیں مانتا جو اس رویے کے بارے میں کی جاتی ہے۔ مردوں نے پوری تاریخ میں عورتوں پر بہت ستم ڈھائے ہیں لیکن ان مظالم کی بنیاد وہی اسباب تھے، جن کی وجہ سے انھوں نے اپنی محبوب اولاد پر ستم ڈھائے تھے۔ بلکہ انھیں اسباب کی بنا پر خود انسان نے اپنے اوپر بھی ظلم کیے۔ اس کی بنیاد تھی جہالت و عادت یا تعصب، اس کا حسن فائدہ طلبی سے کیا تعلق۔ اگر کبھی مناسب وقت ملا، تو تاریخِ تعلقاتِ زن و شوہر پر تفصیلی گفتگو کروں گا

زن و مرد کے باہمی نفسیات و احساسات

گھریلو رابطہ ہی عورت و مرد میں مختلف چیزوں کے روابط میں فرق پیدا نہیں کرتا، بلکہ خود ان دونوں کا باہمی تعلق بھی مشابہ نہیں رہتا۔ مرد کا عورت سے رابطہ اور اس کی نوعیت ویسی نہیں ہوتی جو نوعیت عورت کی رشتے کی بنیاد پر مرد سے ہوتی ہے دونوں میں دونوں طرف سے فرق ہوتا ہے۔ طرفین میں کشش کے باوجود لیکن اجسامِ بے جان کے برعکس چھوٹا جسم

تر ے جسم کو اپنی طرف کھینچتا ہے ، کیونکہ قوت تخلیق نے مرد کو مظہر طلب و عشق اور عورت کو مظہر محبوبیت و معشوقیت بنایا ہے ، مرد کے احساسات نیاز مندانہ ، عورت کے احساسات ناز آفرینی ہے مرد کے احساسات طالبانہ اور احساسات زن مطلوبانہ ہیں ۔

کچھ دن ہوئے ایک روزنامے میں اس روسی لڑکی کی تصویر چھپی تھی جس نے خودکشی کی تھی ۔ اس نوجوان لڑکی نے ایک تحریر چھوڑی جس میں تھا کہ مجھے اب تک کسی مرد نے نہیں چھوا اس لیے مجھے زندگی برداشت نہیں ۔

ایک لڑکی اگر کسی مرد کی محبوب نہیں بن سکتی تو اپنے اندر بہت بڑی شکست محسوس کرتی ہے ۔ اسے کسی مرد نے چھوا نہیں ۔ نوجوان لڑکا زندگی سے کب مایوس ہوتا ہے ؟ جب اس کو کسی لڑکی نے چوما ہو ؟ نہیں ۔ وہ مایوس اس وقت ہوتا ہے جب کسی لڑکی کو چوم سکے ۔

طویل اور جامع بحث کے دوران " ویل ڈیورانٹ " لکھتا ہے ، اگر شوہر کے حصول میں دختران اختیار فقط علم و فکر میں ہوتا ۔ دل ربائی و بھول پن اور چالاکی بے کار ہوتی تو ساٹھ فی صد اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکیاں بن بیاہی نہ رہتیں ۔ ۔ ۔ ۔

اعلیٰ درجے کی مفکر و تعلیم یافتہ خاتون بیگم مونیا کو الوسکی " شکایت کرتی تھیں ، کوئی شخص ان سے شادی نہیں کرتا ۔ انہوں نے کہا : مجھے کوئی کیوں نہیں چاہتا ؟ میں دوسری عورتوں سے بہتر ہو سکتی ہوں ، باوجود اس کے بے حیثیت و کم اہمیت عورتوں سے عشق کیا جاتا ہے مگر مجھ سے نہیں ۔

آپ نے دیکھا ، یہ محترمہ کس طرح کے احساس شکست میں مبتلا ہیں اور وہ بھی مرد کے مقابلے میں ۔ وہ کہتی ہیں مجھے کوئی کیوں نہیں چاہتا ؟ "

مرد اس وقت شکست محسوس کرتا ہے جب شادی کے مرحلے میں وہ اپنی محبوبہ کو حاصل نہ کر سکے یا محبوبہ تو مل جائے مگر وہ اس کے قابو میں نہ آئے ۔

ان سب چیزوں کا ایک فلسفہ ہے ۔ گہرا ، اور مضبوط اتحاد و تعلق ۔ یہ رشتہ استوار کیوں

درکار ہے ؟ تاکہ زن و مرد ، زندگی سے زیادہ لذت حاصل کر سکیں ؟ نہیں! فقط یہی نہیں۔ انسانی معاشرے کی اساس اور نسلِ آیندہ کی نیو اسی سطح پر استوار ہوتی ہے۔

ماہرِ نفسیات خاتون کا نظریہ

رسالہ "زن روز" شمارہ ایک سو ایک میں "کلو دِا السن" کے قلم سے ایک نفسیاتی بحث شایع ہوئی ہے۔

یہ محترمہ خاتون کہتی ہے :

ایک خاتون نفسیاتی ماہر کے طور پر، میرا سب سے زیادہ رجحان مردوں کے نفسیات کے مطالعے کی طرف تھا۔ کچھ دن پہلے مجھے یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ میں زن و مرد کے نفسیاتی عوامل پر تحقیق کروں، اس تحقیق کے نتیجہ میں مجھے معلوم ہوا :

۱۔ تمام عورتوں کی خواہش ہوتی ہے کہ کسی شخص کی نگرانی میں کام کریں، انھیں محکوم ہونے اور نگرانِ کار کے ماتحت کام کرنے میں خوشی ہوتی ہے۔

۲۔ عورتیں یہ چاہتی ہیں کہ لوگ ان کے وجود کو موثر اور ان کو نیازمندی کا مرکز جانیں۔

اس کے بعد یہ محترمہ اپنی رائے کا اظہار یوں کرتی ہیں :

میرے خیال میں ان دونوں نفسیاتی احساسات کی بنیاد یہ ہے کہ خواتین جذبات کی تابع اور مرد عقل کے تابع ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ خواتین ہوشمندی میں مردوں کے برابر ہی نہیں بلکہ بعض اوقات اس معاملے میں وہ برتر بھی نکلتی ہیں۔ خواتین کا نقطۂ کمزوری فقط ان کے جذبات کی شدت ہے۔ مردوں کی سوچ ہمیشہ عملی ہوتی ہے، وہ بہتر فیصلہ کرتے ہیں۔ اچھے قسم کا نظم و نسق قائم کرتے ہیں، ان کی رہنمائی اچھی ہوتی ہے۔ لہذا مردوں کی برتری کا سبب خود فطرت کی اساس ہے۔ اس حقیقت سے عورتیں جتنی بھی ٹکر لیں۔ فائدہ مند نہ ہوگا۔ خواتین ، مردوں سے زیادہ حساس ہیں لہذا انہیں یہ باور کرنا چاہیے کہ انھیں زندگی میں مردوں کی سرپرستی درکار ہے ..... خواتین کا مقصدِ زندگی "حفاظت" ہے۔ جب انھیں یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے

سی وقت کام سے ہاتھ روک لیتی ہیں۔ اس مدعا کو حاصل کرنے کے لیے خطرات کا سامنا کرتے ہچکچاتی ہیں، ان کا احساس خوف ایک ایسا احساس ہے جسے دور کرنے کے لیے مدد کی ضرورت پڑتی ہے، جن کاموں میں لگاتار سوچنا پڑتا ہو، عورتوں کو تھکا دینے والے کام ہیں....."

جلد بازی کا انقلاب:

عورتوں کے پامال شدہ حقوق کی بحالی کے لیے جو انقلاب برپا ہوا اس میں بہت زیادہ بے حواسی اور جلد بازی سے ... وجہ یہ تھی کہ انھیں یہ خیال ہی دیر میں آیا۔ ان کے جذبات نے مہلت نہ دی کہ علم ان سے ... اور اسے رہنما بناتا۔ آخر کار خشک و ترسب کچھ جل گیا۔ اس سلسلے سے عورتوں کی کچھ محرومیاں کم ہوئیں مگر حقوق کچھ زیادہ دے دیے گئے۔ بند دروازے کھولے۔ مگر بد بختیاں اور ... بدلے میں زیادہ ملیں۔ یہ سب کچھ خواتین ہی کو نہیں بلکہ معاشرے کے مقدر کو بھی ملا۔ طے شدہ بات ... جلد بازی نہ ہوتی تو خواتین کے حقوق بہت اچھے انداز میں ملتے اور حالات کی ابتری ... کی چیخ پکار، حال اور مستقبل کے واسطے ان کی یہ گھبراہٹ اور فریاد فلک تک پہنچتی ... ہے۔ علم و دانش راہ نکالے گی۔ انقلاب خواتین جذباتیت کے بجائے علم و دانش پر ... یورپ کے دانش وروں کے نظریات کا اظہار اس بارے میں امید افزا ہے۔ ... دے رہا ہے۔ جن ... نوں نے مقلدینِ مغرب کو نشے میں مدہوش کر رکھا ہے، خود اہل ... نشے کے خمار اور آخری ... پہنچ رہے ہیں۔ ان کا نشہ ٹوٹ رہا ہے۔

ول ڈیورنٹ کا نظریہ

لذاتِ فلسفہ حصہ چہارم میں ول ڈیورنٹ نے جنسی و عائلی مسائل پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ہم اس کتاب سے اپنے ... کے لیے کچھ اقتباسات لکھیں گے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ مغربی افکار کے ... اور جلد بازی کے فیصلوں سے احتیاط کریں۔

... فصل ہفتم میں "عشق" کا عنوان قرار دے کر کہتا ہے:

"عشق کا پہلا صاف نغمہ، آغازِ بلوغ میں شروع ہوتا ہے۔" پیوبرٹی (PUBERTY) جس کے معنی انگریزی میں "بلوغ" ہیں، لاطینی اصل کی بنا پر اس کا مطلب ہے "بالوں کا سن" وہ عمر جب لڑکے کے بدن پر بال اگنے شروع ہوتے ہیں۔ خاص کر "سینے کے بال" جن پر لڑکے ناز دکھاتے ہیں اور چہرے کے بال ترشوانے میں سی سی پوس (SISYPHUS) کی طرح جبر اٹھاتے تھے۔ بالوں کی تراش خراش دونوں پہلوؤں کے بالوں کی چھوٹ۔ بظاہر قوت توالد و تناسل سے وابستہ ہے۔ اس کی بہترین شکل اس وقت نمایاں ہوتی ہے جب نشاط زندگی اپنے عروج پر پہنچتا ہے۔ ترچھوتری کا زمانہ، بالوں کے ساتھ اچانک آواز میں سختی بھی لے آتا ہے۔ یہ جنس کی ثانوی صفت ہے جو لڑکوں کے بلوغ پر انہیں عارض ہوتی ہے۔ اسی عمر میں لڑکیوں کو فطرت کی طرف سے اعضا و حرکات میں لوچ اور لچک عطا ہوتی ہے جس سے آنکھوں میں خیرگی آتی ہے، ان کے کولھے چوڑے ہو جاتے ہیں کہ مادرانہ عمل آسان ہو۔ سینہ بھر جاتا ہے۔ پستان ابھر آتے ہیں کہ بچوں کو دودھ پینے میں سہولت ہو۔ ان ثانوی خصوصیات کے نمو کی علت کسی کو معلوم نہیں۔ پروفیسر اسٹرلنگ کے نظریے نے کچھ حامی پیدا کیے ہیں، ان کا خیال ہے کہ بلوغ کے دوران نہ صرف تناسلی خلیے لطف پیدا کرتے ہیں بلکہ ایک نوع کے "ہرمون" بھی بناتے ہیں جو خون میں داخل ہو کر جسمانی و نفسیاتی تبدیلیاں بھی لاتے ہیں۔ اس عمر میں جسم میں نئی قوت تو جنم لیتی ہی ہے، خود روح اور مزاج و عادات میں بھی ہزاروں قسم کے تاثرات کروٹ لینے لگتے ہیں۔ رومن رولانڈ کے بقول:

> زندگی کے برسوں میں ایک ایسا وہ آتا ہے جب جسمانی تبدیلیاں آہستہ سے ایک مرد کا وجود مرد میں اور ایک عورت میں بدل دیتی ہیں، یہی بڑی تبدیلیاں ہیں...... دیری ذلوانائی نرم دلوں کو گرم کر کے پگھلاتی ہے اور نرمی و لطافت، زورآوروں کی ہوس کو بھڑکاتی ہے۔

لہ سی سی پوس ایک قدیم افسانوی بہادر جس کا صبر مشہور تھا مصنف کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں بال کٹوانے اور منڈوانے میں بڑی سختی جھیلنا پڑتی تھی کیونکہ خط بنانے کے اوزار دستیاب نہ تھے۔ اس کے باوجود لڑکے صبر ایوب کا مظاہرہ کرتے اور خط بنواتے تھے۔

...نوسا کہتا ہے:

"...ب مرد، جھوٹے، مکار، شیخی خورے، دورخے، جھگڑالو ہوتے ہیں اور تمام عورتیں خود پسند، دکھاوے اور خیانت کی عادی ہوتی ہیں۔ ہاں، دنیا میں فقط ایک چیز بلند و مقدس ہے اور وہ ہے ان دونوں ناقصوں کا بندھن......"

- جوڑے کی تلاش، بڑی عمر کے آدمیوں میں، ایک طرف تو مردوں پر تسلط طلبی کے لئے ہوتا ہے اور دلبری و دل ربائی سے فرار کی خاطر عورتوں کے لیے۔ (مگر یہ مکمل کلیہ نہیں ہے) چونکہ مرد فطری طور پر جنگ جو اور شکاری جانور واقع ہوا ہے اس وجہ سے اس کا عمل مثبت و حملہ آوری ہے۔ اس کے لیے عورت، انعام ہے جو اسے حاصل کرنا چاہیے۔ وہ اسے اڑا لینا اور اس کا مالک بننا چاہتا ہے۔ بیوی کی تلاش جنگ و پیکار ہے اور شادی، شریک زندگی کی تلاش اور اقتدار ہے۔
- عورت میں پاک دامنی کی فراوانی توالد و تناسل کی خدمت انجام دیتی ہے، کیونکہ پردہ نشینی انتخاب جنس میں مددگار ہوتی ہے۔ پاک دامنی، عورت کو قوت بخشتی ہے وہ اپنے عاشق کی جستجو میں زحمت تشکیں اٹھاتی ہے۔ عاشق سے مراد اس کا وہ ساتھی جو اس کی اولاد کے باپ بننے کا فخر حاصل کرے۔
- عورت کی زبان سے گروہ اور نوع خواتین کے فائدے کی بات ہوتی ہے اور حلقوم مرد سے ... کے فائدے پر گفتگو۔
- عشق کے کھیل میں، عورت مرد سے زیادہ ماہر ہے۔ کیونکہ اس کے رجحان میں اتنی شدت ہوتی کہ عقل کی آنکھ اسے دیکھ سکے۔

ڈارون نے مطالعہ کیا ہے کہ مادہ جان داروں میں دنیائے عشق سے تعلق رکھنے والی مخلوق ہے۔

... اور کرافٹ ایبنگ کہتے ہیں:

- عورتیں، مردوں کی مکمل تعریفوں کے پیچھے ہولیتی ہیں، وہ مردوں سے اپنی خواہشات...

زیادہ توجہ کی طلب گار ہوتی ہیں، اس کا سبب ان کا جنسی لذت سے گہرا تعلق ہے۔

لمبرزو کہتا ہے:

عورت میں عشق کا عنصر ایک ثانوی صفت ہے جو اس نے ماں سے لی ہے۔ اس کے علاوہ تمام جذبات و احساسات جو ایک عورت کو مرد سے ملاتے ہیں۔ وہ جسمانی اسباب کے پیدا کردہ نہیں بلکہ اس کے خمیر سے سر اٹھاتے ہیں جن میں یہ حس پوشیدہ ہوتی ہے کہ وہ کسی کی تابع اور کسی کی سپردگی میں۔ مرد کی حمایت اسے حاصل ہو۔ وہ اپنے حالات کو اپنے وجود کے معاملات کو اس سے منطبق کرنا چاہتی ہے۔

ول ڈیورینٹ نے "مرد و عورت" کے عنوان سے ایک فصل میں لکھا ہے:

- عورت کا خاص کام بقائے نوع کی خدمت ہے۔
- مرد کا خاص کام عورت اور بچے کی خدمت ہے۔ اور دونوں اس اساسی کام کے لیے حکمت و تدبیر کے پابند کیے گئے ہیں۔ یہ بنیادی مقصد ہیں۔ مگر آدھی مخلوق بے خبر ہے۔ حالانکہ انسان و خوش نصیبی کی روح اس میں پوشیدہ ہے....
- عورت کی فطرت میں زیادہ رجحان پناہ جوئی کا ہے جنگ طلبی کا نہیں۔ کچھ مادہ مخلوق ایسی دیکھی ہے جس میں جنگ کا اندرونی محرک موجود ہی نہیں ہے۔ مادہ اگر کہیں لڑتی ہے تو اپنی اولاد ہی کے لیے لڑتی ہے۔
- ..... عورت، مرد سے زیادہ صابر ہوتی ہے، اگرچہ بڑے بڑے کام اور بہادری کے معاملے اور زندگی کے بحران میں مرد کی شجاعت زیادہ کام دکھاتی ہے۔ لیکن لگاتار تحمل و برداشت، چھوٹے چھوٹے پریشان کن حالات اور تکالیف میں عورت کا صبر زیادہ ہے۔

عورت کی جنگ جوئی ایک دوسرے وجود میں ہوتی ہے۔ عورت فوج پسند کرتی ہے۔ سپاہی اسے اچھا لگتا ہے۔ دلیری کے مظاہروں میں اس کے اندر ایک عجیب محرک پیدا ہو جاتا

- جب عورت اپنے سرگردان مفکر شوہر کو، گھر کا فدائی، اور اپنے بچوں کا پابند بنا لیتی ہے تو اصل میں اس کا سبب احساس حفظ و بقاء نوع ہوتا ہے۔
- عورت کا عشق گھر اور بچوں سے ہوتا ہے۔ اگر وہ ان کی نگہداشت میں کامیاب ہو گئی تو اسے دولت و حکومت کی پروا نہیں رہتی۔ جو لوگ اس نظام کو بدلنا چاہتے ہیں، یہ عورت ان کا مذاق اڑاتی ہے، آج کی عورت فطرتاً اگر خاندان اور بچوں کی دیکھ بھال میں کمزور نظر آتی ہے تو اس کا سبب اس کا شہری ہونا ہے وہ اپنی فطرت کو بھول گئی ہے لیکن فطرت کی شکست دائمی نہیں ہوتی۔ وہ جب چاہے اپنے اندر کے ذخیروں اور دفینوں کے سہارے پلٹ سکتی ہے۔
- دنیا میں پھیلاؤ اور عدد کے اعتبار سے بہت سی قومیں اور نسلیں ہم سے زیادہ موجود ہیں۔ ان قوموں نے اپنی فطرت کے قوانین محفوظ اور باقی لامحدود رکھے ہیں[1]۔

زن و مرد کا یہ مختصر سا تعارفِ اختلاف جو ہم نے اس مسئلہ کے ماہرین کے نظریات کی روشنی میں پیش کیا۔

"رازِ تفاوتِ تنہا" ناہمواری کے راز پر کچھ تاریخی عوامل کا جائزہ بھی لینا چاہتا تھا کہ کس حد تک اس کے اثرات ہیں؟ مگر مطالب کا دامن موضوع سے آگے نکل جائے گا اس لیے نظر موڑتا ہوں، گفتگو کے ضمن میں کچھ باتیں روشن ہوتی جائیں گی۔

---

[1] ایک علاقے کا سروے اور زمین پر پھیلی ہوئی کروڑوں قبیلوں اور نسلوں کو چھوڑ کر نتائج پر بحث اور ان پر اپنے فلسفہ و قوانین کی عام بنیاد رکھنا غلط ہے۔

آٹھواں حصّہ :

مہر اور نان و نفقہ

- مہر و نفقہ، عورت کی کنیزی کے دور کا بقیہ ہے ؟
- قرآن مجید نے مہر کو مرد کی طرف سے عورت کو ہدیہ اور اس کے خلوص کی نشانی کہا ہے۔
- مہر کا نقطۂ اوّل فطرت کا وہ تقاضہ ہے جو عشق کی بنیاد پر مرد اور عورت سے دو الگ الگ چیزیں چاہتا ہے۔
- اسلام نے مہر کے بارے میں جاہلیت کی رسمیں منسوخ کر دیں۔
- عورت کا عشق اگر خود اس کی طرف سے شروع ہو تو عشق بھی شکست کھاتا ہے اور عورت کی شخصیت بھی ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے۔
- ہمیں ان مردوں کی اصلاح کرنا چاہیے جو اسلامی قانون پر عمل نہیں کرتے۔ قانون کو خراب کرنے کی ضرورت کیا ہے ؟
- مہر کا سسٹم اسلام سے مخصوص ہے، اس کو ہر سسٹم سے الگ ہو کر دیکھنا چاہیے۔
- یورپ نے سو سال اور اسلام نے چودہ سو برس پہلے عورت کو اقتصادی آزادی دی ہے۔
- فقہ اسلامی کے نقطۂ نظر سے نفقہ کی تین قسمیں۔
- یورپ کی خواتین مشین کی شکر گذار ہوں، قانون سازی کی نہیں۔

- ـــــ اسلام نے اقتصادی آزادی دی، خانہ بربادی نہیں۔
- ـــــ عورت، سرمایہ مرد سے کم حاصل کرتی ہے اور سرمایہ استعمال زیادہ کرتی ہے۔
- ـــــ آج کا مرد چاہتا ہے، نفقہ کا حق ختم کرکے، عورت سے فکری قید کا انتقام لے
- ـــــ عورت کا حقِ نان ونفقہ شوہر سے ختم کرنا بیکاری مردوں کی راہ ہموار کرنا ہے۔
- ـــــ کیا منشورِ حقوقِ انسانی نے عورت کی توہین کی ہے؟

مہر اور نفقہ

①

شادی کے مرحلے میں مرد "مہر" مانے۔ اور اپنی ملکیت مال یا املاک میں سے کچھ رقم لڑکی کے باپ یا ماں کو دے۔

جب تک میاں بیوی کے تعلقات باقی رہیں، شوہر، بیوی بچوں کے تمام اخراجات پورے کرے۔

خانگی رشتوں کے بارے میں انسانوں کی یہ پرانی رسم چلی آرہی ہے۔

اس رسم کی بنیاد کیا ہے؟ یہ رسم کیوں اور کیسے شروع ہوئی؟ یہ مہر کی مد کیا ہے؟ عورت کو نفقہ دینا، یعنی چہ؟

اگر زن و مرد، اپنے فطری و انسانی حقوق سے بہرہ ور ہوں اور ان میں عادلانہ و انسانی رشتے برقرار ہوں، بیوی سے انسان جیسا رویہ حکمران ہو تو بھی مہر و نان و نفقہ کا سوال پیش آسکتا ہے؟ ایسا تو نہیں کہ مہر و نان و نفقہ اس زمانے کی یادگار ہو جب بیوی شوہر کی مملوک ہوا کرتی تھی؟

عدل اور حقوق انسانی کی برابری — خصوصاً بیسویں صدی کا — تقاضہ یہ ہے کہ مہر و نان و نفقہ کا سسٹم ختم کیا جائے۔ شادیاں، بلا مہر ہوں، نفقہ کا مسئلہ ختم کیا جائے، عورت خود اپنی مالی ذمہ داریاں برداشت کرے، اولاد کے معاملات میں بھی دونوں برابر کے کفیل ہوں۔

تو ہم مہر سے بات شروع کرتے ہیں۔ دیکھتے ہیں، مہر، کیسے پیدا ہوا، اس کا فلسفہ کیا ہے

اور ماہرین معاشرتی علوم نے مہر کی وجہ کیا بیان کی ہے؟

مہر کا تاریخچہ:

کہا جاتا ہے: قبل از تاریخ، انسان وحشیانہ زندگی گذارتا، قبیلوں کی صورت میں رہتا، اور نامعلوم اسباب کی بنا پر اپنے خون شریک سے شادی کرنا جائز نہیں جانتا تھا۔ شادی کے خواہش مند جوان مجبوراً دوسرے قبیلے سے معشوقہ و شریک زندگی مانگنے جاتے تھے۔ ان دنوں مرد اولاد کی پیدائش میں اپنا کردار نہیں جانتا تھا۔ اسے واقفیت نہ تھی کہ جنسی عمل، پیدائش اولاد میں موثر ہے۔ اولاد کو بیوی کی اولاد سمجھتے تھے اپنی اولاد نہیں جانتے تھے۔ نسب، باپ کے بجائے ماں کے نام سے منسوب کرتے تھے۔ بچوں میں آپ سے مشابہت محسوس تو کرتے تھے مگر اس کی وجہ معلوم نہ تھی۔ ان کے نزدیک مرد قوت تولید سے محروم مخلوق تھی، شادی کے بعد شوہر ایک ضمنی شخصیت کے طور پر بیوی کے ساتھ اسی کے قبیلے میں رہتا اور بیوی اس کی جسمانی قوت اور رفاقت سے فائدہ اٹھاتی تھی۔ اس عہد کو "ماں کی حکومت" کا دور کہتے ہیں۔

جلد ہی مرد کو عمل تولید میں اس کا حصہ معلوم ہو گیا اب وہ فرزند کا اصل مالک بن گیا۔ اسی وقت سے اس نے عورت کو اپنا تابع بنالیا اور خود گھر کا سربراہ بن گیا۔ یہاں سے "باپ کی حکومت" کا عہد شروع ہوا۔

اس پیریڈ میں بھی خونی رشتوں سے شادی جائز نہ تھی۔ مرد کو دوسرے قبیلے میں بیوی ڈھونڈھنا، پھر اسے اپنے قبیلے میں لانا پڑتا تھا۔ قبائل میں عموماً جنگ رہتی تھی لہذا، لڑکی کو لے بھاگنا پڑتا، یعنی جو، نوجوان لڑکی، لڑکے کو پسند آتی اسے اس کے قبیلے سے نکال لاتے تھے۔

آہستہ آہستہ جنگ کے بجائے صلح کا راج ہوا، اور مختلف قبائل مل جل کر جینے کے ڈھنگ سیکھ گئے۔ اب لڑکی کو بھگا لے جانے کی ضرورت نہ رہی۔ لڑکا اپنی پسندیدہ لڑکی حاصل کرنے، دوسرے قبیلے جاکر، لڑکی کے باپ کی خدمت مزدوری کرتا، باپ اس کی محنت مزدوری کے بجائے اپنا داماد بنالیتا اور لڑکا اسے اپنے قبیلے لے جاتا۔

دولت میں اضافہ ہوا تو مردوں نے سوچا، مدتوں منگیتر کے باپ کی خدمت کرنے سے بہتر یہ ہے کہ مناسب ہدیہ لے پیش کر کے منگیتر لے لی جائے۔ یہاں سے "مہر" ایجاد ہوا۔

اس ترتیب کی بنیاد پر پہلے دور میں شوہر، بیوی کا بچہ لگو اور خدمت گار تھا عورت مرد پر حکومت کرتی تھی۔ اس کے بعد، حکومت مرد کے ہاتھ آئی، مرد۔ دوسرے قبیلے سے عورت اٹھالاتے تھے۔ تیسرا دور وہ آیا جب لڑکا منگیتر کے گھر جاتا، باپ سے مل کر بات کرتا اور منظوری کی صورت میں یہ لڑکا خدمت گاری بجالاتا اور محنت مزدوری کر کے ہونے والے سسر کو راضی کرتا تھا۔ چوتھا مرحلہ وہ تھا جہاں مرد، ایک معین رقم "پیش کش" کے طور پر لڑکی کے باپ کو دیتا تھا، یہاں سے "مہر" کا سلسلہ شروع ہوا۔

کہتے ہیں: مرد نے جب "ماں کی حکومت" کا دور ختم کر کے "پدر شاہی" کا عہد شروع کیا تو "عورت کم از کم، مزدور بنالی گئی، اسے ایک اقتصادی ذریعہ سمجھ لیا گیا، اس سے کبھی کبھی جنسی تسکین بھی حاصل کی جاتی تھی۔ اس نے عورت کو معاشرتی و اقتصادی آزادی نہیں دی اس کی محنت مزدوری کا ثمر، باپ یا شوہر کو ملتا تھا۔

- عورت اپنی پسند سے شوہر نہیں چن سکتی تھی۔
- عورت خود مختار اقتصادی و مالی حیثیت کی مالک نہ تھی۔

دراصل مہر جیسی چیز اور نان و نفقہ کے نام سے جو اخراجات ہوتے تھے اس کے صلے میں بیوی سے یک جائی کے زمانے تک جو محنت مزدوری لیتا تھا اس کا عوضانہ تھا۔

مہر۔ نظامِ قانون اسلامی میں

انسانی معاشرے کی ترقی کا پانچواں دور جسے علوم معاشرہ کے ماہرین نے فراموش کردیا اور اہل نظر خاموش گذر گئے۔ یعنی وہ دور جب شادی کے وقت اپنی طرف سے براہ راست عورت کو کچھ "پیش کش" کرنے لگا۔ لڑکی کے ماں، باپ اس "پیش کش" پر کوئی حق نہیں رکھتے۔ عورت پیش کش قبول کرتے ہی اپنی معاشرتی

و اقتصادی آزادی محفوظ کر لیتی ہے۔

اولاً: وہ اپنا شوہر خود اپنے ارادے سے منتخب کرتی ہے، ماں اور باپ کے ارادے سے نہیں۔

ثانیاً: جب تک باپ کے گھر میں رہے اور جب سے شوہر کے گھر جائے کسی کو حق نہیں کہ اس سے خدمت گاری لے اور استثمار کرے۔ محنت مشقت سے جو کمائے وہ اسی کی ملکیت ہے۔ دوسرے کا اس سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ اپنے حقوق کے معاملات میں کسی سربراہ مرد کی محتاج نہیں ہے۔

مرد، عورت سے فائدہ اٹھانے کے معاملے میں فقط یہ حق رکھتا ہے کہ رشتے کی مدت میں اس کے وصال سے بہرہ مند ہو۔ اس پر ذمہ داری ہے کہ جب تک رشتہ ازدواج باقی ہے اس سے وصال کرتا ہے اور اس کی زندگی کی نگہداشت رکھے۔

اس نظام کو قرآن نے قبول کیا ہے۔ اس نے شادی کی اساس یہی مانی ہے۔ قرآن کریم میں متعدد آیتیں بتاتی ہیں کہ مہر۔ عورت کا مال ہے کسی کا اس پر حق نہیں

مرد کو شادی کی پوری مدت تک بیوی کے اخراجات کی ذمے داری پوری کرنا ہوگی اس زمانے میں محنت مزدوری، کام کاج کرکے جو کچھ کمائے وہ اس کی ذاتی ملکیت ہے۔ باپ یا شوہر کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

یہاں پہنچ کر "مہر و نفقہ" معما بن جاتا ہے۔ جب مہر، باپ کی ملکیت ہوتا تھا، اس وقت لڑکی اپنے شوہر کے گھر میں لونڈی کے طور پر آتی اور شوہر اس سے ہر قسم کا فائدہ اٹھاتا تھا۔ اس وقت مہر کا فلسفہ تھا، باپ سے لڑکی خرید اور ضروری اخراجات نان و نفقہ کا فلسفہ تھا وہ اخراجات جو ہر مالک اپنی مملوکہ چیز پر کیا کرتا ہے۔ یہ صورت کہ باپ کو کچھ نہ دیا جائے، شوہر کو استثمار کا حق نہ ہو، بیوی سے اقتصادی فوائد نہیں لے سکتا بیوی، اقتصادی پہلو سے مکمل طور سے آزاد ہے۔ اسے حقوق کے لحاظ سے بھی کسی

...ت" سرپرستی و سرپرستی و اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر مہر دینا اور نان
نفقہ ادا کرنا کیا ہے؟

تاریخ پر ایک نظر:

پانچویں مرحلے میں "مہر و نان و نفقہ" کے فلسفے کی چھان بین کے وقت ہمیں گذشتہ چار دوروں پر تھوڑی توجہ دینا ہو گی۔ دراصل اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ غیر یقینی مفروضے اور تخمینے ہیں۔ نہ وہ تاریخی حقائق ہیں نہ علم و تجربہ کے نتائج۔ قبل از تاریخ انسانی زندگی کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے ان کی بنیاد کچھ علامات و قرائن ہیں اور کچھ فلسفیانہ مفروضے ہیں جن سے انسان اور کائنات پر گفتگو کی جاتی ہے۔

"مادر شاہی" ۔ ماں کی حکومت کا عہد۔ ایک اصطلاح ہے۔ اس ضمن میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ آنکھیں بند کر کے تو ماننے والی باتیں نہیں ہیں۔ اسی طرح باپ کا لڑکیاں بیچنا، یا دوسروں کا عورت سے ناجائز فوائد حاصل کرنا ان کا استثمار، جلدی مانی جانے والی باتیں تو نہیں ہے۔

ان اندازوں اور مفروضوں کے اندر دو چیزوں پر نظر جمتی ہے۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ کوشش ثابت کیا گیا ہے کہ ابتدائی دور کا انسان حد سے زیادہ سخت دل اور درشت تھا احساسات انسانی تو تھے ہی نہیں ۔ دوسری بات یہ ہے کہ فطرت اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے جو حیرت انگیز تدابیر اختیار کرتی ہے اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔

اس قسم کی تشریح اور اس طرح کے نظریے، انسان و فطرت کے بارے میں اہل مغرب کے لیے تو ممکن ہیں، لیکن اہل مشرق کے لیے ۔۔ اگر ان پر مغرب کا جادو نہ چل گیا ہو۔۔ ممکن نہیں ۔ یورپین خاص اسباب کی وجہ سے انسانی جذبات سے بیگانہ ہے۔ وہ مجبور ہے ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ بنیادی تاریخ میں جذبات اور انسانیت کی جھلکیاں دیکھ پائے۔ وہ تو اگر اقتصادیات کے مسائل چھوڑ کر اٹھتا ہے تو وہ ٹی دیکھتا ہے۔

اس کی نظر میں تاریخ متین کا نام ہے جب اسے کچھ کھانے کو نہ دیا جائے (فیڈ نہ کیا جائے) ہے چلے ہی گی نہیں۔ اگر جنسی مسائل کے گیر میں گیا تو انسانیت و تاریخ بشریت اپنے تمام ثقافتی و ہنری، اخلاقی و مذہبی، تجلیوں اور روحانی جاہ و جلال سمیت صرف جنس کی بدلتی صورتوں میں کھیل کھلوتے ہیں اور کچھ بھی نہیں۔ اور اگر . . . سرداری اور برتری کے گیر میں چلا گیا تو سرگذشت بشریت ان کے نزدیک یکسر خون ریزی و بے رحمی ہے۔

اہل مغرب گذشتہ وسطی عہد میں مذہب اور مذہب کے نام لیواؤں کے ہاتھوں بڑے شکنجے میں رہے، بہت دکھ اٹھائے زندہ آگ میں ڈالے گئے، اسی وجہ سے لوگ خدا اور مذہب بلکہ اس کی بو رکھنے والی چیز سے بھی ڈرتے ہیں۔ چنانچہ تمام علمی علامات و آثار دیکھنے کے باوجود، طبیعت کے با مقصد ہونے اور کائنات کے لیے ایک مدبر ہونے کا اعتراف یا "علت غائی" کے وجود کا اقرار کرنے کی جرات نہیں کرتے۔

ہم ان شارحین سے یہ نہیں چاہتے کہ پوری تاریخ میں پھیلے ہوئے پیغمبران خدا کو مانیں: ان پیغمبر والے عدالت و انسانیت کا نعرہ بلند کیا، انحرافات کا مقابلہ کیا۔ ان مقابلوں کے اچھے نتائج حاصل کیے، ہم یہ منوانا نہیں چاہتے۔ مگر اتنا تو ضرور چاہتے ہیں کہ یہ لوگ کم از کم طبیعت کے باخبرانہ دستکاری اثر کو نظر انداز نہ کریں۔

تعلقات مرد و زن کی تاریخ میں یقیناً بہت ظلم اور بڑی بے رحمیاں ہوئی ہوں گی۔ قرآن مجید نے اس بے رحمی کی بدترین مثالیں بھی بیان کی ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ سراسر تاریخ میں قساوت اور سختی کا انداز ہی رہا۔

مہر کا حقیقی فلسفہ:

ہمارے عقیدے میں "مہر" ایک ماہرانہ "تدبیر" کا نتیجہ ہے۔ آغاز فطرت و تخلیق سے زن و مرد کے روابط اور ان کے رشتے کو زیادہ مستحکم کرنے کے واسطے "مہر" ایجاد کیا گیا۔

اصل خلقت میں زن و مرد کا مسئلہ عشق الگ الگ ہے عورت کا عشق کچھ اور طور طریقے

کا ہے اور مرد کا کچھ اور۔ مہر۔ کی ضرورت و ایجاد اسی مرحلے میں ہوئی۔

صوفی، اس قانون کی پوری ہستی میں کارفرما مانتے ہیں۔ ان کا تو عقیدہ ہے کہ عشق وجذب وانجذاب تمام موجودات و مخلوقات پر حکمران ہے۔ خصوصیت یہ ہے کہ موجودات میں سے ہر ایک کا کام الگ ہے ذمہ داری الگ ہے۔ اسی وجہ سے ان کے مقام میں فرق ہے۔ ایک جگہ سوز ہے ایک کے لیے ساز، فخرالدین عراقی نے کہا:

سازِ طربِ عشق کہ داند کہ چہ است؟	عشق کے طرب انگیز ساز کو کوئی کیا جانے
کز زخمۂ آں نہ فلک اندر تگ و تاز است	بس مختصر یہ کہ اس کے زخمے کی چھیڑ نے تو آسمان رواں کر رکھے ہیں۔
رازیست دریں پردہ گر آں راہ شناسی	اس پردے کے پیچھے ایک راز ہے اگر وہ راز
دانی کہ حقیقت ز چہ در بندِ مجاز است	معلوم ہو جائے تو سمجھ میں آئے گا کہ حقیقت کو مجاز کا پابند کیوں رکھا گیا ہے۔
عشق است کہ ہر دم بدگر رنگ در آید	عشق ہر آن نئے رنگ میں جلوہ نما ہوتا ہے۔
ناز است بجائی و بیک جای نیاز است	وہی ایک جگہ ناز اور دوسری جگہ نیاز نظر آتا ہے۔
در صورتِ عاشق چہ در آید ہمہ سوز است	عاشق کے سراپا میں جو کچھ سمایا ہوا ہے
در کسوتِ معشوق چہ آید ہمہ ساز است	وہ "سوز" ہے اور معشوق کے لباس میں "ساز" ہی ساز ہے۔

زن و مرد کے اختلاف پر گفتگو کے دوران (گذشتہ صفحات میں ملاحظہ ہو) ہم نے کہا ہے زن و مرد کے جذبات کی نوعیت اور ایک دوسرے کے بارے میں احساسات ایک طرح کے نہیں ہیں۔ قانون تخلیق نے حسن و غرور و بے نیازی، عورت کے حصے میں۔ اور۔ نیازمندی و طلب، عشق و تغزل مرد کے حصے میں رکھا۔ اسی تقسیم کی وجہ سے عورت

کے کمزور پہلو کی تلافی مرد کی بدنی قوت سے ہوگئی۔ ترازو کے پلے برابر ہو گئے، جب ہی تو مرد طلب کے لیے عورت کے دروازے پر جاتا ہے۔ معاشرہ شناس ماہرین کے "مادر شاہی" عہد میں بلکہ "پدر شاہی" دور میں بھی یہی دیکھا اور بتایا گیا ہے کہ مرد نے عورت کے گھر جاکر رشتہ مانگا ہے۔

دانشور حضرات کہتے ہیں:

مرد، عورت سے زیادہ شہوانی ہے۔ اسلامی روایت میں اس کے برعکس ہے۔ لیکن عورت بہ نسبت مرد کے جنسی خواہش پر زیادہ قابو رکھتی ہے۔ وہ زیادہ خوددار پیدا ہوئی ہے۔ دونوں باتوں کا نتیجہ ایک ہے یعنی بہر حال مرد اپنے ضمیر کے مقابلے میں عورت کی بہ نسبت زیادہ کمزور ہے۔ اس خصوصیت نے عورت کو موقع دیا ہے کہ مرد کے پیچھے بھاگنے سے بچے اور آسانی سے اس کے قابو میں نہ آئے۔ اس کے برخلاف، مرد کو فطرت مجبور کرتی ہے کہ عورت سے نیاز مندی کا اظہار کرے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے ذرائع استعمال کرے۔ ان ذرائع میں سے ایک ذریعہ جو اس کی رضا اور رفاقت حیات پر آمادگی کی راہ ہموار کرتا ہے وہ ہے "ہدیہ" جو اس پر نثار کیا جائے۔

جنس نر کے افراد، رفاقت کے لیے افراد جنس مادہ کا تعاقب کیوں کرتے اور باہم رقابت کیوں رکھتے ہیں؟ کیوں آپس میں لڑتے اور خون ریزی کرتے ہیں؟ اس کے مقابلے میں جنس مادہ نے لالچ، حرص اور نر کے ساتھ رفاقت کے لیے از خود رفتگی ظاہر نہیں کی۔ اس کا سبب دونوں جنسوں کے فطری تقاضے مختلف ہیں ایک نہیں ہیں۔ نر میں ہمیشہ تقاضا و طلب کا جذبہ رہتا ہے جنس مادہ میں یہ جذبہ نہیں ہے۔ جنس مادہ، نر کے لالچ اور از خود رفتگی کو دیکھ کر اس کے پیچھے نہیں دوڑی بلکہ ایک قسم کی بے نیازی اور بے خیالی کا اظہار کرتی رہتی ہے۔

مہر کا حیا اور عورت کی پاک دامنی سے گہرا رشتہ ہے۔ عورت اپنے فطری الہام

یہ جان چکی ہے کہ اس کی عزت و حرمت اس پر موقوف ہے کہ وہ اپنے تئیں گرہ کے بے اختیار میں نہ دے دے . . . . . .

یہی اسباب ہیں کہ عورت باوجود جسمانی نزاکت کے مرد کو درخواست گذار کے طور پر اپنے آستانے پر کھینچ بلاتی ہے۔ مردوں کو رقابت میں برسرپیکار کھڑا کرتی، اور خود عشق کے بہانے مرد کے پنجے سے نکل جاتی ہے۔ کتنے مجنون ہیں جو لیلاؤں کے پیچھے سرگرداں ہیں، اور وہ اس وقت تک کسی سے رفاقت کا بندھن نہیں باندھتی کہ ہاتھ اپنے دامن تک نہیں آنے دیتی جب تک اس سے عطیہ و پیش کش، صداقت کی سند میں حاصل نہ کر لے۔

کہتے ہیں، کچھ وحشی قبیلوں میں یہ دستور تھا کہ جو لڑکی کئی امیدواروں اور عاشقانِ زار سے دوچار ہوتی وہ "ڈوئل" کا پیام بھیجتی تھی۔ وہ رقیب آمنے سامنے زور آزمائی کرتے جو شخص موت یا شکست سے بچ جاتا تھا وہی اس لڑکی کے شوہر بننے کی اہلیت کا حامل بن جاتا تھا۔

کچھ روز ہوئے کہ تہران کے روزناموں میں خبر چھپی تھی کہ ایک لڑکی نے اپنے دو خواستگاروں سے "ڈوئل" کو کہا۔ وہ دونوں اس کے سامنے چھری خنجر لے کر ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔

جن کی نظر میں قوت فقط زور بازو کا نام ہے اور زن و مرد کے رشتے شروع سے عورت پر ظلم اور استثمار مرد پر منحصر ہے۔ یہ لوگ باور نہیں کر سکتے کہ عورت نازک جنس بھی درشت و سخت گیر مرد کو یوں ایک مرد کے خون کا پیاسا بنا سکتی ہے۔ جو شخص عورت کی تخلیق میں ماہرانہ تدبیریں اور عجیب عجیب نسوانی قوتیں نمایاں دیکھ سکتا ہے اسے معلوم ہے اسے باور آئے گا کہ بے شک وجودِ زن میں قدرت نے یہ چھپا رکھی ہیں اور ایسے امور عجیب نہیں ہیں۔

عورت، مرد پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ عورت کی مرد پر اثر آفرینی مرد کے اثرات سے زیادہ ہے۔ ہنر مرد کی نمود، اس کی دلاوری و بہادری اس کی شخصیت کا ابھار اور بڑا پن بہت کچھ عورت کی خوبصورت خودداری و ہمت افزائی اس کی پاک دامنی و حیا کی بدولت ہے۔ مرد کی بڑائی عورت کی "گراں بہا" ہونے کی حیثیت ہے۔ ہمیشہ عورت نے مرد کا کردار نبھایا ہے وہ مرد جس کا معاشرے سے تعلق ہے اور جب پاک دامنی و حیا اور خودداری، عورت سے الگ ہو جاتی ہے اور عورت جب بھی مرد کے کردار ظاہر کرنے کے درپے ہوتی ہے تو سب سے پہلے تو وہ اپنا مہر کا استعمال غلط کرتی ہے۔ پھر مرد اپنی مردانگی بھول جاتا ہے اور معاشرہ کا ایوان ڈھے جاتا ہے۔

عورت کی وہ قوت جو پوری تاریخ میں اپنی شخصیت کو محفوظ رکھ سکی، اور مرد کے پیچھے دوڑنے سے روکتی رہی اور مرد کو اپنے آستانے پر طلب گار کی حیثیت سے طلب کرتی رہی جس نے اپنی خاطر مردوں کو رقابت و جنگ میں الجھایا، وہ مقابلے میں جان کی بازی لگا چکے، حیا اور عفت کو اپنا کردار بنائے، اپنا بدن لوگوں کی نگاہوں سے چھپائے اور اپنے تئیں پر اسرار ظاہر کرے۔ مرد کو الہام اور اس میں عشق کو جنم دے۔ اسے شجاعت و ہنرمندی میں شخصیت کے درجے پر پہنچائے، مرد میں غزل کا جذبہ، خاکساری و ناچیزی کا احساس پیدا کر کے اپنے سامنے جھکائے۔ اس عالم میں مرد کو خوشی بھی ہو۔ عورت کی یہی قوت مرد کو شادی کے وقت مہر کے نام سے عطیہ و ہدیہ پیش کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

مہر، وہ عمومی آئین کی قانونی شق ہے جس کی تحریر تخلیق میں قلم قدرت نے فطرت کے قلم سے لکھوائی ہے۔

قرآن میں مہر

ہم نے کہا ہے کہ سماج کے پانچویں دور میں "مہر" کی ایک شکل ابھر کر سامنے آئی، یہ صورت فطرت کی ایجاد ہے، قرآن مجید نے سماجی آلودگیوں سے اسے پاک صاف کر کے فطرت کا صحیح روپ نکھار دیا، قرآن کریم

بے مثال لطافت و خوش اسلوبی کے انداز میں کہتا ہے :

وآتوا النساء صدقاتهن نحلة (النساء/۴)

یعنی عورتوں کا مہر، جو انھیں کا ہے (باپ یا بھائی کا اس سے کوئی تعلق نہیں) عطیہ و پیش کش کے طور پر خود ان کو دے دو۔

قرآن مجید نے اس چھوٹے سے جملے میں تین نکتوں کی طرف اشارے کیے ہیں:

۱۔ مہر کو مہر کے بجائے "صُدُقہ" (دال پر پیش) کے نام سے یاد کیا۔ صُدُقہ کا مادہ "صدق" ہے۔ مہر کو صُدُقہ اس لیے کہا کہ وہ مرد کے رشتے کو سچا قرار دیتا ہے ۔۔۔ف کے تفسیر نگار (زمخشری) جیسے حضرات نے اس نکتے کی تشریح کی ہے۔ اور راغب اصفہانی کے بقول (مفردات الفاظ القرآن) "صدقہ" (دال پر زبر) کو صدقہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ایمان کی دلیل ہے۔

۲۔ صدقات "ھن" میں ضمیر کے الحاق نے یہ اشارہ کیا ہے کہ "مہر" براہ راست عورت کا حق ہے۔ ماں باپ کا کوئی حصہ نہیں کہ انھوں نے دودھ پلایا، پالا پوسا، بڑا کیا لہذا یہ ۔۔ کا عوضانہ ہو۔ نہیں۔

۳۔ آیت میں "نحلہ" سے مزید توضیح ہو گئی کہ مہر ہدیہ اور پیش کش کے علاوہ کوئی ۔۔ نہیں قبول کر سکتا۔

۔۔وانات میں احساسات کا فرق

انسان ہی نہیں، تمام جانداروں میں جہاں بھی دو جنسی کا عمل وجود سے ہے ۔۔ دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ جنسِ نر میں نیاز مندی زیادہ ہے۔ اس کے ۔۔ت واحساسات میں نیاز مندانہ رجحان زیادہ ہے اسی وجہ سے وہ اپنی ضرورت کے لیے ۔۔مادہ کی خوشی اور رضامندی حاصل کرنے کی خاطر آگے بڑھے۔ اسی بنیاد پر دونوں ۔۔ کے تعلقات میں برابری ہو۔ جنسِ نر اپنی طاقت و قوت کی وجہ سے غلط فائدہ

نہ اٹھانے پائے اسے عاجزی و فروتنی میں رہنا چاہیے۔

غیر شرعی شادیوں میں ہدیے اور تحفے:

شرعی طور پر ہونے والی شادیوں سے خاص ربط نہیں غیر شرعی شادیوں میں بھی، جہاں ایک دوسرے کے وجود سے آزاد لطف اندوزی اور آزاد عشق بازی کی جاتی ہے۔ وہاں بھی مرد کو ایک ہدیہ نذر کرنا پڑتا ہے۔ اتفاق سے اگر کہیں چائے، کافی یا کھانا کو دل چاہے تو ہوٹل کا بل مرد کو ادا کرنا فرض ہے۔ مرد کے لیے عورت پیسے خرچ کرے تو مرد اپنے لیے ایک قسم کی توہین سمجھتا ہے۔ لڑکے کی عیش پرستی کے لیے امکانات اور دولت مند ہونا ضروری ہے۔ عورت کی عیش پرستی ہدیوں اور تحفوں کے جمع کرنے کا ایک بہانہ ہے۔ غیر قانونی اور ناجائز روابط زن و مرد میں یہ رسم موجود ہے۔ اس کی بنیاد زن و مرد کے غیر مشابہ جذبات ہیں۔

فرنگی کا عشق اس کی شادی سے بہتر ہے

مغربی دنیا میں، جہاں "حقوق انسانی" کی برابری کا نام لے کر "گھریلو زندگی" کے حقوق کو فطری طور طریقوں سے دور کر دیا گیا ہے۔ جہاں قانون فطرت کے خلاف کوشش جاری ہے کہ زن و مرد کو ایک دوسرے کا مشابہ بنا دیا جائے۔ اور گھریلو زندگی میں بیوی اور شوہر کو برابر کا مشابہ کردار اپنانا ہوگا۔ جہاں عشق کا آزاد قدم گھر میں داخل ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود، زن و مرد کے مقررہ قوانین فطرت اپنی رفتار سے باہر نہیں جا سکے وہاں اب بھی مرد اپنا فطری فریضہ ادا کرتا ہے یعنی اظہار نیاز، طلب و درخواست ذات نچھاور کرنا، دولت نذر کرنا۔ عورت کو ہدیہ پیش کرنا، بلکہ اس کے اخراجات برداشت کرنا۔ آج بھی یورپ میں رائج ہے۔

فرنگی شادی میں مہر کا وجود نہیں ہے۔ نفقہ و اخراجات کا بوجھ بیوی کو اٹھانا پڑتا ہے یعنی فرنگی معاشقہ، فرنگی شادی سے فطرت سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔

مہر ایک مثال ہے جو ہمیں اس گہرائی تک پہنچاتی ہے کہ زن و مرد غیر مشابہ انداز [illegible] ہوئے ہیں۔ اور قانونِ تخلیق نے فطری و طبیعی صلاحیتوں کے لیے غیر مشابہ دستاویز [illegible] سے [illegible] میں دے دی ہے۔

مہر اور نفقہ

(۲)

گذشتہ فصل میں مہر کی ایجاد کا فلسفہ اور اس کی علت کا بیان ہم نے کیا ہے اور بتایا کہ مہر کی ایجاد کا سبب دونوں جنسوں کے رشتے قانون تخلیق کے ہاتھوں دو الگ الگ ذمہ داریوں کا باعث ہیں یہ بھی آپ جان چکے کہ "مہر" مرد کے نرم اور محبت آمیز جذبات کی پیداوار ہے۔ سخت اور مالکانہ احساسات کا اس میں دخل نہیں۔ عورتوں کی طرف سے جو حس زیادہ اثر ڈالتی ہے وہ اس کی خاص خودداری ہے یہاں اس کی کمزوری یا ارادے کی ناپختگی کا کوئی مسئلہ نہیں۔ مہر قانون تخلیق کی طرف سے عورت کی قدر بڑھانے کے لیے اور اسے ایک بلند درجہ دینے کے لیے ہے۔ "مہر" عورت کو شخصیت عطا کرتا ہے "مہر" کی حقیقی قیمت عورت کی نظر میں اس کی مادی قیمت سے زیادہ ہوتی ہے۔

جاہلیت کے رسم و رواج اسلام نے منسوخ کر دیے

قرآن مجید نے مہر کے بارے میں جاہلیت کی رسمیں منسوخ کر دیں اور اسے اپنی پہلی اور فطری حالت میں بحال کر دیا۔

جاہلیت میں، ماں باپ مہر کو حق زحمت اور اپنا حقِ "شیر بہا"[۱] جانتے تھے "تفسیر کشاف"[۲] وغیرہ میں لکھا ہے کہ عرب میں لڑکی کی ولادت پر مبارک باد دینے والے کہتے تھے ھنیئاً لک

---

[۱] "شیر بہا" وہ رقم ہے جو دولہا لڑکی کے والدین کو پیش کرتا ہے۔ یعنی "دودھ کی قیمت" یہ رسم اب بھی عراق اور دوسرے علاقوں میں بطور رسم جاری ہے۔

[۲] ابوالقاسم محمود بن عمر جار اللہ زمخشری متوفی ۵۳۸ ھ جن کی تفسیر کا نام "الکشاف من حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل" یہ عربی تفسیر بڑی اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے اور الکشاف کے نام سے مشہور ہے۔

"منافجہ" ۔ یعنی ۔ افزائش دولت کی اساس مبارک ہو ۔ مطلب یہ ہوتا تھا کہ خدا کرے آپ لڑکی کو بیاہیں اور اس کا مہر پائیں ۔

جاہلیت میں، باپ وہ نہ ہوں تو بھائی ، چونکہ ولی ہونے کے دعویدار تھے ۔ یہ دوست دسترسی ، کہ حق انھیں حاصل ہوتا تھا ۔ لہٰذا وہ اپنی پسند کا شوہر لاتے تھے ، لڑکی کی رائے ضروری نہ تھی ۔ اسی طرح مہر خود لیتے تھے ۔ لڑکی سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا ۔ لڑکیوں کا تبادلہ کرتے تھے یعنی ایک مرد دوسرے مرد سے کہتا تھا وہ اپنی لڑکی یا بہن دیتا ہے بشرطیکہ فریق مقابل بھی اپنی لڑکی یا بہن اس کے ازدواج میں دے ۔ اس طرح ایک لڑکی دوسری لڑکی کا مہر قرار پاتی تھی اور یہ مہر باپ یا بھائی لیتے تھے ۔ اس طریقہ ازدواج کو "نکاح شغار" کا نام دیا گیا ہے ۔

اسلام نے اس رسم کو منسوخ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لاشغار فی الاسلام — اسلام میں لڑکی یا بہن کا عوض معاوضہ ممنوع ہے ۔

اسلامی روایات کے مطابق صرف یہی نہیں کہ باپ کو مہر پر کوئی دسترسی نہیں بلکہ اگر شادی کے شرائط میں مہر کے علاوہ کوئی چیز باپ لی جائے ازمین دی جائے گی یا کچھ اور ، تو اس میں باپ حق دار و حصہ دار نہیں ہوگا ۔

اسلام نے وہ رسم منسوخ کر دی جس میں داماد اپنے خسر کی خدمت کرتا تھا ۔ معاشرہ شناس علمائے نزدیک یہ اس دور میں ہوتا تھا جب انسان کو نقد تبادلے کا علم نہ تھا ۔

داماد ، اپنے خسر کی خدمت فقط اسی لیے نہیں کرتے تھے کہ باپ اپنی لڑکی کے رشتے سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے ، بلکہ اس کے اور اسباب بھی تھے اور ان میں بسا اوقات تمدن کے ارتقا کا بھی دخل ہوتا تھا ۔ اور بجائے خود ظالمانہ انداز نہ تھا ۔ بہر حال قطعی طور پر دنیا میں یہ رسم موجود تھی ۔

واقعۂ موسیٰ اور شعیب ، علیٰ نبینا وعلیہما السلام قرآن مجید میں موجود ہے جس سے مذکورہ بالا

پورا واقعہ دیکھیے سورۂ القصص آیت ۲۳ سے ۲۸ تک

رسم کے وجود کا سراغ ملتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلتے وقت "مدین" کے کنویں پر پہنچے، اس وقت شعیب علیہ السلام کی لڑکیاں اپنی بھیڑیں لیے ذرا دور کھڑی تھیں، کسی کو ان کی باری کا خیال نہ تھا۔ موسیٰ کو رحم آیا، انھوں نے ان لڑکیوں کی بھیڑ بکریوں کے پینے کے لیے پانی کھینچا اور انھیں سیراب کیا۔ لڑکیاں باپ کے پاس آئیں، اور قصہ بیان کیا، شعیبؑ نے آدمی بھیج کر موسیٰؑ کو اپنے گھر بلایا، ایک دوسرے سے تعارف ہوا۔ ایک دن شعیب نبی نے موسیٰؑ سے کہا: میں اپنی دو لڑکیوں میں سے ایک کی تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں، مگر تمہیں آٹھ سال میرے یہاں کام کرنا ہوگا، پھر اگر تمہارا دل چاہے تو مزید دو سال اور کام کرنا۔ یعنی دس سال تک۔ حضرت موسیٰ نے بات مان لی، اور وہ حضرت شعیب کے داماد بن گئے۔ یہ رسم اس زمانے میں بہر حال تھی۔ اس کی بنیاد دو باتوں پر نظر آتی ہے۔

۱۔ سرمایہ نہ ہونا۔ داماد اپنے خسر یا بیوی کی جو خدمت کر سکتا تھا وہ کرتا تھا۔

۲۔ جہیز دینا۔ علم معاشرہ کے ماہر سمجھتے ہیں کہ جہیز کی رسم یعنی لڑکی کی طرف سے باپ کا کچھ ساز و سامان دینا پرانے زمانے سے چلا آتا تھا۔ اس ضمن میں داماد کو بطور اجیر کے لے لینا یا اس سے کچھ مال وصول کرتا۔ عملی طور پر باپ جو کچھ داماد سے لیتا وہ لڑکی کے مفاد اور لڑکے کے کام کے لیے ہوتا تھا۔

اسلام نے یہ آئین ختم کر دیا۔ خسر، مہر کو اپنا مال نہیں سمجھ سکتا، خواہ اس کا یہ ارادہ ہی کیوں نہ ہو کہ وہ اس مال کو لڑکی کے لیے استعمال کرے گا۔ یہ حق فقط لڑکی ہی کو ہے جسے اپنے مال کا اختیار ہے جس طرح چاہے خرچ کرے۔ اسلامی روایات میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ اس طرح مہر مقرر کرنا درست نہیں۔

جاہلیت میں ایک اور رسم تھی جو عملاً لڑکی کو مہر سے محروم کر دیتی تھی۔ دستور تھا کہ مرنے والے کے ترکے میں اس کی بیوی بھی شمار ہوتی تھی۔ جب کوئی شخص مر جاتا تھا تو اس کے وارث مثلاً اولاد یا بھائی جیسے مرنے والے کے سرمایے سے ترکہ لینے اور مالک بنتے، اسی طرح

اس بیوی کی زوجیت بھی ترکے میں پاتے مرنے والے کا لڑکا یا بھائی اس کا مختار ہوتا اور جسے چاہتا وہ عورت نکاح میں دیتا اور مہر کا خود مالک بنتا۔ یا نیا مہر مقرر کیے بغیر اپنی بیوی قرار دے لیتا تھا۔

قرآن کریم نے زوجیت کی میراث کا دستور منسوخ کر دیا:

یا ایہا الذین آمنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھاً[1]

پیغمبر اور قرآن پر ایمان لانے والو، یاد رکھو، تمھارے لیے جائز نہیں کہ اپنے مورثوں کی بیویوں کو میراث بناؤ، دراں حالے کہ وہ عورتیں تمھاری بیوی نہ بننا چاہیں۔

قرآن کریم کی دوسری آیت میں کلی طور پر باپ کی بیوی سے شادی پر پابندی لگا دی گئی ہے خواہ وہ میراث کے طور پر نہ بھی ہو۔ آزادانہ اور رضامندی سے کرنا چاہیں، جب بھی حکم ہے کہ:

ولا تنکحوا ما نکح آبائکم[2]

جن سے تمھارے باپ شادی کر چکے ان سے تم نکاح نہ کرنا۔

جو رسم بھی عورتوں کے حق مہر کو نقصان پہنچاتی تھی اسے قرآن مجید نے ختم کیا۔ ان میں سے ایک وہ موقع جب آدمی کا دل ایک عورت سے بھر جاتا تھا، توجہ نہ رہتی تھی، تو وہ شخص بیوی پر تنگی اور سختی کرتا طلاق پر تیار کر کے دیے ہوئے مہر کا کچھ حصہ یا پورا مہر واپس مانگتا تھا۔ قرآن کریم نے فرمایا:

ولا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما آتیتموھن

یعنی عورتوں کو کچھ دیا مال مہر واپس لینے کی خاطر تنگ نہ کرو۔

ایک رسم یہ بھی تھی کہ آدمی کبھی بھاری مہر دے کر شادی کرتا پھر عورت سے دل سیر ہو جاتا

[1] القرآن الکریم، سورۃ النساء آیت/۱۹ [2] القرآن الکریم۔ سورۃ النساء آیت/۲۲

تو بیوی چھوڑنے اور نئی شادی رچانے کی خاطر دیا ہوا بھاری مہر واپس لینے کی فکر میں عورت پر بہتان باندھتا اس کی آبرو پر داغ لگاتا اور یہ جتاتا تھا کہ عورت پہلے ہی سے شادی کے لائق نہ تھی اس کا نکاح فسخ ہونا اور میرا مہر واپس ملنا چاہیے ۔ قرآن مجید نے اس رسم کو بھی ممنوع کر دیا۔

مہر کا نظام خاص اسلام کا نظام ہے

دین اسلام کے مسلمات میں ایک بات یہ ہے کہ مرد، عورت کے مال اور کاروبار سے سروکار نہ رکھے ۔ وہ بیوی کو کام کرنے کا حکم نہیں دے سکتا کہ یہ کام میرے لیے کرو وہ نہ کرو ۔ اگر عورت کوئی ایسا کام کرے جس سے اسے پیسہ حاصل ہو تو مرد کو عورت کی مرضی حاصل کیے بغیر اس دولت میں تصرف کا حق حاصل نہیں ۔ اس جہت سے مرد و زن میں برابری ہے ۔ بیسویں صدی کے اوائل تک یورپی رسم اس کے برخلاف تھی۔

اسلام کی نظر میں شوہر دار بیوی اپنے حقوق معاملات میں شوہر کی سرپرستی سے آزاد ہے ، وہ اپنے کاروبار خود کر سکتی ہے ۔ عین اس اقتصادی آزادی کی صورت حال میں بھی جبکہ اسلام نے شوہر کو مال اور کاروبار زوجہ پر حق نہیں دیا ، مہر کی معافی نہیں کی ، یہ حکم بجائے خود بتاتا ہے کہ مہر ، اسلام کی نظر میں اس لیے نہیں ہے کہ مرد کچھ عرصے بعد عورت کی ذات سے مالی فائدہ اٹھائے اور اس کی جسمانی قوت کا استثمار کرے ۔ اسی وجہ سے اسلام کا نظام مہر اس کے خصوصیات سے ہے ۔ مہر کے اس سسٹم کو دوسرے نظام اور فلسفے سے مخلوط نہ کرنا چاہیے جو اعتراضات وہاں ہوتے ہیں اسلام کے نظام مہر پر نہیں ہو سکتے ۔

آئینِ فطرت

ہم نے کہا ہے کہ قرآن مجید نے مہر کو "نحلہ" عطیہ کہا ہے ۔ قرآن نے اس عطیہ و پیش کش کو لازمی کر دیا ۔ قرآن نے بڑی باریک بینی سے فطرت کی گہرائیوں کو پیش نظر رکھا ۔ زن و مرد کے خاص رویوں کے بارے میں جو فطرت نے دونوں میں چھپا رکھے ہیں ، اسلام نے دوستی کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے ملحوظ رکھتے ہوئے مہر کو نظر انداز نہ کرنے کی تاکید کی ۔ عورت کا رویہ ، مرد کی محبت کا شکریہ

ہونا چاہیے۔ عورت کی محبت ہی اچھی ہے اس کے ردّ عمل میں مرد کی محبت ہوگی ابتدا میں نہیں۔ دکھیے ہے) عشق میں عورت کی پہل۔ یعنی جو عشق عورت کی طرف سے شروع ہو اور مرد کی درخواستِ ابتدائی شریک نہ ہو وہ ہمیشہ شکست پاتا ہے اور عورت کی شخصیت پژمردہ جاتی ہے اس کے برخلاف عورت کا جو عشق مرد کی محبت کے جواب میں ہو، ایسا عشق نہ خود ناکام ہوتا ہے نہ عورت کی شخصیت کو نقصان و شکست سے دوچار کرتا ہے۔

کیا یہ صحیح ہے کہ عورت بے وفا ہوتی ہے؟ عورت کی محبت کمزور ہوتی ہے؟ عورت کے عشق پر اعتبار نہ کرنا چاہیے؟

یہ بات سچ بھی ہے اور جھوٹ بھی سچ ہے، اگر عشق کی ابتدا عورت کی طرف سے ہو۔ اگر کوئی عورت کسی مرد پر عاشق ہو جائے، کسی کو دل دے دے تو عشق کی آگ جلدی بجھ جاتی ہے۔ ایسے عشق پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ جھوٹ ہونے کی صورت وہ ہے جہاں عورت کے دل میں آگ بھڑکے اور عشق بطور عشق مرد کے ردعمل میں شعلہ فشاں ہو۔ مرد کے عشق صادق کے جواب میں جذبۂ محبت عورت کے دل میں بیدار ہوا ہو۔ یہ عشق عملاً فسخ ہو جائے، بعید از حقیقت ہے۔ ہاں، مرد کا عشق ٹھنڈا ہونے لگے تو عورت کا جذبۂ عشق بھی تمام ہو جائے گا۔ عورت کا فطری عشق اس نوع کا ہوتا ہے۔

عورت کی بے وفائی کی شہرت نوع اول (پہلی قسم) کی محبت و عشق سے متعلق ہے۔ اور جہاں عورت کی وفاداری مشہور ہے وہ عشق کی دوسری قسم سے وابستہ ہے۔ معاشرے کو اگر زن و شوہر کے رشتے میں مضبوطی کی ضرورت ہے تو وہ ایسے راستہ پر چلنے کے لیے مجبور ہے جو قرآن مجید نے اختیار کیا ہے۔ یعنی قوانین فطرت کی نگہداشت۔ جس میں ایک مسئلہ محبت میں زن و مرد کا فطری رویہ ہے۔ اس رویہ پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ قانونِ مہر بھی فطرت سے ہم آہنگ ہے۔ مہر زمین ہموار کرتا ہے وہ نشانی ہے کہ عشق و محبت مرد کی طرف سے شروع ہوئی ہے، عورت اس محبت کی جوابدہ ہے اور مرد نے اس کے احترام میں ایک ہدیہ نثار کیا ہے

لہذا قانون مہر کو۔ جو کلی و مجموعی آئین اساسی کی دفعہ ہے۔ اور خالقِ فطرت کی طرف سے تدوین یافتہ ہے۔ حقوق مرد و زن کی برابری کا بہانہ بنا کر کالعدم قرار دینا غلط ہے۔

آپ نے دیکھا ہے کہ قرآن نے مہر کے سلسلے میں، جاہلیت کے رسم و رواج کو اس عہد کے مردوں کی خواہش کے باوجود بدل دیا۔ قرآن مجید میں مہر کے بارے میں جو کچھ ہے وہ جاہلیت کی رسم نہیں تھی جو ہم یہ کہہ سکیں کہ قرآن، مہر کے ہونے نہ ہونے کو براہ راست کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ قرآن مہر کو یکسر منسوخ کر سکتا تھا وہ مردوں کو اس پابندی سے بچا سکتا تھا مگر اس نے یہ نہ کیا۔

نقد و نظر

مہر کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر آپ نے سمجھ لیا، یہ معلوم ہو گیا کہ اسلام کی نظر میں مہر کا فلسفہ کیا ہے۔ اب مناسب ہے کہ اسلامی قوانین اس مسئلہ پر نقد کرنے والوں کی بات بھی سنیں۔

خانم منوچہریان نے اپنی کتاب "انتقاد بر قوانین اساسی و مدنی ایران" میں مہر کے اوپر ایک فصل میں لکھا ہے:

> "جیسے باغ، مکان، گھوڑے یا خچر کے لیے مرد کو روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح بیوی خریدنے کے واسطے جیب سے پیسے نکالنا پڑتے ہیں اور جس طرح گھر، باغ اور خچر کی قیمت بڑے چھوٹے، خوبصورت اور بدشکل ہونے سے گھٹتی بڑھتی ہے یونہی عورت بھی بدصورتی، زیبائی، دولت مندی اور غربت کی بنیاد پر کم و زیادہ قیمت رکھتی ہے۔ ہمارے مہربان و جوانمرد قانون ساز حضرت نے عورت کی قیمت پر بارہ دفعات قلمبند کیے ہیں۔ فلسفہ ان کا یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کے رشتے میں روپے کا ذکر نہ ہو تو یہ رشتہ کمزور اور جلد ٹوٹ جاتا ہے۔"

اگر مہر کا قانون کسی اجنبی نے بنایا ہو، کیا اس وقت بھی اتنی ہی بے توجہی و تہمت و افترا کا سبب ہو گا؟ کیا جب بھی اور جو بھی روپیہ پیسہ کوئی کسی کو دیتا ہے تو وہ اسے خریدنا چاہتا ہے۔ اگر یہی بات ہے تو بخشش و ہدیہ و تحفہ کی رسم کو ختم کر دینا چاہیے۔ قانونِ مدنی میں

مہر کی بات قرآن مجید کی اساس پر ہے۔ قرآن نے صاف صاف کہا ہے کہ مہر نحلہ و بخشش کے علاوہ اور کوئی عنوان نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ اسلام نے اقتصادی قوانین کچھ اس طرح بنائے ہیں جن میں شوہر کو بیوی کے مال سے اقتصادی فائدہ اٹھانے کا حق نہیں ہے۔ اس صورت میں مہر کو "قیمت زن" کے نام سے کیوں یاد کیا جا سکتا ہے۔

آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایرانی مرد اپنی بیویوں سے اقتصادی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ میں بھی مانتا ہوں، واقعاً، بہت سے ایرانی مرد بیوی کے مال سے فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن اس کا مہر سے کیا تعلق ہے۔ مرد یہ تو نہیں کہتے کہ چونکہ ہم نے مہر دیا ہے لہٰذا ہم اپنی بیویوں پر حکمرانی کرتے ہیں۔ ایرانی مردوں کی اپنی بیویوں پر حکمرانی کا مرکزی نکتہ کچھ اور ہے۔ مردوں کی اصلاح کے بجائے قانونِ فطرت کو بگاڑنے، اور مزید خرابیوں کو جنم دینے کی وجہ کیا ہے؟ اس پوری گفتگو میں صرف ایک بات پردے کی ہے اور وہ یہ کہ ایرانی، مشرق کے باشندے اپنے انسانی معیار، اور زندگی کا فلسفہ بھول جائیں اور اجنبی رنگ و شکل بنالیں تاکہ ان کا نگلنا آسان ہو جائے۔ خانم منوچہریاں کہتی ہیں:

"اگر عورت اقتصادی حیثیت سے مرد کے برابر ہو تو اس کے لیے نان و نفقہ و لباس و مہر کے قائل ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح عورت کے لیے اور بہت سی بندشیں بندیاں اور مرد سے معاملات کو یکتا کرنے کا مسئلہ ہی پیدا نہ ہو۔

اگر اس گفتگو کی چھان پھٹک کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا: جن تاریخی ادوار میں عورت کو حق مالکیت اور اقتصادی آزادی حاصل نہ تھی اس دور میں مہر و نفقہ کی کسی حد تک معقول وجہ موجود تھی، مگر جب عورت کو اقتصادی آزادی دے دی گئی۔ جیسے اسلام میں، تو اب مہر و نفقہ کا جواز باقی نہیں۔

ان لوگوں کے خیال میں مہر کا صرف فلسفہ یہ ہے کہ عورت کے اقتصادی حقوق چھین کر فقط مہر دے دیا جائے۔ بہتر ہوتا کہ یہ حضرات مختصر سا مطالعۂ قرآن بھی کر لیتے اور مہر کی بد

تعبیر ات بیان کی گئی ہے ان پر غور کر کے مہر کا اصلی فلسفہ دریافت کرتے اور جب انھیں اس کتاب کے اعلیٰ منطقی دلائل معلوم ہوتے تو بہت خوش ہوتے کہ ان کے ملک کی آسمانی کتاب ایسی عالی مرتبہ ہے۔

چالیس نکاتی تجویز کے مصنف نے رسالہ "زن روز" کے شمارہ ۸۹ صفحہ ۱۷ پر جاہلیت میں عورت کے افسوس ناک حالات اور اس بارے میں اسلامی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"چونکہ عورت و مرد مساوی پیدا کیے گئے ہیں لہذا قیمت یا اجرت کی یکطرفہ ادائگی عقلی دلیل و منطق کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ جیسے مرد کو عورت کی ضرورت ہے اسی طرح عورت کو بھی مرد کی ضرورت ہے۔ تخلیق میں ان کو ایک دوسرے کا محتاج پیدا کیا گیا ہے۔ دونوں برابر کی ضرورت کے محتاج ہیں۔ لہذا ایک کو کسی چیز کا پابند کرنا اور دوسرے کو چھوڑ دینا بے دلیل بات ہے۔ اس نقطہ نظر سے کہ طلاق مرد کے اختیار میں ہے اور عورت کی مشترک زندگی محفوظ نہیں تھی لہذا مہر کا حق عورت کو دے کر شوہر کی شخصیت پر بھروسے کے ساتھ ایک مالی مطالبے کا بھی وثیقہ مانگا گیا۔۔۔۔"

صفحہ ۷۲ پر فرماتے ہیں:

"اگر دفعہ ۱۱۳۳ قانون مدنی، جس میں تصریح ہے: "مرد جب چاہے اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔"

اس کی اصلاح کر دی جائے اور مرد کی خواہش در لائے پر طلاق نہ ہو تو "مہر" و "صداق" کا فلسفہ وجود خود بخود ختم ہو جائے گا۔

اس قسم کی باتوں کی وقعت ہماری سابقہ گفتگو کے بعد واضح ہو چکی، مہر قیمت یا اجرت نہیں، منطق و عقلی بات بھی کہی جا چکی۔ زن و مرد باہم برابر کی محتاجی نہیں رکھتے۔ فطرت نے دونوں کو مختلف جہتوں میں رکھا ہے۔

سب سے زیادہ بے اساس یہ بات ہے کہ مرد کے حق طلاق کے مقابلے میں مہر کا فلسفہ ملی

...تا ویز بیان کیا گیا ہے اور دعوی ہے کہ اسلام نے اسی بنیاد پر مہر مقرر کیا ہے۔
اس قسم کے حضرات سے پوچھنا چاہیے :
اسلام نے مرد کو حق طلاق کیوں دیا جو عورت کو مالی دستاویز کی ضرورت پڑی ؟
اس کے علاوہ آپ کی بات کا تو مطلب یہ ہوا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی
ازواج محترمہ کا مہر اس لیے مقرر کیا کہ حضرت اپنے مقابلے میں مالی دستاویز دینا چاہتے تھے۔
... حضرت علیؑ و حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہما کے درمیان مہر اس وجہ سے تھا کہ حضرت فاطمہؑ کو
مالی دستاویز دے کر علیؑ کے بارے میں ذہنی اطمینان حاصل کرلیں۔
اگر حقیقت یہ ہوتی تو ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کو یہ نصیحت کیوں فرماتے
اپنا مہر شوہروں کو بخش دیا کریں ۔ اور اس بخشش کے ذیل میں ثواب کیوں بیان فرماتے ؟
...مہر یہ کہ یہ نصیحت کیوں فرماتے کہ حتی الامکان مہر زیادہ نہ رکھا جائے ؟ کیا ، رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک شادی کا ہدیہ مرد کی طرف سے عورت کے نام مہر کے طور پر دیا جائے
... عورت کی طرف سے مہر یا اس کے مساوی بخشش الفت اور رشتہ ازدواج میں استحکام
کا باعث نہ تھا ؟

اگر اسلام کی نظر میں مہر ، مالی وثیقہ و دستاویز ہوتا ، تو آسمانی کتاب میں " وآتوا
النساء صدقاتهن نحلة " کیوں ہے ۔ یہ کیوں نہیں کہ " وآتوا النساء صدقاتهن
وثیقه "

ان باتوں سے بڑھ کر ۔ مصنف مذکور نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ صدر اسلام میں رسم
مہر ایسی ہی تھی جیسے آج ہے ۔ آج کل کی رسم کے مطابق ، مہر میں نمایاں پہلو مرد کی ایک
ذمے داری و فریضہ ہے ۔ یعنی مرد ایک رقم معین عقد و دستاویز کے مطابق قبول
کرتا ہے ۔ عموماً اس رقم کا مطالبہ بھی نہیں کیا جاتا ، البتہ لڑائی جھگڑے کے وقت مطالبہ
ہوتا ہے ، تو اس قسم کا مہر دستاویزی حیثیت اختیار کر لیتا ہے ۔ صدر اسلام میں دستور

تھا کہ مرد، مہر کے نام سے جس کا وعدہ کرتا تھا وہ نقد ادا کر دیتا تھا۔ لہذا، مہر کو اسلام کے نزدیک دستاویز قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں۔

"تاریخ بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی، مہر کے بغیر کسی زوجہ کو شوہر کے حوالے کرنے پر خوش نہ ہوتے تھے۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ شیعہ سنی کتابوں میں مذکور ہے:

ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حاضرینِ بزم کے سامنے کہنے لگی:

— یا رسول اللہؐ! مجھے اپنی زوجیت میں قبول فرمالیں۔

آنحضرتؐ نے سکوت اختیار فرمایا، کوئی جواب نہ دیا، وہ عورت بیٹھ گئی، ایک صحابی نے کھڑے ہو کر عرض کی۔

— یا رسول اللہ! اگر آپ مائل نہیں تو میں حاضر ہوں!

آنحضرتؐ نے پوچھا:

— مہر کیا دو گے؟

— میرے پاس کچھ نہیں۔

— یوں تو نہیں ہو سکتا، گھر جاؤ، شاید کچھ مل جائے، جو ملے وہ لے آؤ اور اس بی بی کا مہر دے دو۔

وہ آدمی گھر گیا، واپس آیا، اسے گھر میں کچھ نہ ملا۔

— اچھا دوبارہ جاؤ، ایک لوہے کی انگوٹھی مل جائے تو وہی لے آؤ کافی ہے۔

دوسری مرتبہ گیا، گھر میں کچھ تھا ہی نہیں۔ عرض کرنے لگا، بس یہی کپڑے ہیں جو پہنے ہوئے ہوں۔

ایک صحابی نے سے پہچان لیا اور کہا، یا رسول اللہؐ بخدا اس شخص کے پاس

اس لباس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اسی کے نصف کو مہر قرار دے دیجئے۔
آنحضرتؐ نے فرمایا:
اگر اسے دو حصے کر دیا جائے تو کسی کا بھی جسم تو نہ ڈھکے گا۔ نہیں، نہیں ہو سکتا۔
وہ شخص بیٹھ گیا۔ عورت اسی انتظار میں دوسری طرف بیٹھی تھی۔ محفل میں باتیں ہونے لگیں۔ دیر ہو گئی۔ وہ شخص اٹھا کہ جائے، آنحضرتؐ نے آواز دی:

— ادھر آؤ! — وہ حاضر ہوا۔
— اچھا یہ بتاؤ، قرآن آتا ہے؟
— جی ہاں! یا رسول اللہؐ، فلاں فلاں سورہ آتا ہے۔
— زبانی سنا سکتے ہو!
— جی ہاں، سنا سکتا ہوں۔
— اچھا، ٹھیک ہے، یہ عورت تمہارے عقد میں دیتا ہوں، اور مہر یہ ہے کہ اسے قرآن کی تعلیم دے دو۔

اس شخص نے بیوی کا ہاتھ ہاتھ میں لیا اور دونوں چلے گئے۔
مہر کے بارے میں اور بہت سی باتیں کہنے کی ہیں مگر اب یہیں پر ٹھہرتا ہوں۔

مہر و نفقہ

(۳)

نفقہ:

ہم مہر کے بارے اسلام کا نظریہ و فلسفہ بیان کر چکے، اب "نفقہ" کے متعلق بحث باقی ہے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اسلامی قوانین میں نفقہ بھی "مہر" کی طرح ایک خاص نہج و انداز کی چیز ہے اس کو ان معنوں میں نہ سمجھنا چاہیے جو غیر اسلامی دنیا میں تھے یا آج بھی اس کا کوئی مفہوم کہیں مراد لیا جاتا ہو۔

اگر اسلام نے مرد کو یہ حق دیا ہوتا کہ عورت کو اپنی خدمت گذاری کے لیے رکھو، بیوی کی محنت، کاروبار اور اس کی دولت کو اپنا مال سمجھو۔ تو نفقہ دینے کے معنی عیاں تھے۔ واضح سی بات ہے، جب انسان کسی جانور یا آدمی سے اقتصادی فائدہ اٹھائے گا تو اس کے اخراجات زندگی بھی پورے کرے گا۔ گھوڑے والا اپنے گھوڑے کو دانہ پانی نہ دے گا تو جانور بھی گاڑی نہ کھینچے گا۔

اسلام، مرد کے اس حق کو نہیں مانتا، اس نے عورت کو حق ملکیت دیا ہے۔ وہ دولت کما سکتی ہے۔ مرد کو حق نہیں کہ بیوی کی خاص دولت میں تصرف کرے اور لازم قرار دیا کہ گھر کا بجٹ پورا کرے بیوی، بچوں کا خرچ نوکر چاکر، کام کاج، گھر وغیرہ کے اخراجات ادا کرے۔ کیوں، علت و سبب کیا ہے؟

افسوس ہے، مغرب نواز ایک لمحہ کے لیے ان معاملات پر ذرا بھی توجہ دینے کو تیار نہیں ہیں۔ آنکھیں بند کر کے بعینہ وہی اعتراضات کرتے ہیں جو یورپ والے اپنے قانونی سسٹم پر کرتے ہیں ——— اور وہ صحیح بھی ہیں۔ یہ لوگ انھیں اعتراضات کو اسلامی قوانین

ٹھہرا دیتے ہیں۔

اگر کوئی کہتا ہے کہ مغرب میں بیوی کا نان و نفقہ انیسویں صدی میں وظیفہ خواری و تنخواہ یا فشان کنیزی تھا تو غلط نہیں کہتا، صحیح کہتا ہے۔ آخر ایک عورت بے معاوضہ پابند ہو کہ مرد کی گھریلو زندگی کی دیکھ بھال کرے اور ملکیت سے محروم بھی ہو تو جو دونوالے اسے دیے جائیں گے وہ تنخواہ و وظیفے سے زیادہ کیا ہوں گے، جیسے قیدی یا، بارکش جانور کا راتب۔

اگر دنیا میں کوئی قانون ایسا موجود ہو، جو خاص طور پر جو مرد کی گھریلو زندگی کی ذمہ داریوں کا بطور فرض والا بوجھ بیوی کی گردن سے اٹھالے، اسے دولت کمانے کا حق اور اقتصادی آزادی دے، گھریلو بجٹ میں شرکت سے معاف رکھے، جب تو یقیناً کوئی فلسفہ جدا گانہ ہوگا۔ اور اس کے اوپر غور کرنا پڑے گا۔

انیسویں صدی کے آخری حصے تک فرنگی عورت کی محرومی۔

ڈاکٹر شایگان نے "شرحِ قانونِ مدنی ایران کے صفحہ ۳۶۲ پر لکھا ہے:

"عورت اپنی ملکیت میں جو خود مختاری رکھتی ہے وہ فقہ شیعہ میں ابتدا سے تسلیم شدہ ہے۔ یونان، روم، جاپان اور کچھ عرصہ پہلے اکثر ممالک کے قوانین میں یہ بات مذکور نہ تھی۔ یعنی بیوی، نابالغ اور دیوانے کی طرح اپنی ملکیت سے "محجور" یعنی وہ اپنی جائداد و املاک میں تصرف سے محروم تھی۔ انگلستان میں ایک زمانہ تھا کہ بیوی کی حیثیت، شوہر کے وجود میں محو تھی ــ ۱۸۷۰ء اور ۱۸۸۲ء میں باری باری دو قانون وضع ہوئے جن کا نام شوہر رکھنے والی خواتین کا قانونِ ملکیت اس کی وجہ سے کورٹ آف وارڈس سسٹم کا خاتمہ ہوا۔

اٹلی میں یہ قانون ۱۹۱۹ء میں اور ۱۹۰۰ء میں جرمن کے قانونِ مدنی (سول لا) یونہی ۱۹۰۷ء میں سوئیزرلینڈ کے قانون نے بیوی کی اہلیت و حق ملکیت و تصرف کو تسلیم

کیا جیسے شوہر کو یہ حق حاصل تھے۔

لیکن پرتگال و فرانس میں، با شوہر بیوی مجبور شمار ہوتی ہے۔ اگرچہ ۱۹۳۸ء کی ۱۸ فروری کو فرانس میں حجر (کورٹ آف وارڈس) کے ضابطے کو ہموار کر دیا گیا ہے۔"

ملاحظہ فرمایا آپ نے، صدی کی بات ہے یعنی بیوی کو شوہر کے مقابلے میں حق ۱۸۸۲ء میں ملا۔ وہ بھی۔ انگلستان میں یا بیوی کی ملکیت سے بہ اصطلاح قانون "کورٹ آف وارڈشپ" ختم ہوئی۔

یورپ نے عورت کو اچانک اقتصادی خود مختاری کیوں دے دی؟

ایک صدی پہلے یہ حادثہ رونما ہوا کیسے؟ کیا مردوں کے انسانی جذبات میں جوش آیا اور انھیں اپنے ظالمانہ رویے کا احساس ہوا؟

ویل ڈیورینٹ نے اس کا جواب دیا ہے، اس نے کتاب "لذاتِ فلسفہ" میں وجوہ و اسباب، کے عنوان سے ایک بحث کی ہے۔ یورپ میں آزادی خواتین کے اسباب و علل پر اس میں تفصیل مہیا کی ہے۔ افسوس ناک بات جو وہاں ملی وہ یہ ہے کہ یورپ کی آزادی و حق ملکیت عورت کو مشین کا شکر گذار ہونا چاہیے آدمیوں کا نہیں۔ اسے بڑی بڑی مشینوں کے پہیوں کے سامنے جھکنا چاہیے۔ مغربی مردوں کے سامنے نہیں۔ یہ تو کارخانہ داروں کی حرص تھی، انھوں نے عورت سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی خاطر وہ مزدوری کم اور کام زیادہ کے نقطۂ نظر سے انگلستان کی قانون ساز اسمبلی میں مسودۂ قانونِ آزادی اقتصادی خواتین کا بل پیش کر دیا۔

ویل ڈیورانٹ کہتا ہے:۔

"رسم و رواج قدیم کی دگرگونی کا کیا سبب بتاؤں وہ رسم و رواج جو تاریخ مسیحیت سے بھی پرانے تھے؟ ایک عام سبب اس تبدیلی کا مشینوں اور

...ارخانوں کی فراوانی ہے۔" آزادی خواتین " صنعتی انقلاب کی پیداوار ہے......"
...یک صدی پہلے انگلستان میں مردوں کو کاروبار ملنا مشکل ہو گیا تھا مگر روزانہ
...ماوں میں ان سے کہا جاتا تھا کہ اپنی بیوی بچوں کو کارخانوں میں بھیجیں۔ کارخانہ داروں
...ے منافع اور حصّوں کی فکر تھی وہ حکومت کے اخلاق و رسم و رواج سے اپنا ذہن پریشان
...سکتے تھے۔ جن لوگوں نے بے خبری کے عالم میں " گھر پھونکنے " کا منصوبہ بنایا وہ وطن
...ست انیسویں صدی کے وطن پرست کارخانہ دار تھے۔"

"ہماری پرانی ماؤں کی آزادی کے لیے پہلا قدم سنہ ۱۹۸۲ء کا قانون تھا۔ اس قانون کی رو
...عظیم برطانیہ کی خواتین نے بے مثال امتیازات حاصل کیے۔ وہ جو پیسے حاصل کریں اپنے
...محفوظ کر سکتی تھیں۔ اس اعلیٰ درجے کا اخلاقی و مسیحی قانون، کارخانہ داروں نے مجلس
...میں پیش کیا تاکہ انگلستان کی خواتین کو فیکٹریوں میں کھینچ سکیں، اس وقت سے آج تک
...مقابلہ نفع اندوزی نے غلامی، جان کنی، گھروں سے نکالنے کی مہم جاری ہے۔ عورتیں
...ں میں گرفتار، نزع کے عالم میں بڑی بڑی دوکانوں اور کارخانوں میں زندگی گذار رہی ہیں۔"

آپ نے دیکھا کہ سرمایہ داروں اور مالکان کارخانہ نے انگلستان میں اپنے مادی
...ع کی خاطر عورتوں کے حق میں یہ قدم اٹھایا تھا۔

...ن اور خواتین کی اقتصادی آزادی

اسلام نے چودہ سو برس پہلے ایک قانون دیا:

للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن[۱]

مرد جو کچھ کماتے ہیں وہ ان کا حصہ ہے اور عورتیں جو کماتی ہیں وہ ان کا حصہ ہے۔

...س آیۂ کریمہ میں قرآن مجید نے مردوں کو ان کے نتائج کار و کوشش کا مالک اور ...توں کو ان کے نتائج کار و کوشش کا حقدار قرار دیا ہے۔

۱۔ ...کریم۔ النساء/۳۲

دوسری آیت مبارکہ میں ارشاد ہے :-

للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون۔[1]

جو مال باپ یا ماں یا قرابت دار مرنے کے بعد چھوڑیں اس میں مردوں کا حصہ ہے اور جو مال ماں باپ یا قرابت دار مرنے کے بعد چھوڑیں اس میں عورتوں کا حصہ ہے۔

اس آیت سے خواتین کی وارث ہونے کی حیثیت ثابت ہوتی ہے۔ عورت کے وارث ہونے نہ ہونے کی تاریخ بھی تفصیل طلب ہے جسے انشاء اللہ ہم بیان کریں گے۔ جاہلیت کا عرب عورتوں کو میراث دینے پر تیار نہ تھا۔ قرآن نے عورتوں کا یہ حق ثابت کر دیا۔

ایک تناظر: قرآن کریم نے تیرہ سو برس پہلے یورپ میں عورتوں کو اقتصادی آزادی عطا کی فرق یہ تھا:

۱۔ اسلام کا خواتین کو اقتصادی آزادی عطا کرنے کا سبب، اسلام کی انسانی جہت، عدل و دوستی و الہیت کے علاوہ کچھ اور نہ تھا۔ نہ انگلستانی کارخانہ داروں کی ہوس نفع اندوزی تھی جس نے اپنے پیٹ بھرنے کے لیے یہ مسودۂ قانون پیش کیا ہو۔ اس کے بعد وہ ڈھول پیٹنے کہ ہم نے عورت کے حقوق کو قانونی طور پر منوا لیا، ہم نے زن و مرد کے حقوق کو برابر تسلیم کیا۔

۲۔ اسلام نے عورت کو اقتصادی آزادی بخشی لیکن بقول ویل ڈیورینٹ، "خانہ براندازی" نہیں کی۔ گھر میں آگ نہیں لگائی۔ خاندانوں کی نیو نہیں اکھیڑی، بیویوں کو شوہروں، بیٹیوں کو باپوں کے خلاف سرکشی پر نہیں ابھارا۔ اسلام نے ان دو آیتوں سے ایک عظیم سماجی انقلاب برپا کیا مگر پرسکون، بے ضرر اور بے خطر۔

---

[1] القرآن الکریم، النساء آیت / ۷

یورپ نے جو کچھ کیا وہ بقول "ویل ڈیورانٹ" یہ تھا کہ عورت کو گھر کی بندگی و جان کندنی سے آزاد کر کے دوکانوں اور کارخانوں کی بندگی و جان کندنی میں ڈال دیا، یعنی مغرب نے ایک ہتھکڑی بیڑی، عورت کے ہاتھ پاؤں سے کھولی اور دوسری ہتھکڑی بیڑی ڈال دی۔ اسلام نے عورت کو مرد کی بندگی و کنیزی سے گھر اور کھیت دونوں جگہ آزادی بخشی اور مرد کو گھریلو اجتماعی زندگی کے اخراجات کا ذمہ دار بنایا، عورت کے کاندھوں سے اپنے اور گھر کے اخراجات اور ہر قسم کا جبر و پابندی کا بوجھ اتار دیا۔ اسلام کی نظر میں عورت انسانی ضمیر کے مطابق دولت کے حصول، اس کی حفاظت و اضافہ کی سعی کر سکتی ہے۔ اسے زندگی کا جبر نہیں دبا سکتا اور اس کی خودداری و جمال و زیبائی ہمیشہ اطمینان خاطر کے ساتھ اس کے ہمراہ رہ سکتی ہے زندگی کا جبر اسے نہیں چھین سکتا۔ لیکن کیا کیا جائے ہمارے کچھ لکھنے والوں کی آنکھیں اور کان بند ہو چکے ہیں کہ ان مسلم تاریخی و فلسفی حقائق کو سوچیں۔

انتقاد اور جواب

خانم منوچہریان نے "انتقاد بر قوانین اساسی و مدنی ایران کے صفحہ ۲ پر لکھا ہے:

"ہمارا سول لاء ایک طرف تو مرد کو اپنی بیوی کا نفقہ دینے پر تیار کرتا ہے۔ اس کے لیے کپڑے لتے، خوراک اور مکان دے، جیسے مالک اپنے گھوڑے گدھے کے لیے خوراک اور تھان مہیا کرتا ہے اسی طرح بیوی کو کم از کم زندگی کے یہ اسباب فراہم کرے دوسری طرف نہ معلوم کیوں سول لا کی دفعہ ۱۱۱۰ میں لازم قرار دیتا ہے کہ عدۂ وفات میں بیوی کو نفقہ کا حق نہیں ہے۔ حالانکہ وفات شوہر کے وقت عورت مہربانی تسلی کی محتاج ہوتی ہے، وہ اپنے مالک کو ہاتھ سے کھو بیٹھنے پر پریشان حال و آشفتہ خاطر نہ ہو، ہمدردی و غم خواری چاہتی ہے۔ ممکن ہے آپ فرمائیں کہ تم تو آزادی کا دم بھرتی ہو، ہر منزل میں مرد کے برابر ہونا چاہتی ہو یہاں وظیفہ خوار و راتب دار بننے کی آرزو کیوں ہے۔ یہ امید کیوں کرتی ہو کہ شوہر کے بعد بھی بندگی و تنخواہ جاری رہے۔ جواب یہ ہے

کہ فلسفہ کنیزی زن کے مطابق جو "سوال" کا سانچہ ہے۔ بقول سعدی اچھا ہوتا کہ "مالکان آزادی اپنے بعد کے لیے بھی بیوی کے لیے نفقہ مقرر کر جاتے۔ اور قانون اس پہلو کی نگہداشت کرتا"

ہم محترمہ سے پوچھتے ہیں "قانونِ مدنی اور قانونِ اسلام یا بقول آپ کے فلسفہ کنیزی زن" میں کہاں سے آپ نے یہ دریافت کیا ہے کہ مرد، بیوی کا مالک ہے ؟ اور مرد کا نفقہ دینا اس سبب سے ہے کہ عورت اس کی مملوک ہے۔ یہ کون سی ملکیت ہے کہ مالک اس سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ "پانی کا گلاس اٹھا دو" یہ مالکیت کیسی ہے کہ مملوک جو کام کرے وہ مملوک ہی کا ہے مالک کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ کیسی مالکیت ہے کہ مملوک چھوٹا سا کام بھی مالک کے لیے انجام دے۔ اگر اس کی خواہش ہو۔ تو مزدوری طلب کرنے کا حق رکھتا ہے۔ یہ کیسا مالک ہے جو اپنے زیر دست سے اپنے بچے کو مفت دودھ نہیں پلوا سکتا۔ حالانکہ مالک کے گھر میں بچہ اسی نے جنا ہے۔

دوسرے یہ کہ۔ جو بھی کسی کا کھاتا پیتا ہو وہ مملوک ہوا کرتا ہے ؟ اسلام ہو یا کوئی بھی قانون ہو، اولاد، باپ یا ماں باپ دونوں کے واجب النفقہ ہیں۔ تو اس دلیل کے مطابق تمام دنیا کے قوانین اولاد کو باپ کی ملکیت مانتے ہیں۔ اسلام کا حکم ہے کہ اگر ماں باپ غریب ہوں تو اولاد پر ان کا نان و نفقہ واجب ہے۔ یعنی اسلام نے باپ اور ماں کو اولاد کا مملوک قرار دیا ہے ؟

تیسرے یہ کہ۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات ہے کہ فرماتی ہیں۔ بیوی کا نفقہ عدہ وفات میں کیوں واجب نہیں ؟ اس وقت بیوی اپنے میاں کو ہاتھ سے کھو بیٹھی ہے وہ شوہر کے روپے کی زیادہ محتاج ہے۔

جیسے محترمہ، سو سال پہلے کے یورپ میں رہتی ہیں، عورت کی احتیاج، شوہر کے نفقہ دینے کی اساس نہیں ہے۔ اگر اسلام کی نظر میں عورت اپنے شوہر کی شریک حیات ہوتے ہوئے حق مالکیت سے محروم ہوتی تو یہ مطالبہ صحیح تھا کہ وفات شوہر کے بعد اس کا انتظام کیا

جائے کیونکہ اس کی زندگی کی وضع بدل گئی۔ لیکن جو قانون بیوی کو حق ملکیت دے چکا ہے اور بیویاں اپنے اس حق کی بنا پر اپنا پیسہ شوہر کی زندگی میں محفوظ کر سکتی ہیں تو آشیانہ اجڑنے کے بعد کیا ضرورت ہے ایک مدت کے لیے ہی سہی وہ نفقہ لیں۔ نفقہ کا حق مرد کے آشیانے کی زیبائش کے لیے تھا آشیانے کی ویرانی کے بعد کوئی ضروری نہیں یہ حق جاری رکھا جائے۔

نفقہ کی تین قسمیں

اسلام میں نفقہ تین نوع کا ہے:

۱۔ مملوک کو مالک کی طرف سے دیا جانے والا نفقہ، وہ اخراجات جو حیوانات کے مالک ان جانوروں پر کرتے ہیں اس نفقہ کی بنیاد مالکیت و مملوکیت ہے۔

۲۔ وہ نفقہ جو کم سن اور محتاج اولاد کو دیا جاتا ہے یا وہ اخراجات جو غریب ماں باپ پر ہوتے ہیں۔ اس نفقہ کی بنیاد مالکیت و مملوکیت نہیں ہے۔ اس کی بنیاد وہ فطری حقوق ہیں جو اولاد اپنے وجود میں لانے والوں پر رکھتے ہیں اور والدین کے وہ حقوق ہیں جو تولید میں شرکت اور بچے کی پرورش و تربیت میں تکالیف برداشت کرنے کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں۔ اس نفقے کے وجوب کی شرط یہ ہے کہ واجب النفقہ عاجز و غریب ہو۔

۳۔ وہ نفقہ جو شوہر اپنی بیوی کو دیتا ہے۔ اس نفقہ کی بنیاد نہ مالکیت ہے، نہ مملوکیت، نہ وہ فطری حق جو نوع دوم میں بتایا گیا ہے، نہ اس کی بنیاد بیوی کا غریب و عاجز ہونا ہے۔ بیوی، بلینوں کی مالک اور بے حد و حساب آمدنی کی مالک ہو، اور شوہر کی آمدنی کم ہو جب بھی گھر کے اخراجات، جن میں بیوی کا نجی خرچ بھی شامل ہے۔ مرد کے ذمے ہے۔

پہلی اور دوسری نوع و قسم کے نفقے سے اس نفقے کا فرق یہ بھی ہے کہ ان دونوں مقامات میں اگر آدمی اپنی ذمہ داری پوری نہ کرے اور نفقہ نہ دے تو گنہ گار ہو گا مگر وہ قرض نہیں جس کی ادائگی یا مطالبہ کیا جا سکے۔ یعنی اس کی قانونی حیثیت نہیں ہے، تیسری قسم کے نفقے میں اگر آدمی غفلت کرے تو بیوی کو قانونی چارہ جوئی کا حق ہے وہ دعوی کر سکتی ہے و ثبوت کے بعد وہ عدالت کے ذریعے اپنے واجبات وصول کر سکتی ہے۔ اس نفقہ کی بنیاد کیا ہے؟ اس پر آئندہ فصل میں ہم بحث کریں گے۔

کیا آج کی بیوی مہر و نفقہ نہیں چاہتی؟

میں نے کہا ہے: اسلام کی نظر میں گھریلو بجٹ کی فراہمی جس میں بیوی کے ذاتی اخراجات بھی ہیں، مرد کے ذمے ہے، اس کی ذمہ داری عورت پر نہیں ہے۔ خواہ بیوی بہت بڑی سرمایہ دار اور شوہر سے کئی گنا زیادہ مال رکھتی ہو، لیے اخراجات میں شرکت پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ نہ روپے کے لیے نہ کسی کام کے لیے فقط اور فقط وہ خود اپنے ارادے اور خواہش سے جو کرنا چاہے وہ کرے۔

اسلام کی نظر میں باوجودیکہ زندگی کے اخراجات جن میں عورت کے مصارف بھی داخل ہیں، مرد کے ذمے ہیں، پھر بھی مرد کو کسی قسم کا اقتصادی تسلط اور بیوی کی فزیکی قوت اور کام سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں ہے وہ استثمار نہیں کرسکتا۔ بیوی کا نفقہ اس حیثیت سے نفقۂ والدین سے مشابہت رکھتا ہے کہ وہ بھی خاص حالات میں اولاد کو دینا پڑتا ہے اور اس کے عوض میں وہ ماں یا باپ سے خدمت نہیں لے سکتا۔

مالی معاملات میں عورت کی نگہداشت

اسلام نے بے مثال انداز میں عورت کی مالی حیثیت سے نگہداشت کی ہے، ایک طرف اسے اقتصادی آزادی دے کر مرد کی دست رس و بالادستی کو کم کیا ہے، عورت کے معاملات میں مرد کی قیمومیت کو۔ جو پرانی دنیا میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھی اور یورپ میں بیسویں صدی تک باقی رہی۔ شوہر سے لے لی۔ دوسری طرف گھریلو اخراجات کی فراہمی کا بوجھ اس کے کاندھے سے اتار کر اسے پیسے کے پیچھے دوڑنے اور ہر قسم کے جبر و پابندی اور دوا دوش سے معاف کر دیا۔

مغرب پرست جب خواتین کی حمایت کا نام لے کر اس قانون پر تنقید کرنا چاہتے ہیں تو وہ مجبور ہو کر شاخ در شاخ دروغ بے فروغ کا سہارا لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ نفقہ کا فلسفہ ہے مرد کا اپنے تئیں عورت کا مالک سمجھنا اس سے اپنی خدمت لینا۔ جیسے جانوروں

یہ مالک اپنے مملوکہ جانوروں کا خرچ برداشت کرنے پر مجبور ہے کہ وہ چوپائے اسے اپنی
واری دے سکیں اس کے لیے بار برداری کر سکیں، قانونِ نفقۂ زن بھی اسی لیے ضروری ہے
کھاؤ، مرد نہیں۔

جو شخص ان معاملات میں قانون اسلام پر حملہ کرنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ اسلام نے حد سے زیادہ عورت پر نوازش کی ہے اور مرد پر دباؤ ڈالا ہے، اسے بیگار میں پکڑ کر عورت کی مزدوری کروائی ہے۔ تو یہ کہنے والا اپنی بات کو بڑا آب و رنگ دے کر پیش کر سکتا ہے نہ یہ کہ عورت کا نام اور اس کی حمایت کا ڈھونگ رچا کر اس قانون پر حملہ کرے۔

درحقیقت اسلام عورت کے مفاد اور مرد کے خلاف یا مرد کے مفاد اور عورت کے خلاف قانون نہیں بنانا چاہتا۔ اسلام نہ مرد کا حامی ہے نہ عورت کا، اسلام اپنے قوانین میں انسانی معاشرے کی بہبود کو ملحوظ رکھتا ہے، میاں بیوی اور ان کی آغوش میں پرورش پانے والے بچے خوش و خوشحال رہیں۔ اسلام کی نظر میں، میاں بیوی اور اولاد کی فلاح و بہبود کا راستہ یہ ہے کہ فطرت نے جو قوانین اور قاعدے، جو رویے اور طریقے قادر و توانا خالق سے حاصل کیے ہیں ان سے چشم پوشی نہ کی جائے۔

ہم نے کئی مرتبہ کہا ہے کہ اسلام نے ہمیشہ اس کلیہ کی نگہداشت کی ہے کہ مرد کو خریدار اور عورت کو مالکِ مال و اسباب جانتا ہے۔ اسلام کی نظر میں مشترک زندگی و وصال میں مرد اپنے آپ کو فائدہ اٹھانے والا سمجھ کر اس عمل کا خرچ برداشت کرے۔ زن و مرد یہ نہ بھولیں کہ ان دونوں کی فطرت نے عشق کے دو جداگانہ رویے انھیں بخشے ہیں شادی اس وقت پائدار و لذت بخش و مستحکم رہ سکتی ہے جب عورت و مرد اپنے اپنے فطری رویے کے مطابق سامنے آئیں۔

٢۔ مرد پر عورت کے نفقہ کا فرض اس علت و وجہ سے بھی ہے کہ فطرت کی طرف سے تولیدِ نسل کی روح فرسا اور رنج و زحمت کشی کی ذمہ داری عورت کے ذمہ رکھی گئی ہے۔

اور اس سلسلے مرد کا ایک آن کے لیے لذت بخش عمل ہے اور بس۔ عورت ہے کہ (کم سنی اور بڑھاپے کے علاوہ) ماہواری کی بیماری جھیلے، حمل کے دنوں کا بوجھ اٹھائے۔ پھر ان دنوں کی مخصوص بیماری سے گذرے۔ بچہ جننے اور اس کے عوارض و مشکلات سے دوچار ہو، بچے کو دودھ دے، اس کی دیکھ بھال کرے۔

ان مرحلوں میں بدنی اور اعصابی قوت صرف ہوتی ہے، کام کاج کے لیے اس کی توانائی میں کمی آتی ہے۔ ان اسباب کے وجود کے بعد بھی اگر قانون زن و مرد کو اخراجات زندگی میں مشابہ صورت حال میں قرار دے اور عورت کی حمایت نہ کرے تو خواتین کی حالت بڑی مظلومانہ ہو جائے۔ یہی معاملات ہیں جن کی بنا پر جانوروں میں جنس نر جنس مادہ کی حفاظت کرتی ہے، اور نر اپنی مادہ کو زمانۂ حمل و تولید میں خوراک و آذوقہ مہیا کرنے میں مدد دیتا ہے۔

زن و مرد محنت و قوت، اقتصادی، اور تولیدی جیسے سخت کام میں ایک دوسرے کے مشابہ پیدا نہیں ہوئے ہیں۔ اگر یگانگی کی بات آپڑے اور شوہر، بیوی سے کہدے کہ میں اپنی آمدنی سے ایک پیسہ بھی تم پر خرچ نہیں کروں گا تو بیوی ہرگز اس قابل نہیں کہ وہ مرد کے ہم پلہ کھڑی ہو سکے۔

ان باتوں سے قطع نظر، عورت کو مرد سے کہیں زیادہ پیسے کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیب و زینت عورت کی زندگی کا حصہ ہے وہی اس کی اصلی ضرورت ہے۔ ایک عورت اپنی عام زندگی میں اپنی زیب و زینت شان و شوکت پر خرچ کرتی ہے وہ کئی مردوں کے خرچ کے برابر ہوتا ہے۔ زیبائش و آرائش کے رجحان سے عورت میں خود بخود رنگینی و تنوع پیدا ہوتا ہے۔ ایک مرد کے لیے ایک جوڑا جب تک پہنا جا سکے، پھٹ نہ جائے قابل استعمال ہے مگر ایک عورت کے لیے؟ عورت کے لیے ایک جوڑا اس وقت تک قابل استعمال ہے جب تک کہ وہ اسے نئے لباس میں ملبوس دکھائے۔ بہت سے زیور و آلات عورت کے لیے ایک دفعہ سے زیادہ پہننے کے قابل نہیں رہتے۔

حصول دولت کے لیے عورت کی محنت و کوشش مرد سے کم، مگر دولت کا استعمال مرد سے کہیں زیادہ ہے۔

پھر یہ کہ عورت کا عورت رہنا یعنی حسن و جمال، نشاط و غرور زن کی بقا، زیادہ آسائش، زیادہ راحت چاہتی ہے اس کے لیے محنت کم اور اطمینانِ خاطر زیادہ درکار ہے۔ اگر عورت مرد کی طرح دائمی طور پر تلاشِ معاش اور فکر روزی میں، سرگرداں اور پیسے کے پیچھے دوڑنے پر مجبور ہو، تو اس کا غرور ٹوٹ جائے، مرد کی طرح مالی پریشانیوں سے اس کے ماتھے پر بل اور پیشانی پر شکن پڑ جائے اس کی بھویں تنی ہوئی اور چہرہ شکستہ نظر آنے لگے۔ اکثر لوگوں سے سنا ہے، یورپ کی عورت تلاشِ معاش کے لیے کارخانوں اور دفتروں میں مجبوراً جاتی ہے اسے مشرقی زندگی کی تمنا رہتی ہے۔ صاف سی بات ہے جس عورت کو ذہنی سکون نہ ہوگا اسے موقع ہی نہ مل سکے گا کہ وہ مرد کے لیے سرمایہ مسرت و خوشی مہیا کر سکے۔

لہذا، فقط عورت کا مفاد نہیں، مرد، اور گھر کی مرکزیت کا مفاد بھی اسی میں ہے کہ عورت تلاشِ معاش کی تھکا دینے والی جبری محنت سے معاف رکھی جائے۔ مرد بھی یہی چاہتا ہے کہ اس کے گھر کا مرکز، آسائش اور تھکاوٹ دور کرنے بلکہ بیرونی پریشانیوں کو بھلا دینے کا مرکز ہو عورت کے امکان میں ہے وہ گھریلو ماحول کو آرام محل اور فراموش خانہ افکار بنا دے۔ کس قدر بدنصیب ہے وہ شوہر جو تھکا ماندہ گھر میں قدم رکھے اور اپنے سے زیادہ تھکی ہاری بیوی کا سامنا کرے۔

یوں، مرد کے لیے بہت ضروری ہے کہ بیوی صحت و نشاط اور اطمینان خاطر سے رہا کرے۔

اسی نکتے کی خاطر، مرد تیار رہتے ہیں کہ جان پر کھیل کر روپیہ کمائیں اور دونوں ہاتھ پر دولت رکھ کر بیوی کی نذر کریں کہ وہ کھلے ہاتھ سے اپنے جسم و جمال پر خرچ کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد کو اپنی روحانی طلب کا احساس ہے، وہ سمجھ چکا ہے کہ اللہ نے عورت کو

سرمایۂ آرام و آسائش روح بنایا ہے :

وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا۔ [1]

اور اس سے اس کا جوڑا بھی بنایا تاکہ اس کے پاس رہے اور سکون حاصل کرے۔

شوہر سمجھتا ہے کہ اپنی بیوی کو جس قدر اطمینانِ خاطر عطا کرے گا اسی قدر بواسطہ اپنی بھلائی حاصل کرے گا، گھر کے ماحول کو بارونق بنائے گا۔ وہ جانتا ہے کہ جوڑے میں کم از کم ایک تو افکار و آلام سے آزاد رہے کہ دوسرے روح کو سکون اور دل کو خوشی دے سکے۔ تقسیم کار کے وقت بہتر یہی ہے کہ معرکۂ حیات میں مقابلے کے لیے مرد کا باہر نکلنا ہی بہتر ہے اور سکون و راحتِ روح کا سامان کرنے کے لیے دوسرا شریکِ حیات ۔ بیوی ۔ کو ہونا چاہیے۔

مالی اور مادی معاملات میں عورت کو مرد کا نیازمند پیدا کیا گیا ہے اور مرد کو روحانی و نفسیاتی پہلو سے عورت کا نیازمند بنایا گیا ہے، عورت مرد کا سہارا لیے بغیر، مرد سے کئی گنا ضروریات کو پورا کرنے اور مالی اختیارات سے فائدہ اٹھانے سے عاجز ہے۔ اسی بنا پر اسلام نے عورت کے قانونی شریکِ حیات کو ۔ فقط اس کے قانونی شریکِ زندگی ۔ اس کے لیے مرکزِ اعتماد بنایا ہے۔

عورت اگر اپنی پسند کی شان و زیبائش چاہنے لگے اور اپنے قانونی شوہر پر ہی بھروسہ نہ کرے دوسرے مردوں پر بھی توجہ دینے لگے تو ۔ بصد افسوس ۔ یہ وہی حالت ہوگی جو آج کل مشاہدہ میں ہے روز افزوں ہوتی جائے گی۔

نان و نفقہ کے خلاف پروپیگنڈا

شکاری مردوں کو راز معلوم ہو گیا ہے۔ نان و نفقہ کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک سبب یہ ہے کہ جب بیوی کی شوہر کے پیسے سے غرض ختم کردی جائے گی تو وہ آسانی سے شکاری کی

---

[1] القرآن الکریم، الاعراف/۱۸۹

... میں بیٹھ سکے گی کمپنیوں میں خواتین کو زیادہ رقم کی ادائیگی پر غور کیجئے تو میری بات کو بہتر سمجھ ... گے۔

کسی بیوی کے لیے کیسے ممکن ہے کہ اپنی زندگی کا رابطہ شوہر سے توڑ لے پھر یہ چاہے کہ وہ ... معاملات کو جس طرح چاہے چلائے۔

اگر سچی بات سمجھنا چاہتے ہیں تو ... نان و نفقہ کی پابندی اڑانے ... کی مہم میں ان مردوں ... ملک بھی ہے جو خواتین کی زینت و آرائش اور فضول خرچیوں سے عاجز آ چکے ہیں۔ یہ لوگ آزادی ... مساوات کے نام سے فائدہ اٹھا کر فیشن پرست فضول خرچ بیویوں سے اپنا انتقام لے رہے ہیں

ویل ڈیورینٹ نے اپنی کتاب "پلیژر آف فلاسفی" میں نئی شادی کے بیان میں لکھا ہے:

"قانونی شادی، قانونی طور پر حمل سے دوری، اور طرفین کی رضامندی سے طلاق، اور اولاد و نفقہ نہ ہونے کی ذمہ داری کا نام ہے۔"

... فیشن پرست، متوسط طبقے کی خواتین، محنت کش مردوں کے لیے بہت جلد انتقام کا باعث ... بنیں گی جس کا نشانہ جنس خواتین ہوگی۔ شادی کے معنوں میں ایسی تبدیلی آئے گی کہ ایسی عورتیں ناپید ہو جائیں گی جو سرمایۂ زینت اور بڑے مصارف رکھنے والے گھروں کی وحشت کا سبب ... مرد، مطالبہ کریں گے کہ بیویاں خود پورے کریں۔ دوستانہ شادی (نئی شادی) کا تقاضہ ہے کہ بیوی حمل کے وقت تک کام کرے۔ یہاں ایک نکتہ ہے جو عورت کی آزادی کو مکمل کر دے گا۔ وہ ہے کہ۔ عورت شروع سے آخر تک اپنے اخراجات خود ہی پورے کیا کرے۔ صنعتی انقلاب اپنے ظالمانہ نتائج ۔ عورت کے بارے میں ۔ دکھا رہا ہے ۔ عورت کو اپنے شوہر کے ساتھ کارخانے میں کام کرنا چاہیے ۔ بیوی کا گھر ... میں اکیلے بیٹھے رہنا اور مرد کا بیوی کے بے کار رہنے کے عوض میں دوگنا کام کرنا کیوں ضروری ہے ۔ بیوی کو بھی کام اور صلے، تنخواہ اور محنت کشی میں میاں کے برابر ہونا چاہیے۔"

شوہر کی جگہ دولت

تولید نسل کی فطری ذمہ داری کا تقاضہ ہے کہ مالی و اقتصادی لحاظ سے کسی نقطۂ اعتماد سے وابستہ ہو۔ یہ حقیقت قابل انکار نہیں ہے۔

آج یورپ میں ایسے افراد ہیں جنھوں نے آزادیِ نسواں کو وہاں پہنچا دیا ہے کہ "مادر شاہی" کا دور آجائے گا اور باپ، خاندان سے بالکل جدا کر دیا جائیگا۔ عورت کی مکمل اقتصادی آزادی، اور تمام حالات و معاملات میں مرد کی برابری کے بعد باپ عضوِ زائد بن کر خاندان سے نظرانداز ہو جائے گا۔

عین اسی ماحول میں یہ لوگ باپ کی جگہ دولت کو بٹھاتے ہیں دولت کو باپ کی جانشینی قبول کرنے کی درخواست دیتے ہیں، وہ اس پر تیار نہیں ہوں گے کہ عورت تن تنہا خاندان بنائے اور ساری ذمہ داریاں لے دیں کہ وہی مالی امداد بھی فراہم کرے اور حمل و تولید نسل سے دور ہو جائے انہیں معاشرے اور نسل کے ختم ہو جانے کا بھی خیال ہوگا یعنی گھریلو عورت اگر گذشتہ دور میں "نفقہ خور" ــــ اور بقول معترض "مرد کی مملوکہ تھی"، تو مستقبل میں وہ نفقہ خور اور دولت کی باندی ہوگی اور باپ کا منصب اور اس کے فرائض اسے منتقل ہو چکے ہوں گے۔

کاش! جو لوگ آنکھیں بند کرکے کنبہ کے مقدس ماحول کو جو قوانینِ مقدس آسمانی پر استوار ہے، کدال مار مار کر گرا رہے ہیں۔ وہ اپنے کرتوتوں کے نتائج اور اس کے دور رس اثرات کو بھی سوچ لیں۔

برٹرینڈ رسل نے "میرج اینڈ مورل" میں ایک فصل کا عنوان رکھا ہے۔ کنبہ اور حکومت۔ اس میں بچوں کی تعلیم اور صحت کے بارے میں حکومت کی مداخلت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"بظاہر باپ بیالوجیکلی وجود کے تمام اسباب ہاتھ سے کھو چکا ہے.....

باپ کو نکالتے ہیں ایک مؤثر عامل اور ہے اور وہ عورتوں کا مادی طور پر آزاد ہونے کا رجحان ہے۔ جو خواتین آج کل الیکشن میں ووٹ دیتی ہیں۔ عموماً گھر والیاں نہیں ہیں۔ گھر والیوں کے اخراجات بھی مجرد خواتین سے زیادہ ہیں۔ اور باوجود قانونی امتیازات کے کام میں مقابلے کی وجہ سے پیچھے رہ جاتی ہیں۔۔۔ گھر والیوں کے لیے دو راستے ہیں جن سے وہ اپنی اقتصادی آزادی برقرار رکھ سکتی ہیں۔

۱۔ اپنے کام میں مصروف رہیں اور دفتر جائیں بچوں کی دیکھ بھال کے لیے کھلائیاں نوکر رکھیں اور بچوں کو ان کے حوالے کر دیں۔ اس کے نتیجے میں پرورشگاہ اطفال اور کنڈر گارڈن نامی اداروں کی فراوانی ہوگی۔ آخر کار نفسیاتی لحاظ سے بچے کا نہ باپ رہے گا نہ ماں۔

۲۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ جوان بیویوں کو مالی امداد، ماہانہ خرچ دیں کہ وہ خود اپنے بچوں کی دیکھ بھال کریں۔

آخری طریقہ، بجائے خود اس وقت تک مفید نہ ہوگا جب تک ان کی یہ ذمے داری یعنی بچے کی معین عمر تک پرورش کے بارے میں قانون وضع نہ ہو۔ مگر یہی ایک راستہ ہے جس میں خصوصیت یہ ہے کہ ماں خود اپنے بچے کو پالے گی بڑا کرے گی۔ اور اس عمل میں کسی طرح بھی مرد کی نظر میں حقیر نہ ہوگی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس قانون کی تکمیل کے بعد کنبے کے اخلاق پر اس کے رد عمل کا انتظار کرنا ہوگا ممکن ہے قانون یہ بات کہے کہ غیر قانونی بچہ جننے والی ماں شوہر کی مالی امداد کی حقدار نہ ہوگی یا پھر ماں کی زنا پر موجود دلائل کے بعد خود باپ کو مالی امداد کی تجویز سامنے آئے۔ اس صورت میں مقامی پولیس کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ گھر والی خواتین کی نگرانی کرے۔ اس قانون کے نتائج بہت روشن نہ ہوں گے۔ اور یہ خطرہ بھی ہے کہ جو لوگ اس اخلاقی ارتقا کا مزا چکھ رہے ہیں اور اس کے موجد بنتا

وہ زیادہ خوش نہ ہوں۔ آخر کار پولیس کی مداخلت ختم کردی جائے اور وہ وقت آجائے کہ ناجائز مائیں بھی شوہر سے وظیفہ حاصل کرنے لگیں اس وقت مرد و طبقے کے باپ کی مالی حالت مکمل طور پر ختم ہو جائے گی اور اس کی اہمیت بچوں کے لیے کتے بلی سے بڑھ کر نہ ہو گی .... تمدن یا کم از کم جو تمدن اب تک پھیل چکا ہے وہ مادری احساسات میں رو بزوال ہے۔

زیادہ امکان اسی کا ہے کہ اس تمدن کی نگہداشت کے لیے جو بہت زیادہ تبدیلیاں اور ترقیاں حاصل کر چکا ہے ایک وقت آئے گا جب حاملہ عورتوں کو اتنی امداد دینا پڑے گی کہ وہ اس عمل میں کچھ باقاعدہ نفع حاصل کر سکیں پھر یہ ضروری نہیں کہ تمام یا اکثر عورتیں مادرانہ نوکری پسند کریں۔ آخر یہ کام بھی دوسرے کاموں کی طرح سنجیدگی اور مکمل واقفیت کے بعد ہی پسند کیا جا سکے گا لیکن یہ سب باتیں مفروضوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ میرا مدعا تو یہ ہے کہ خواتین کا انقلاب "پدر شاہی" کنبے کا زوال ہے جو قبل از تاریخ مرد کی عورت پر فتح مندی کی علامت تھا۔ مغربی علاقوں میں باپ کی جگہ دولت کی آمد ایک ترقی شمار کی جاتی ہے جسے ہم دیکھ رہے ہیں ...."

عورت کا نفقہ ختم کر دینے سے یا بقول اہل یورپ "خواتین کی مادی آزادی" سے مذکورہ بالا بحث کے بعد درج ذیل نتائج نکلیں گے:

- باپ کا کنبے سے خارج کیا جانا، اور کم از کم باپ کی اہمیت کا خاتمہ اور "مادر شاہی" دور ماضی کی بازگشت۔
- باپ کی جگہ دولت کی آمد اور ماں کا باپ کے بجائے حکومت سے مالی امداد حاصل کرنا۔
- مادرانہ جذبات کا زوال۔

ماں کا جذباتی رخ کے بجائے نوکری اور فن کا رخ اختیار کرنا۔

ان باتوں کا واضح نتیجہ انسانیت کا خاتمہ ہے۔ ہر بات ٹھیک ہو جائے گی، بس ایک بات رہ جائے گی اور وہ ہے سعادت، خوشی اور وہ روحانی لذت جو کنبے کی مرکزیت سے حاصل ہوتی ہے۔

بہرحال میرا مقصد تو یہ ہے کہ ــ عورت کی مکمل آزادی و خود مختاری کے حامی بھی، باپ کو کنبے کی فضا سے نکال کر، عورت کے فطری فریضے، تولید نسل، کو ایک حق اور امداد کا سبب مانتے ہیں اور کبھی تو اسے مزدوری اور کرایے کے طور پر حکومت پر ذمہ داری ڈالتے ہیں کہ وہ اس حق کو ادا کرے۔ برخلاف شوہر کے جس کا فطری فریضہ اس کے جواب میں کوئی حق طلب نہیں کرتا۔

دنیا بھر کے مزدوروں کے لیے جو قانون ہے اس میں مزدوری کی کم سے کم مقدار میں بھی بیوی بچوں کے خرچ کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ یعنی ــ دنیا بھر کے قوانین میں بیوی بچوں کا نفقہ قانونی طور پر مانا جاتا ہے۔

کیا حقوق انسانی کا منشور عورت کی توہین کرتا ہے؟

حقوق انسانی کے منشور، دفعہ ۲۳، جز ۳ میں ہے:

"جو بھی کام کرے اسے منصفانہ مزدوری اور قابل رضامندی حق دیا جائے جس سے اس کی اور اس کے کنبے کی زندگی انسانی طریقوں سے محفوظ رہ سکے۔"

دفعہ ۲۹، جز ۱ میں ہے:

"ہر شخص کا حق ہے کہ اس کی زندگی کا معیار، خود اس کی اور اس کے خاندان کو خوراک، مکان، طبی امداد اور دوسری معاشرتی ضروریات کی کفالت کی جائے۔"

ان دونوں دفعات میں ضمناً یہ بات مانی گئی ہے کہ جو مرد کنبہ بنائے اسے زن و فرزند کا نفقہ برداشت کرنا ہوگا۔ اور ان کے اخراجات مرد کے ضروری اخراجات میں محسوب ہوں گے۔ منشورِ حقوقِ انسانی نے باوجودیکہ توضیح کردی ہے کہ مرد و زن کے حقوق مساوی ہیں پھر بھی شوہر کا بیوی کو نفقہ دینا مخالف مساوات حقوق مرد و زن نہیں قرار دیا ہے۔ بنابریں جو لوگ ہمیشہ منشورِ حقوقِ انسانی کی تائید کرتے ہیں اور فخر یہ سند پیش کرتے ہیں کہ ملک کے دونوں ایوانوں نے اس کی تائید کی ہے وہ۔ نفقہ۔ کے مسئلے کو حل شدہ اور مسلمہ مسئلہ سمجھ لیں۔ اور کیا مغرب پرست حضرات جو اسلام کے رنگ سے ہر رنگی ہوئی چیز کو رجعت پرستی اور غیر ترقی یافتہ بات کہتے ہیں، وہ اجازت دیں گے کہ "منشورِ حقوقِ انسانی" کے آستانۂ محترم کی بھی توہین فرمائیں گے اور اسے بھی مرد کی مالکیت اور عورت کی مملوکیت کی دستاویز قرار دیں گے۔

اور آگے بڑھیے منشورِ حقوقِ انسانی کی پچیسویں دفعہ ہے:

"ہر شخص کا حق ہے کہ بیکاری، بیماری، اعضا کی کمی، بیوگی، بڑھاپے یا اور دوسرے مقامات کہ جہاں ارادۂ انسانی سے باہر ہونے کی وجہ سے معاشی انتظام ہاتھ نہ آسکے، وہاں آبرومندانہ زندگی سے فائدہ اٹھائے۔"

اس مرحلے میں "منشورِ حقوقِ انسانی" نے اس سے قطع نظر کہ شوہر کی موت کو بیوی کے لیے ذریعۂ معاش کا خاتمہ مانا ہے۔ بیوگی کو بیکاری، بیماری اور نقص اعضا کی فہرست میں رکھا ہے یعنی خواتین کو بیکاروں اور بیماروں، بوڑھوں اور افراد ناقص الاعضا کے برابر لکھا ہے۔ کیا یہ خواتین کی بہت بڑی توہین نہیں ہے؟ طے ہے۔ اگر مشرق کے کسی علاقے میں کسی کتاب یا قانون کے اندر اس قسم کی تعبیر لوگوں کے ہاتھ آجاتی تو اعتراضات و احتجاجات کا ہنگامہ آسمان تک جاتا جس کی مثال ہم اپنے بعض قوانین کے بارے میں دیکھ چکے ہیں۔

ایک حقیقت پسند اور حقائق پر نظر رکھنے والا آدمی جو ہنگامہ آرائی سے نہ ڈرتا ہو وہ تو بات کے تمام پہلو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ:

نہ قانونِ تخلیق نے مرد کو، عورت کے لیے وسیلۂ معاش بنایا ہے۔ نہ منشور حقوق انسانی نے مرد کو وسیلۂ معیشت مانا ہے اگرچہ اس نے بیوہ کو وسیلہ کھو بیٹھنے والی کہا ہے۔ نہ قانون اسلام نے جو بیوی کو مرد کے لیے واجب النفقہ سمجھا ہے کسی نے عورت کی توہین نہیں کی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قضیہ کا ایک پہلو یہ ہے کہ عورت مرد کی نیاز مند پیدا ہوئی ہے اور مرد عورت کے لیے نقطۂ اعتماد ہے۔

زن و مرد کو زیادہ بہتر و بیشتر انداز میں باہم رہتے بسنے اور رکھنے کے ماحول کو سعادت و خوشنمائی بشر سے استوار کرنے کی خاطر قانون خلقت نے ایک دوسرے کا نیاز مند پیدا کیا اس نے اگر مرد کو مالی اعتبار سے عورت کا مرکز اعتماد بنایا تو عورت کو نفسیاتی سکون کے اعتبار سے مرد کا نقطۂ اعتماد خلق کیا۔ ان دو مختلف نیاز مندیوں کے سبب ایک کو دوسرے سے قریب اور متحد رہنے میں مدد ملتی ہے۔

نواں حصّہ :

مسئلہ میراث

- اسلام نے عورت کی میراث میں عدم توازن کو ختم کیا۔
- بیوی کے وارث ہونے کا پہلو، مہر و نفقہ کی بنیاد پر ہے، اس کی علت و وجہ نہیں ہے۔
- اگر فقط اقتصادی پہلو زیرِ نظر ہوتا تو، زن و مرد کی میراث میں اسلام فرق کا قائل نہ ہوتا۔
- مرد کی میراث کا دوگنا ہونا اس وجہ سے ہے کہ مرد کے بجٹ پر دوسرے بوجھ بھی پڑتے ہیں۔*

* خدمتہ مضاف از مؤلف

مسئلۂ میراث

قدیم دنیا میں یا تو عورت کو ترکہ بالکل نہیں دیا جاتا تھا یا ترکہ دیتے تو تھے مگر اس سے بچوں جیسا سلوک کرتے تھے۔ یعنی اسے آزادی اور قانونی حیثیت نہ دیتے تھے۔ پرانی دنیا قوانین میں کہیں لڑکی کو میراث دی جاتی تھی مگر اس کی اولاد محروم رہتی تھی، برخلاف لڑکے کے، وہ خود بھی ترکہ لیتا اور اس کی اولاد کو بھی دادا کا ترکہ لینے کا حق تھا۔ دنیا کے کچھ حصوں میں عورت کو مرد کی طرح ترکہ دیتے تھے، مگر کوئی قطعی حصہ معین نہ تھا، بلکہ قرآنی تعبیر کے مطابق نصیب مفروض ـــ فرض کردہ حصہ ـــ صورت یہ تھی کہ مورث کو حق تھا وہ اپنی لڑکی کے بارے میں اگر چاہے تو وصیت کر دے۔

میراث خواتین کی تاریخ بہت طولانی ہے، محققین اور باخبر حضرات نے بڑی بڑی بحثیں لکھی اور تحریریں چھوڑی ہیں ان کی لکھی اور کہی ہوئی باتوں کا دھرانا ضروری نہیں سمجھا کہ انھیں نقل کر ڈالیں بحث، خلاصہ ذکر کر دیا ہے۔

میراث سے عورت کی محرومی کے اسباب

عورتوں کی میراث سے محرومی کا اصل سبب تو یہ تھا کہ دولت ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں نہ جانے پائے، قدیم عقائد کے مطابق تولید فرزند میں ماں کا حصہ کم سمجھا جاتا تھا، ماں، ایک ظرف تھی جس میں باپ کا نطفہ رہتا اور پرورش پاتا اور اولاد کی صورت بن جاتا۔ لہذا وہ لڑکے اولاد کہلاتے اور اسی کے خاندان کا جز بنتے۔ لڑکی کی اولاد، لڑکی کے خاندان کے افراد ہونے کے بجائے اس کے شوہر کے خاندان سے متعلق مانے جاتے تھے۔ لہذا، جب لڑکی وارث ہوتی تو اس کی وراثت اس کے بچوں کو ملتی اور

... جائداد دوسرے خاندان میں چلی جاتی۔

"ارث در حقوقِ مدنی ایران" تالیف، ڈاکٹر موسیٰ عمید مرحوم کے صفحہ آٹھ پر یہ گفتگو ہے کہ قدیم ادوار میں خاندانوں کی بنیاد مذہب بنا تا تھا، فطری روابط کا اثر نہ تھا۔ آگے لکھتے ہیں:

"مذہبی سربراہی کنبوں کے اندر "پدر شاہی" تھی جو بڑے باپ سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے بعد مذہب کے رسم و رواج و آداب کی ادائگی اولادِ ذکور میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی، گذشتہ زمانے کے لوگ بقاءِ نسل کا سبب مرد کو جانتے تھے۔ اور کنبے کا باپ جس طرح اپنے بیٹے کے لیے زندگی بخش ہوتا اسی طرح اپنے رسم و رواج و مذہبی آداب، آگ کی نگہداشت، خاص بھجن بھی اسی کے سپرد ہوتے تھے۔ ہندؤں کی وید، اور یونان و روم کے قوانین میں درج ہے کہ۔ قوتِ تولید فقط مردوں کے پاس ہے۔ اس قدیم عقیدے کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندانوں کے مذہب مردوں سے مخصوص ہوگئے۔ اور خواتین باپ یا شوہر کے بغیر مذہب کے معاملے میں دخل نہیں دے سکتی تھیں .... چونکہ مذہبی امور انجام دینے سے محروم تھیں لہٰذا خاندانی امتیازات سے بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ اس کے بعد والے مرحلے میں جب "وراثت" ایجاد ہوئی تو عورتیں اس حق سے محروم ہوگئیں۔"

خواتین کی وراثت سے محرومی کے اسباب و علل اس کے علاوہ بھی ہیں، ایک ان میں سپاہی و فوجی بننے کے لیے طاقت کی کمی ہے۔ جس تمدن میں پہلوانی و دلاوری کی بنیاد پر زیادہ اختیار ملتا تھا، ایک فوجی کو ہزاروں غیر فوجیوں پر برتری دی جاتی تھی، لہٰذا عورت دفاعی اور فوجی کام نہ کرنے کی بنا پر وراثت سے محروم کی گئی۔

جاہلیت (دورِ قبل از اسلام) کے عرب بھی اسی بنیاد پر میراثِ زن کے خلاف تھے اور جب تک وہ مرد کی طرح ثابت قدمی نہ دکھاتی تھی اس وقت تک ترکہ نہیں دیتے تھے۔ لہٰذا جب آیتِ ارث نازل ہوئی:

للرجال نصیب مما ترك الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترك الوالدان والاقربون مما قل او کثر نصیبا مفروضا۔ (القرآن الکریم / سورۃ النساء / ۷)

ماں باپ اور رشتے داروں کے ترکے میں مردوں کا حصہ ہے۔ اور والدین واہل قرابت کے ترکے میں عورتوں کا حصہ ہے۔ خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ، یہ حصہ معین شدہ ہے۔

عربوں کو بڑا تعجب ہوا۔ انھیں دنوں مشہور شاعر حسان بن ثابت کے بھائی کا انتقال ہوا۔ انھوں نے اپنے پسماندگان میں بیوی اور کئی لڑکیاں چھوڑیں۔ اس کے چچا زاد نے ساری جائداد پر قبضہ کر لیا۔ بیوہ اور بچیوں کو کچھ نہ دیا۔ بیوہ اپنی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے کر حاضر ہوئی۔ آنحضرتؐ نے سب کو طلب فرمایا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم ہی تو شمشیر بکف ہوتے اور اپنا نیز ان عورتوں کا دفاع کرتے ہیں۔ دولت بھی ہمیں ملنا چاہیے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم الٰہی سنایا اور فرمان خدا نافذ کیا۔

منہ بولا لڑکا وارث ہوتا تھا

جاہلیت میں عرب کسی کو بیٹا بنا لیتے تھے اور آخر میں وہی منہ بولا لڑکا مرنے والے کا حقیقی وارث قرار پاتا تھا۔ متبنّیٰ کی رسم دوسری قوموں میں بھی تھی، جیسے ایران، قدیم روم ......

اس رسم کے مطابق متبنّیٰ کو وہ امتیازات حاصل ہو جاتے تھے جو حقیقی بیٹوں کو حاصل نہ ہوتے تھے۔ مثلاً متبنّیٰ کی ایک اہمیت یہ تھی کہ وہ ترکہ حاصل کرتا تھا۔ یا بیٹا بنانے والا منہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی نہیں کر سکتا تھا یہ بھی ایک امتیازی بات تھی۔ قرآن کریم نے اسے بھی ختم کیا۔

ہم پیمان کا ترکہ (ضامن الجریرۃ)

عربوں میں یہ رسم بھی تھی کہ دو اجنبی آدمی آپس میں معاہدہ کرتے تھے:-

"میرا خون تمہارا خون ہے۔ مجھ سے ٹکر تم سے ٹکر ہے میں تمہاری وراثت لوں گا تم میرے وارث بننا۔"

اس معاہدے کی رو سے یہ دونوں غیر آدمی ایک دوسرا کا دفاع کرتے، حفاظت جان و مال کرتے اور ان میں جو پہلے ملتا دوسرا اس کا وارث بنتا تھا۔

بیوی ترکہ کا حصہ تھی

کبھی کبھی عرب، مرنے والے کی بیوہ کو بھی مال و جائداد میں شمار کرتے اور میراث کا ایک حصہ سمجھ کر اس سے بھی معاملہ کرتے تھے۔ اگر مرنے والے کا دوسری بیوی سے کوئی لڑکا ہوتا تھا تو اس لڑکے کو حق تھا، وہ بیوہ کے منہ پر رومال یا چادر ڈال دیتا اور اسے اپنے قبضہ میں لے لیتا، یہ اسے اختیار تھا کہ اس سے شادی کر لے یا کسی دوسرے شخص سے اس کی شادی کر دے اور اس کا مہر خود حاصل کرے۔ یہ رسم بھی عربوں کے علاوہ دوسری قوموں میں موجود تھی۔ اسلام نے اسے بھی منسوخ کیا۔

ہندوستانی، جاپانی، رومی، یونانی اور ایرانی قوموں کے قوانین میں میراث کے مسئلے میں طبقہ بندی بہت تھی، اگر صاحبان علم کے اطلاعات ہم نقل کرنا شروع کریں تو کئی مقالے تیار ہو جائیں گے۔

ساسانی عہد کے ایران میں عورت کا وارث ہونا

سعید نفیسی مرحوم نے "تاریخ اجتماع ایران از زمان ساسانیان تا انقراض امویاں" میں صفحہ ۳۲ پر لکھا ہے:

"خاندان کی تشکیل کے سلسلے میں ایک اور دلچسپ نکتہ جو ساسانی تمدن میں دکھائی دیتا ہے وہ یہ ہے کہ جب لڑکا بالغ و دانش مند ہونے لگتا تو باپ اپنی متعدد بیویں

ہیں سے ایک کی اس سے شادی کر دیتا تھا۔ ایک اور نکتہ۔ ساسانی تہذیب میں عورت کو قانونی حیثیت حاصل نہ تھی۔ باپ اور شوہر کے اختیارات اس کی ملکیت کے بارے میں بہت وسیع تھے۔

- لڑکی پندرہ برس کی ہوتی اور جوانی آجاتی تو باپ یا خاندان کا سردار سے بیاہنے کا پابند تھا۔ لیکن لڑکے کی شادی بیس سال میں ضروری سمجھتے تھے۔
- شادی میں باپ کی رضامندی شرط تھی۔
- جو لڑکی بیاہ جاتی وہ باپ یا اپنے سربراہ کی وارث نہیں ہو سکتی تھی۔
- شوہر کے انتخاب میں لڑکی کے کسی حق کو نہیں مانتے تھے۔
- بالغ ہونے کے بعد اگر باپ شادی کرنے میں کوتاہی کرتا تو لڑکی کو ناجائز شادی کا حق تھا مگر وہ باپ کی میراث سے محروم ہو جاتی تھی۔
- ایک مرد لاتعداد بیویاں بنا سکتا تھا، یونانی دستاویزات میں تو یہ بھی ملتا ہے کہ ایک ایک آدمی کی کئی کئی سو بیویاں تھیں۔
- ساسانی دور میں زردشتی مذہبی کتابوں کے بموجب شادی کے بڑے پیچیدہ اصول تھے، اور پانچ طرح کی شادیاں عام تھیں:

۱۔ جو عورت، ماں باپ کی اجازت سے شوہر کے گھر جاتی اور اس کے یہاں بچے ہوتے تھے تو وہ بچے اس دنیا اور دوسری دنیا میں اسی کی اولاد ہوتے۔ اسے "پادشاہ زن" کہتے تھے۔

۲۔ ماں باپ کی اکلوتی بیٹی سے "اوگ زن" کہلاتی یعنی یگانہ عورت۔ اس کے یہاں جو پہلا بچہ ہوتا وہ نانا، نانی کو دے دیا جاتا تھا کہ ان کے بیٹے کی جگہ لے۔ گویا وہ بچہ انہیں کے گھر سے گیا تھا اور میاں بنایا تھا۔ اس کے بعد یہ عورت بھی "پادشاہ زن" کہی جاتی تھی۔

۳۔ اگر آدمی بالغ ہونے کے بعد بن بیاہا مر جاتا تو اس کا خاندان اجنبی عورت کو جہیز دیتا اور غیر آدمی کے ساتھ بیاہ دیتا۔ اس عورت کو "سَزَر زن" منہ بولی بیوی۔

تھے ۔ اس کی اولاد آدھی اس مردہ آدمی کی قرار پاتی اور اس دنیا میں اس کی اولاد کہی جاتی
یقین تھا، اور آدھی اولاد زندہ شوہر کی ہوتی۔

۴۔ بیوہ اگر دوسرا شوہر کرلیتی تو اسے "چغرزن" نام دیتے ۔ یعنی چاکرزن، نوکر بیوی
لیکن اگر پہلے شوہر سے اولاد رکھتی ہو تو ـــ سذرزن ـ جانتے تھے ۔

۵۔ ماں باپ کی اجازت کے بغیر شوہر کے گھر جانے والی عورتیں بہت پست سمجھی جاتی
تھیں اور اس قسم کی بیوی کو "خود سرای زن" ـــ خودسر ـ بیوی کہتے تھے ۔ اسے ماں باپ
کی میراث نہیں ملتی تھی اور اسے "اوگ زن" کے طور پر نکاح میں لاتے تھے ۔

اسلام کی نظر میں عورت کا حصّہ میراث

میراث کے سلسلے میں قوانین اسلام کے اندر گذشتہ دور میں کوئی ناہمواری موجود نہیں ہے ـــ جو چیز قانون اسلام میں معترضین کے قابل اعتراض ہے وہ مرد کے مقابلے میں
عورت کا "نصف سہم" ہے ۔ یہاں مرد و زن کی مساوات کا دم بھرنے والے بولتے ہیں ۔

لڑکا ـــ دو لڑکیوں کے برابر حصہ دار ہے ۔
بھائی ـــ دو بہنوں کے برابر حصہ پائے گا ۔
شوہر ـــ کا حصہ دو بیویوں کے برابر ہوگا ۔

فقط ماں باپ کا حصہ الگ ہے ۔ یعنی اگر مرنے والا / والی اولاد چھوڑ کر جائے اور
اس کے ماں باپ بھی زندہ ہوں تو والدین میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ میت کے مال سے ملے گا

اس کا سبب و علت کہ اسلام نے "سہم وراثت عورت" کو، مرد کے سہم میراث سے آدھا
رکھا ، خاص حالات سامنے رکھنا ہوں گے ۔ جیسے ، عورت ، مہر ، نفقہ ، فوجی خدمت اور قانون
سزا میں جداگانہ قوانین رکھتی ہے ۔ یعنی عورت کی میراث لینے میں خصوصی حیثیت (معلول)
مہر و نفقہ وغیرہ کی بنیاد (علت) پر مبنی ہے ۔

اسلام ـــ گذشتہ مقالات میں دلائل دیے جا چکے کہ مہر و نفقہ کو رشتہ ازدواج کے

استحکام میں موثر اور کنبے کی آسائش میں ضروری عنصر اور زن و شوہر میں اتحاد کے ذرائع سمجھتا ہے ـــ اسلام کی نظر میں مہر اور نفقہ علی الخصوص نفقہ کو ختم کر دینا، کنبے کی بنیاد ہلانے اور بیوی کو فحشا و منکرات کی طرف کھینچنے کا سبب ہے۔ اس طرح عورت کی زندگی کا بجٹ کم ہو جاتا ہے اور مرد پر ایک بوجھ آ پڑتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ اس بوجھ کا تدارک میراث سے کر دے۔ لہذا، شوہر کو بیوی کا دوگنا حصہ دیا۔ یعنی مہر و نفقہ نے عورت کے "سہم ارث" کو کم کر دیا۔

مغرب پرستوں کا اعتراض

کچھ مغرب پرست جب اس موضوع پر داد سخن دیتے ہیں اور میراث میں عورت کے حصے کو بنیاد بنا کر اسلام کے خلاف غوغا برپا کرتے ہیں۔ مہر و نفقہ کو سامنے رکھ کر فرماتے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ میراث میں عورت کا حصہ کم رکھ کر، مہر و نفقہ سے اس کا تدارک کریں؟ کیوں سیدھے کام کریں۔ کیوں گردن کے پیچھے سے ہاتھ لا کر لقمہ کھائیں ہمیں پہلے عورت کا حصۂ میراث مرد کے برابر کرنا چاہیے تاکہ مہر نفقہ سے اس کا تدارک نہ ڈھونڈھنا پڑے۔

اول تو ان ماں سے زیادہ محبت کرنے والی کھائیوں نے علت کو معلول سمجھ رکھا ہے۔ ان کے خیال میں مہر و نفقہ، میراثِ خواتین کے لیے معلول ہے، ان کی سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ میراث میں عورت کی حالت و حیثیت خاص معلول مہر و نفقہ ہے۔

دوسرے یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہاں جو کچھ ہے وہ مالی و اقتصادی پہلو ہے اور بس ظاہر ہے کہ اگر فقط مالی اور اقتصادی پہلو ہی زیر نظر ہوتا تو کوئی دلیل نہیں تھی کہ مہر و نفقہ زیر نظر رہتا، پھر عورت کا حصہ مرد سے مختلف ہوتا۔ جیسا کہ ہم گذشتہ مقالے میں لکھ چکے ہیں۔ اسلام نے بہت سے پہلو سامنے رکھے ہیں۔ طبعی و فطری اور نفسیاتی زاویے۔ ایک طرف ضروریات اور تولید کے پہلو سے اس کی بے اندازہ مشکلات و تکالیف، جبکہ مرد اس مشکل سے آزاد ہے۔ دوسری طرف، تولید اور دولت کمانے میں مرد کی نسبت عورت میں قوت کم ہے۔ تیسری طرف، وہ مرد سے زیادہ سرمایہ استعمال کرتی ہے۔

نیز نفسیاتی اور روحانی کیفیات یعنی مرد و زن کے احساسات جدا جدا ہیں مثلاً مرد بہ نسبت عورت پر روپیہ صرف کرنے کا رجحان رکھتا ہے۔ اور سب سے آخر میں۔ معاشرتی و نفسیاتی دقیق مطالعات جو خاندانی بندھن کو مضبوط بناتے ہیں۔ اسلام نے سب باتوں کو ملحوظ رکھ کر مہر و نفقہ کو لازم قرار دیا۔ یہ ضروری و لازمی امور مرد کے اخراجات میں خاص ذمہ داریوں کے بو سائط اسباب ہیں۔ اس کے بعد اسلام نے حکم دیا کہ ذمہ داریوں کی تلافی کے لیے مرد کے حصے کو عورت کے حصے سے دگنا رکھا جائے۔ تو فقط مالی پہلو ہی نہیں ہے کہ سوال اٹھایا جائے کہ ایک جگہ عورت کا حصہ کم کر کے دوسری جگہ اس کا مداوا کرنے کی ضرورت کیا ہے۔

میراث کے مسئلہ پر زندیقوں کا اعتراض

ہم نے کہا ہے۔ اسلام کی نظر میں مہر و نفقہ علت (سبب) اور عورت کی میراث میں صورتِ حال معلول (مُسَبَّب اور نتیجہ) ہے۔ یہ بات دور اول میں بھی موضوع بحث رہی ہے، کوئی نئی بحث نہیں ہے جو آج سامنے آئی ہو۔

دوسری صدی ہجری میں ایک شخص ابن ابی العوجا گذرا ہے، یہ نہ خدا کو مانتا تھا نہ مذہب کا معتقد۔ اس دور کی آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے ملحدانہ عقائد کا پروپیگنڈا کرتا تھا، ہر جگہ پہنچا حتیٰ کہ مسجد الحرام اور مسجد النبیؐ میں بھی علما سے بحث کرنے جاتا اور توحید و معاد اور دوسرے اصول اسلام پر جرح قدح کرتا تھا۔ اسلام پر اعتراضات میں اس کا ایک اعتراض یہ تھا:

مابال المرأة المسكينة الضعيفة تأخذ سهمًا و يأخذ الرّجل سهمين۔

غریب و کمزور عورت تو ایک سہم (حصہ) لیتی ہے اور مرد جو اس سے زیادہ مضبوط ہے وہ دوہرا حصہ کیوں لیتا ہے۔؟

یہ بات اسلامی عدل کے خلاف ہے!

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

وجہ یہ ہے کہ اسلام نے جنگجو سپاہی کی ڈیوٹی عورت سے اٹھالی ہے اور بعض نادانستہ جرم، جن میں دیت دینا پڑتی ہے عورت کی سزا، دوسرے کی شرکت کے ساتھ معاف کر دی ہے۔ لہذا ترکے میں عورت کا حصہ مرد سے کم رکھا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے واضح بیان کے بعد معلوم ہوگیا کہ میراث میں عورت کی خاص نوعیت معلول (نتیجہ) ہے مہر و نفقہ کا شوہر پر واجب ہونے اور فوج میں بھرتی ہونے اور دیت دینے سے معافی کا۔

اس قسم کے سوال تمام ائمہ علیہم السلام سے کیے گئے اور ان حضرات نے اسی انداز میں جواب دیے ہیں۔

دسواں حصہ :

طلاق

- —— طلاق میں روز افزوں اضافہ ۔ بیسویں صدی کی بیماری ۔
- —— آج کی دنیا ایک طرف سماجی طور طلاق کے اسباب پیدا کر رہی ہے ۔ دوسری طرف قانون کے زور سے اسے روکنا چاہتی ہے ۔
- —— طلاق کے بارے میں پانچ مفروضے ۔
- —— شادی کا تقدس کا تقاضہ کیا یہی ہے کہ طلاق کی راہ بند کر دی جائے؟
- —— سماجی مشکلات فقط قانون سے حل نہیں ہو سکتے ۔
- —— طلاق ، اسلام کی نظر میں سب سے زیادہ نفرت کی چیز ہے ۔
- —— کیا یہ صحیح ہے کہ امام حسنؑ طلاق بہت دیا کرتے تھے ؟
- —— جہاں اساسی بنیاد جذبہ ہو وہاں قانون کا جبر کچھ نہیں کر سکتا ۔
- —— شوہر کی محبت کا شعلہ ٹھنڈا ہو جائے تو کنبے کی زندگی ختم ہو جاتی ہے اور بیوی کی محبت کا شعلہ ٹھنڈا پڑ جائے تو اسے نیم جان کر دیتا ہے ۔
- —— اسلام ، عورت کو زبردستی مرد کے سر تھوپنے کا حامی نہیں ہے ۔
- —— یورپ نے فساد تباہی و انحراف کو بڑھاوا دینے کی خاطر میاں

بیوی کو برابر کا حصہ دیا ہے۔

- ـــــ مرد کو بہار ہے، بیوی جو بہار نہ بچے پھول اور کلیاں۔
- ـــــ میاں بیوی میں صلح و صفائی "مسلح صلح" جیسی نہیں ہو سکتی۔
- ـــــ اسلام نے طلاق کے لیے کچھ رکاوٹیں رکھی ہیں۔
- ـــــ قرآن کی نظر میں کنبے کی عدالت۔
- ـــــ جس قانون نے شادی کو "باہمی رفاقت" کا روپ دیا وہی طلاق کی حقیقت "رہائی" بھی پا سکتا ہے۔
- ـــــ طلاق کا حق اور ہے فسخ کا حق اور ہے۔
- ـــــ طلاق، فطری حق کے طور پر مرد ہی سے مخصوص ہے، لیکن معاہدے کے طور پر عورت بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔
- ـــــ عدالتی طلاق۔
- ـــــ طلاق غیر طبیعی عمل تولید کی طرح آپریشن اور عمل جراحی ہے۔
- ـــــ اسلام کے پاس کوئی ایسا قانون نہیں جسے سرطان کہا جائے۔
- ـــــ حق ملکیت کی راہیں بند کرنے کے سلسلے میں اسلام کی تدبیریں اور نمونے
- ـــــ اسلامی اصول "نگہداشت یا بحسن خوبی رہائی"

(خلاصہ مطالب از مؤلف رح)

حقِ طلاق

(۱)

خاندانی شیرازہ بکھرنے کا خطرہ، اور اس سے پیدا ہونے والے حالات کبھی اس قدر نظر انداز نہیں کیے گئے جیسے اس دور میں کیے جا رہے ہیں، اور تاریخ کے کسی عہد میں آج سے زیادہ انسان عملی طور پر اس طرح خطرے سے دوچار نہیں ہوا۔

قانون بنانے والے، قانون جاننے والے، ماہرین نفسیات، ہر ایک یہی کوشش کر رہا ہے کہ ممکن وسائل سے شادی کی بنیاد استوار و مستحکم تر بنائیں کہ رخنہ نہ پڑنے پائے لیکن (بقول مولانا روم) ؎

از قضا سرکنگبین صفرا فزود — اتفاق سے سرکے نے صفرا بڑھا دیا

(حالانکہ وہ صفرے کا علاج ہے)

اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ طلاق میں سالانہ اضافہ ہو رہا ہے اور اکثر خاندانوں پر تباہی کے سایے منڈلا رہے ہیں۔

عام طور سے جب کوئی بیماری خصوصی توجہ کا مرکز بن جاتی ہے تو ذہنی اور مادی وسائل کے ذریعے اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے اور اس سے مرنے والوں کی تعداد کم ہونے لگتی ہے اور کبھی کبھی وہ بیماری ختم بھی ہو جاتی ہے۔ مگر طلاق کی بیماری اس کے برعکس روز افزوں ہے۔

نئی زندگی اور طلاق میں اضافہ

پرانے زمانے میں، طلاق اور اس کے برے نتائج، اسباب و علل طلاق، اور اس سے بچنے

کے بارے میں بہت کم توجہ کی گئی۔ اس کے باوجود طلاق کی اوسط کم تھی، اور زندگی کے آشیانے کم اجڑتے تھے۔ طے شدہ بات ہے کہ آج طلاق کے علل و اسباب بڑھتے جا رہے ہیں سماجی زندگی نے ایسی صورت اختیار کر لی ہے کہ گھریلو زندگی کے رشتے ٹوٹنے کے اسباب زیادہ پیدا ہو گئے ہیں، اور خیر خواہوں اور دانشوروں کی سعی ابھی تک کسی منزل پہ نہیں پہنچ سکی اور افسوسناک بات یہ ہے کہ آئندہ خطرہ زیادہ ہے۔

شمارہ ایک سو پانچ، "زن روز" میں نیوز ویک سے ایک مقالہ کا ترجمہ چھپا تھا۔ عنوان ہے۔"طلاق در امریکا" رسالہ لکھتا ہے:

"ٹیکسی حاصل کرنے میں جو آسانی ہوتی ہے وہی آسانی طلاق حاصل کرنے میں ہے"

اسی مضمون میں ہے: طلاق کے بارے میں امریکیوں کے یہاں دو کہاوتیں سب سے زیادہ مشہور ہیں:

۱۔ مشکل ترین سمجھوتہ بھی جو میاں بیوی میں ہو سکے وہ طلاق سے بہتر ہے۔

یہ جملہ تقریباً چار صدی قبل "سروانتس" نے کہا تھا۔

۲۔ دوسرا عشق زیادہ دل پذیر ہوتا ہے۔

بیسویں صدی کے نصف دوم میں" سامی کاہن" نے یہ جملہ کہا ہے بلکہ پہلے محاورے کے خلاف ایک نعرہ لگایا ہے۔

نامبردہ مقالے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری کہاوت نے امریکہ میں اثر کیا ہے۔ مقالہ نگار کہتا ہے:

"طلاق کی سرایت نے فقط تازہ بیاہے"

بلکہ ان کی ماؤں اور شوہروں (پرانے بیاہے لوگوں) کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ جنگ عظیم دوم کے بعد سے امریکہ میں طلاق کی تعداد اوسطاً ۴۰۰،۰۰۰ طلاق سالانہ سے کم نہیں، چالیس فی صد طلاق دس سالہ شادی یا اس سے زیادہ میں، اور بیس سالہ شادی میں تیرہ فی صدی کی اوسط طلاق عام ہے۔ دو ملین (بیس لاکھ) طلاق یافتہ عورتوں کا سن

بتنا لیس سال ہے۔ باسٹھ فی صد طلاق یافتہ عورتوں کے بچوں کی عمر اٹھارہ سال سے کم ہوتی ہے۔ یہ عورتیں ایک نئی نسل کو جنم دے رہی ہیں۔"

آگے تحریر ہے:

"باوجودیکہ طلاق کے بعد امریکی عورت اپنے میں آزاد سے زیادہ آزاد سمجھتی ہے، مگر مطلقہ عورتیں شادکام نہیں رہتیں چاہے جوان ہوں یا درمیانہ عمر کی عورتیں ہوں۔ اور اس بے چینی کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب نفسیاتی معالجین کے پاس جاتی ہیں یا ہر وقت نشے میں دھت رہنے لگتی ہیں، یا ان میں روز افزوں خودکشی کا رجحان نظر آرہا ہے۔

چار مطلقہ عورتوں میں ایک "ہپی" اور تین خودکشی کر لیتی ہیں۔ عورتوں میں خودکشی کی تعداد باشوہر عورتوں سے تین گنا زائد ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ امریکی عورت جب طلاق لے کر عدالت سے پلٹتی ہے۔ پھر سمجھتی کہ طلاق کے بعد زندگی جیسی سوچی ہے ویسی جنت تو نہ ہوگی ...... قوانین فطرت کے بعد دنیا میں شادی مضبوط ترین انسانی رشتہ ہے ــ جس دنیا کا یہ عقیدہ ہو، وہاں اس عورت کے بارے میں کیا رائے دی جائے گی جس نے یہ رشتہ توڑا ہو؟ ممکن ہے معاشرے میں ایسی عورت قابل احترام ہو، پوجی بھی جائے، لوگ رشک بھی کریں لیکن اس آدمی کو تو ایک نظر نہ بھائے گی جب وہ اس عورت کو دوسرے شخص کی زندگی میں خوشی کی لہر دوڑاتے دیکھے ...."

یہ مقالہ ضمنی طور پر طلاق کے اسباب پر روشنی ڈالتا اور فراوانی طلاق کے بارے میں سوالات اٹھاتا ہے۔ فراوانیِ طلاق کا سبب میاں بیوی میں اخلاقی اختلاف ہے یا کوئی اور بات؟

جواب دیتا ہے:

اگر اخلاقی ناسازگاری کو جدائی کا سبب مان لیں تو نوجوان جوڑے کے لیے تو ایک

بات ہو سکتی ہے مگر پرانے رشتوں کے بارے میں کیا وجہ بتائی جائے گی ؟ امریکی قوانین نے طلاق لینے والی عورتوں کو جو رعایت دی ہے اور اس کے پیش نظر جواب یہ ہے کہ :

دس یا بیس برس کی شادی کے بعد طلاق کا سبب ناچاقی یا طبیعتوں کا اختلاف نہیں بلکہ برسوں کی پریشانیوں کو برداشت نہ کرنے کا رجحان اور نئی لذتوں کی ہوس اور دوسری کامرانیوں کی آرزو ہے۔ مانع حمل گولیوں اور جنسی انقلاب نیز عورتوں کی بڑھتی قدر و منزلت نے خواتین میں یہ رجحان عام کر دیا ہے کہ خاندانی بندھنوں سے آزادی میں لذت اور خوشی زیادہ ہے۔ ایک بیوی اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے زندگی ایک ساتھ گذارتی ہے بچے پیدا ہوتے ہیں خوشی غمی میں ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔ اچانک بیوی کو طلاق کی فکر پیدا ہو گئی، شوہر میں ظاہری اور اقتصادی تبدیلی بھی نہیں مگر بیوی الگ ہونا چاہتی ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ کل تک تھکا دینے والی زندگی برداشت کر رہی تھی مگر اب وہ ایک طرح کی زندگی نہیں چاہتی ...... آج کی امریکی عورت کل کی عورت سے زیادہ موقع پرست ہے اور اپنی دادی کے مقابلے میں برداشت نہ رکھنے والی عورت ہے۔"

ایران میں طلاق

طلاق میں فراوانی امریکہ ہی میں نہیں، یہ اس صدی کی وبا ہے۔ جہاں بھی یورپ کے رسم و رواج عام ہوں گے وہاں طلاق کے شماریات میں اضافہ ہو گا۔ مثلاً ہم اپنے ایران ہی کو دیکھیں، شہروں میں طلاقوں کی تعداد دیہاتوں سے زیادہ ہے۔ در تہران جہاں مغرب کے آداب دانستہ، زیادہ اثر کر چکے ہیں۔ دوسرے شہروں سے آگے ہے۔

روزنامہ اطلاعات، شمارہ ۱۱۵۱۲ میں ایران کے نکاح و طلاق کے شماریات چھپے تھے جس میں تھا:

> "رجسٹرڈ طلاقوں میں جو تھے سے زیادہ حصہ صرف تہران کا ہے۔ یعنی ستائیس فی صد طلاق تہران میں واقع ہوئے ہیں۔ حالانکہ ملک کی آبادی کے لحاظ سے

ہران کی آبادی، دس فیصد کا تناسب رکھتی ہے مجموعی طور پر تہران میں سو نکاح اور سو طلاق ہوتے ہیں" ہران میں شادیوں کی تعداد پورے ملک کی نسبت سے پندرہ فی صد ہے۔"

امریکہ میں طلاق کی افزائش کی ہوا:

اچھا اسے چھوڑیے، امریکہ میں طلاق کی بات آگئی تو سنیے: "نیوز ویک سے نقل کیا گیا ہے کہ امریکی عورت موقع پرستی اور لذت کو کنبے کی مرکزیت و نگہداشت و استحکام پر ترجیح دیتی ہے۔ ایک قدم آگے بڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ امریکی عورت ایسی کیوں بن گئی؟ ظاہر ہے کہ یہ امریکی عورت کی سرشت نہیں ہے۔ اس رویے کی علت و وجہ معاشرہ ہے امریکی معاشرے نے امریکی عورت کو احساس دردیہ دیا ہے۔ ہمارے مغرب پرست چاہتے ہیں کہ ایرانی خواتین کو بھی اسی راہ پر ڈال دیں جس پر امریکی عورتیں چل رہی ہیں۔ اگر ان لوگوں کی یہ آرزو پوری ہو گئی تو مسلم ہے کہ ایرانی عورت اور خاندانی مرکزیت کا مقدر وہی بن جائے جو امریکی عورت اور امریکی خاندان کی قسمت ہے۔

ہفت روزہ "بامشاد" شمارہ ۶ (۴۴/۵/۴) ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا تھا:

"دیکھیے بات کہاں تک پہنچی، کہ فرانسیسی قوم کی آواز بھی اٹھی کہ امریکیوں نے نئی شورش برپا کی ہے۔" روزنامہ فرانس سوار کا مقالہ ہے کہ دو سو سے زیادہ ریسٹورنٹ اور کیبرے، کالیفورنیا میں ایسے کھلے ہیں جہاں پیشں خدمت لڑکیاں کھلے سینوں کے ساتھ کام کرتی ہیں۔

اسی مضمون میں تحریر ہے کہ "مونو کینی" مایوٹی جو عورتوں کے سینہ بند کھلواتے ہیں یہ صاحب سان فرانسسکو اور لاس انجلیس میں لباس کے ماہر مانے گئے ہیں۔

نیویارک میں متعدد ایسے سینماؤں کی نشان دہی کی گئی ہے جہاں کی فلمیں فقط جنسی عمل اور جنسی مسائل اور عریاں تصویریں دکھاتی ہیں۔ ان فلموں کے چند نام یہ ہیں:

"وہ شوہر جو اپنی بیویوں کا باہمی تبادلہ کرتے ہیں۔"

"وہ لڑکیاں جو اخلاق کے خلاف ہیں۔"

"جو کچھ نہیں پہنتیں"

ویمنز کی لائبریری میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جس کی پشت پر برہنہ عورت کی تصویر نہ ہو، کلاسیکی اور ادب عالی کی تصانیف بھی اس سے خالی نہیں۔ اس قسم کی کتابیں بکثرت موجود ہیں:

"امریکی شوہروں کی جنسی حالت"

"مغربی مردوں کی جنسی حالت"

"بیس سال سے کم عمر جوانوں کی جنسی حالت"

"نئی اطلاع کی روشنی میں نئے جنسی رویئے"

فرانس سوار کا مضمون نگار تعجب و پریشانی کے عالم میں خود اپنے آپ سے سوال کرتا ہے۔ امریکہ کہاں جانا چاہتا ہے؟

بامشاد لکھتا ہے:

"ٹھیک ہے جہاں تک جانا چاہتا ہے جائے ۔۔۔۔ ہمارا دل تو ان مٹھی بھر ہم وطنوں کے بارے میں جلتا ہے جن کے خیال میں انھوں نے ایک مناسب ماڈل اختیار کر لیا ہے اور اس سلسلے میں انھیں اپنے سراپا کا ہوش نہیں رہا ہے۔"

معلوم یہ ہوا کہ اگر امریکی عورت دیوانی ہوگئی اور کام نکالنے اور ہرجائی بننے کو ایک کی ہو رہنے اور وفاداری پر ترجیح دیتی ہے، تو قصور اس کا نہیں۔ اس کے معاشرے نے خاندان کے مقدس مرکز پر کدال مار کر اسے نقصان پہنچایا ہے۔

"تعجب تو اس صدی کے نصیبوں پر ہے، روز بروز طلاق، اور خاندانی شیرازہ منتشر

کرنے کے معاشرتی وسائل میں اضافہ کر رہے ہیں۔ ایک دوسرے سے دوڑ میں آگے جا رہے ہیں۔
اس کے بعد غل ہے کہ طلاق کی تعداد کیوں بڑھ رہی ہے؟ یہ لوگ اسباب و عوامل طلاق کو روز
افزوں کرتے جا رہے ہیں اور یہ شور بھی مچا رہے ہیں کہ قانون کی جبراً بند کر کے اسے روکا جائے۔
اسی کو کہتے ہیں "کج دار د مریز"

مفروضے:

ہم اصل مقصد پر بحث شروع کرتے ہیں۔ پہلے عقلی طور پر دیکھیں کہ طلاق اچھی چیز ہے یا نہیں؟ کیا طلاق کی راہ مکمل طور پر کھلی رہنا چاہیئے؟ کیا خاندانوں کے شیرازوں کا لگاتار بکھرتے رہنا اچھا ہے؟ اگر طلاق اچھی چیز ہے تو پھر جو اسباب و علل طلاق میں اضافہ کا باعث ہیں انھیں باقی رہنا چاہئیے ان میں کیا برائی ہے۔ یا، طلاق کا سلسلہ بالکل بند کرنا چاہیئے اور شادی کا رشتہ ابدی بنا دیا جائے اور جو چیز بھی اس مقدس بندھن کو ڈھیلا کرے اسے روکنا ضروری ہے۔ یا پھر کوئی تیسرا حل تلاش کیا جائے۔ قانون کو کلیتاً میاں بیوی کے لیے یہ راستہ بند نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ کبھی کبھی طلاق لازم و ضروری ہو جاتی ہے۔ مگر قانون کی رکاوٹ نہ ہونے کے باوجود معاشرہ کو ایسی تدبیریں کرنا ہوں گی جن کی وجہ سے میاں بیویوں میں جدائی نہ ہونے پائے۔ معاشرے کو ان اسباب و علل کا سخت مقابلہ کرنا چاہیئے جن کے نتیجے میں میاں بیوی میں علیحدگی اور بچوں کی بے گھری عمل میں آتی ہے۔ یہ تو صاف سی بات ہے کہ اگر سماج ایسے اسباب پیدا کرتا رہے جن سے طلاق وجود میں آئے تو قانون کوئی کام اور کوئی اثر نہیں کر سکتا۔

اگر یہ فیصلہ ہو جائے کہ قانوناً طلاق پر پابندی نہ لگائی جائے تو کیا صورت ہو کہ آزادی برقرار رہے۔؟ یعنی کیا یہ آزادی فقط مرد کو حاصل رہے۔ یا تنہا عورت کو یا دونوں کو حق طلاق حاصل ہو؟ پھر اگر دونوں کو حق حاصل ہو تو کیا جو تدبیر اور جو انداز طلاق

دونوں اختیار کر سکیں وہ ایک جیسا ہو؟ نکاح کے بندھن سے رہائی کا طریقہ ایک ہی قسم کا ہو؟ یا اچھی بات تو یہ ہے کہ میاں بیوی، دونوں کی جدائی کے لیے الگ الگ دو دروازے رکھے جائیں؟

طلاق کے لیے پانچ مفروضے بنائے جا سکتے ہیں:

۱۔ طلاق معمولی چیز ہے۔ طلاق کی تمام قانونی اور اخلاقی رکاوٹوں کا خاتمہ کیا جائے۔

جو لوگ کام چلانے اور مزے چکھنے کے لیے شادی کے قائل ہیں، معاشرے میں کنبہ کا احترام و تقدس نہیں مانتے۔ اس کے مقابلے میں ان کی سوچ یہ رہتی ہے کہ شادی کا رشتہ جتنی جلدی ہو سکے ٹوٹے اور نیا رشتہ جڑے۔ نئے میاں بیوی بنیں اور نئے مزے لوٹیں۔ وہ تو اسی مفروضہ کو پسند کریں گے۔ جو کہتے ہیں ــــ "دوسرا ہمیشہ زیادہ مزیدار ہوتا ہے۔" وہ اسی مفروضے کی حمایت کریں گے۔ اس مفروضے میں خاندان کی بنیادی اہمیت بھی نظر انداز کی گئی ہے اور کسی ایک رشتے کے دوام سے پیدا ہونے والی مسرت و خلوص، محبت و خوش نصیبی کو بھی فراموش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مفروضہ کمزور اور جلد ختم ہو جانے والا مفروضہ ہے۔

۲۔ دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ نکاح ایک مقدس عہد ہے۔ نکاح نامہ دل و جان کی وحدت کا وہ دائمی عہد و پیمان کی حیثیت کا حامل ہے۔ اسے محفوظ و باقی رہنا چاہئے۔ لفظ طلاق انسانی معاشرے کی کتاب لغت سے نکال دینا چاہئے۔ میاں بیوی شادی کرتے وقت سمجھ لیں اب موت کے علاوہ کوئی چیز دونوں میں جدائی نہیں ڈال سکتی۔

کیتھولک چرچ صدیوں سے اسی کا حامی ہے اور کسی قیمت پر اس مفروضے یا عقیدے سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں۔ اس نظریے کے پرستار پوری دنیا میں روبہ زوال ہیں اور آج کل صرف اٹالیا اور کیتھولک سپانیا میں یہ قانون نافذ ہے

اطالیہ والے اس قانون کے خلاف آواز اٹھاتے اور تحریکیں چلاتے رہتے ہیں کہ یہ قانون ختم ہو اور طلاق کو قانونی حیثیت مل جائے۔ اب وہ اس تکلیف دہ صورت حال کو مزید برداشت کرنے پر تیار نہیں ہیں۔

تیسرے پہر کی اشاعت ڈیلی اکسپریس میں ایک مضمون چھپا تھا:

"ازدواج در ایتالیا یعنی بندگی زن"

یہ فارسی ترجمہ، میں نے پڑھا تھا، مضمون میں درج تھا۔ موجودہ صورت حال میں طلاق نہ ہونے کی وجہ سے اطالیہ میں عملی طور پر بہت سے لوگ خلاف قانون جنسی عمل کرتے ہیں۔ اس مقالے کی تحریر کی بنیاد پر "موجودہ صورت یہ ہے کہ پانچ ملین اطالوی سمجھتے ہیں کہ ان کی زندگی سوائے گناہ اور ناجائز تعلقات کے اور کچھ نہیں۔"

اسی روزنامے (ڈیلی اکسپریس) "تیسرے پہر کے ایڈیشن" میں اخبار نگار دے نقل کیا ہے کہ اطالیہ کے عوام میں ممنوعیت طلاق سے بری شکلیں پیدا ہو گئی ہیں۔ بہت سے لوگ اس قانون سے تنگ آ کر وطن چھوڑ چکے ہیں۔ آخری دنوں میں ملک کی خواتین سے پوچھا گیا تھا۔ "کیا طلاق کے قانون کا اجرا خلاف اصول مذہب ہے؟ ستر فی صد عورتوں نے جواب نفی میں دیا تھا۔"

چرچ اپنے عقیدے پر سختی سے قائم ہے۔ اور نکاح کے تقدس اور اس کی مضبوطی پر زور دیتا اور دلیلیں پیش کرتا ہے۔ شادی کا تقدس اور رشتے کا استحکام بجائے خود اچھی بات اور قابل قبول چیز ہے۔ بشرطیکہ میاں بیوی میں یہ بندھن عملی طور پر باقی رہ سکے حقیقتاً، کچھ ایسے مواقع بھی پیش آتے ہیں جہاں میاں بیوی میں ہم آہنگی ممکن نہیں ہوتی اس وقت قانون کے زور سے انھیں نہیں چپکایا جا سکتا۔ ایسے میاں بیوی کا رشتہ نہیں کہا جا سکتا۔ کلیسا کے نظریے کی شکست یقینی ہے وہ دن دور نہیں کہ چرچ مجبوراً اپنے عقیدے پر نظر ثانی کرے، اس لیے ہمیں چرچ اور اس کے موجودہ عقیدے پر اس سے زیادہ گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۳۔ تیسرا مفروضہ ہے ۔ نکاح ۔ مرد کی طرف سے فسخ ہو سکتا ہے، بندھن کھل سکتا ہے ۔ عورت اسے نہیں توڑ سکتی ۔ پرانی دنیا میں یہی نظریہ تھا، مگر آج مجھے گمان نہیں کہ لوگ اس کی حمایت کرتے ہوں ۔ میرے نزدیک اس پر زیادہ بحث و نظر کی ضرورت نہیں ہے ۔

۴۔ چوتھا مفروضہ یہ کہ ۔ نکاح، مقدس چیز ہے، اور خاندانی مرکزیت قابل احترام ہے ۔ لیکن طلاق کے دروازے شرائط اور پابندیوں کے ساتھ میاں بیوی دونوں کے لیے کھلے رہنا چاہیے اور دونوں کو اس بندگی کے دو دروازوں سے ایک ہی انداز میں نکلنے کی اجازت ہونا چاہیے ۔

میاں بیوی اور عورت و مرد کے حقوق میں مشابہت کے حامی ۔ جس کی تعبیر غلطی سے مساوات حقوق سے کرتے ہیں ۔ اسی نقطۂ نظر کے طرف دار ہیں ۔ ان لوگوں کے نزدیک جو پابندیاں، جو شرائط عورت پر لاگو ہوں وہی مرد پر بھی عائد ہوں، اور جو تدبیر مردوں کے رشتے توڑنے کے کام آئے وہی حل عورتوں کے لیے کارآمد ہو ۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ظلم اور درجہ بندی ہے اور ناروا ہے ۔

۵۔ پانچواں مفروضہ ہے ۔ شادی مقدس عمل ہے ۔ خاندانی مرکزیت محترم ہے اور طلاق قابل نفرت اور ناپسندیدہ ہے (مبغوض ہے)، معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ ایسے اسباب وعلل کا قلع قمع کرے جن کی وجہ سے طلاق واقع ہوتے ہیں، قانون کو ناکام شادیوں کے لیے الجھن بننا چاہیے ۔ ایسے بندھنوں سے آزادی کے لیے مرد کا راستہ بھی کھلا ہونا چاہیے اور بیوی کے لیے بھی کوئی حق ہو ضرورتی ہے جب نا ناکام بندھن سے آزاد ہونے کے لیے مرد کو جو راستہ بتایا گیا ہے ۔ وہ اور ہے عورت کو جو راہ دی گئی ہے وہ اس سے ہٹ کر ہے ۔ اور یہ مسئلہ بھی وہ ہے جہاں زن و مرد کے حقوق تو ہیں مگر ایک جیسے نہیں ہیں ۔

یہ نظریہ، اسلام ہی نے ایجاد کیا ہے اور اسلامی ملکوں میں ناقص (غیر کامل) طور پر رائج ہے اور اسی کی پیروی کی جاتی ہے ۔

طلاق ایک بین الاقوامی مسئلہ

(۲)

ہمارے زمانے میں طلاق ایک بین الاقوامی مسئلہ بن چکا ہے، ہر شخص فریادی ہے، سب کو شکایت ہے، جن لوگوں کے قانون میں طلاق بالکل ممنوع ہے، وہ پریشان ہیں کہ شادی نبھنے والی نہیں، مزاج ملتے نہیں، طلاق نہیں دے سکتے۔ جن کے یہاں قانون برعکس ہے، طلاق کی راہ میاں بیوی دونوں کے لیے برابر سے کشادہ ہے، وہ کثرتِ طلاق اور خاندانوں کے درہم برہم ہونے، اور ناپسندیدہ نتائج کے ہاتھوں چیخ رہے ہیں، جن لوگوں نے فقط مردوں کو حق طلاق دے رکھا ہے وہ دو زاویوں سے شکوہ کرتے ہیں:

۱۔ غیر شریفانہ طلاق، کچھ لوگ کئی برس کے بندھن اور اچھے تعلقات کے بعد اچانک نئی دلھن لانے کی ہوس دل میں محسوس کرتے اور اس بیوی کو چھوڑنے پر کمر کستے ہیں جس نے اپنی عمر، جوانی، قوت اور صحت اس کے گھر میں لٹا دی، اسے تصور بھی نہ تھا کہ اس کا نرم و گرم آشیانہ اس سے چھین لیا جائے گا، وہ ایک طلاق نامہ حاصل کرتے ہی خالی ہاتھ اپنے آشیانے سے نکال دی جائے گی۔

۲۔ بعض شوہروں کا شریفانہ انداز سے طلاق نہ دینا اور ان عورتوں کا پیچھا نہ چھوڑنا جن سے ان کا نباہ ہرگز ممکن نہیں۔

اکثر ایسے اتفاقات ہوتے ہیں کہ میاں بیوی میں خاص وجوہ سے اختلافات

بڑھتے بڑھتے ناقابل اصلاح ہو جاتے ہیں۔ صلح وصفائی کی سعی بے نتیجہ ہو جاتی ہے، زن و شوہر میں نفرت کی خلیج حائل ہو جاتی ہے۔ دونوں عملی طور پر ایک دوسرے کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ دونوں الگ الگ زندگی گذارنے پر راضی ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں ہر عقل مند کے نزدیک اس مشکل کا حل یہ ہوتا ہے کہ رشتے کو توڑ دیا جائے اور دونوں اپنا اپنا نیا شریک زندگی تلاش کر لیں۔ مگر بعض شوہر حریف کو سزا دینے کی خاطر ہمیشہ کے لیے ازدواجی زندگی سے محروم کر دیتے۔ اور طلاق نہیں دیتے، اور بدنصیب بیوی کو بے سہارا زندگی گذارنے پر مجبور کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی تعبیر ہے "کَالْمُعَلَّقَةِ" معلق زندگی۔

یہ لوگ مسلمان اور اسلام کا صرف نام ہی جانتے ہیں اور اسلام ہی کا نام لے کر من مانے کام کرتے ہیں لہذا جو حضرات اسلامی تعلیمات کی وسعتوں سے ناواقف ہیں ان کے دل کی گہرائیوں میں یہ شبہ بیٹھ گیا کہ کیا اسلام طلاق کو اسی طریقے پر باقی رکھنا چاہتا ہے؟

یہی لوگ اعتراض آمیز لہجے میں کہتے ہیں: کیا واقعاً اسلام نے مردوں کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ کبھی طلاق دے کر اور کبھی طلاق نہ دے کر اپنی بیوں کو سزا دیں اور ذہنی طور پر مطمئن بھی رہیں کہ انھوں نے اپنے شرعی حق سے فائدہ اٹھایا ہے۔

لوگ کہتے ہیں: یہ ظالمانہ کام نہیں ہے؟ اگر یہ بات ظلم نہیں تو پھر ظلم کسے کہتے ہیں؟ آپ تو اسلام کو ہر قسم کے ظلم کا سخت مخالف بتاتے ہیں، آپ کہتے ہیں اسلامی قوانین عدل وحق کی بنیاد پر قائم ہیں؟ اور اگر یہ کام ظلم ہے اور اسلامی قوانین بھی عدالت و حق کی بنیاد پر قائم ہیں تو ذرا ہمیں بھی بتائیے کہ ان مظالم کے لیے اسلام نے کیا انتظام کیا ہے؟

ان افعال کے ظلم ہونے میں کوئی بحث کی کوئی گنجائش نہیں، ہم آگے چل کر بتائیں گے کہ اسلام نے ان مسائل کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے، اسلام نے اس بارے میں کچھ تدابیر بتائی ہیں۔ مگر ایک بات جسے بھولنا مناسب نہیں ہے وہ اس قسم کے ظلم وستم کی راہ بند کرنے کی

بات ہے۔ کیا ظلم کی اس صورتِ حال کا سبب فقط قانونِ طلاق ہے، اور اس قانون کو بدل دینے سے یہ ظلم ختم ہو جائے گا؟ یا ظلم کی جڑیں کہیں اور ہیں ان مقامات کی جستجو کرنا ہوگی کیونکہ یہ ایسے مقامات ہیں جہاں قانون کوئی اثر نہیں کر سکتا۔

معاشرتی مسائل کا حل تلاش کرنے میں اسلام اور دوسرے نظریات میں فرق ہے، بعض نظریات مشکلات کا حل قانون کو بتاتے ہیں۔ اسلام کی نظر اس نکتے پر ہے کہ قانون فقط خشک اور باہمی تعلقات میں ہمواری تک تو انسان پر اثر انداز ہو سکتا ہے، مگر جب جذبات کا مسئلہ آجائے تو پھر قانون سے کام نہیں چلتا۔ وہاں دوسرے اسباب وعلل اور دوسری تدابیر سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے۔

ہم ثابت کریں گے کہ ان مسائل میں اسلام نے قانون سے جہاں تک فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا فائدہ اٹھایا ہے اور اس بارے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

غیر شریفانہ طلاق

سب سے پہلے ہم آج کی اپنی پہلی مشکل۔ یعنی غیر شریفانہ طلاق پر گفتگو کرتے ہیں:

اسلام، طلاق کا سخت مخالف ہے، اسلام تا بحدِ امکان طلاق سے روکتا ہے۔ اسلام نے جدائی کی بالکل آخری تجویز طلاق قرار دی ہے کہ اس کے سوا کوئی چارہ ہی باقی نہ تھا۔ اسلام نے لگاتار بیویاں بنانے اور طلاق دینے والے ۔۔۔ مطلاق ۔۔۔ کو دشمن خدا کا نام دیا ہے۔

الکافی[1] میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص کے پاس پہنچے اور اس سے دریافت کیا:

اپنی بیوی کا کیا کیا؟

---

[1] الکافی ج ۶ ص ۵۴، طبع تہران، جدید

بولا : طلاق دے دی!

فرمایا : کوئی برا کام اس نے کیا تھا ؟

جواب : جی نہیں ، کوئی برائی تو نہیں دیکھی تھی !

قصہ ختم ہو گیا ، اس نے دوسری مرتبہ شادی کر لی ، رسول اللہؐ نے دریافت فرمایا : دوسری بیوی لے آئے ؟

اس نے کہا : جی ہاں !

کچھ دن بعد پھر ملاقات ہوئی تو آنحضرتؐ نے پوچھا :

اس نئی بیوی کے ساتھ کیا کیا ؟

اس نے جواب دیا : طلاق دے دی۔

آنحضرتؐ نے پوچھا : اس نے کوئی برائی کی تھی ؟

— جی نہیں ، کوئی برائی تو نہیں دیکھی !

یہ بات بھی گئی گذری ہو گئی اور اس نے تیسری شادی کی ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ — شادی کر لی ؟

اس نے کہا — جی ہاں ، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کچھ دنوں کے بعد حضرت نے اسے دیکھ کر پھر وہی پوچھا :

اس بیوی کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟

— اسے بھی طلاق دے دی !

— کوئی برائی نظر آئی تھی ، اس میں ؟

— جی نہیں ، برائی تو کوئی نہیں تھی !

رسولِ اکرمؐ نے فرمایا : اللہ ، اس مرد کو دشمن رکھتا اور اس شخص پر لعنت کرتا ہے جس کی آرزو بیویاں بدلنا ہو اور اس عورت پر جس کا دل چاہتا ہو کہ شوہر بدلتی رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے کہا، ابوایوب انصاری رضی اپنی بیوی ام ایوب کو طلاق دینے والے ہیں ــــ آنحضرت ام ایوب کو جانتے تھے، اور جانتے تھے کہ ابوایوب کا اقدام طلاق کسی صحیح دلیل کی وجہ سے نہیں ہے۔ لہٰذا فرمایا:

ان طلاق ام ایوب لحوبٌ

طلاقِ ام ایوب، بڑا گناہ ہے۔

- پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل نے خواتین کے بارے میں اتنی مرتبہ تاکید کی جس سے مجھے گمان ہوا کہ جب تک بیوی فحش کام کا ارتکاب نہ کرے اس وقت تک طلاق مناسب نہیں۔

- امام جعفر صادق علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرمایا، آنحضرت کا ارشاد ہے:

اللہ کے حضور اس گھر سے زیادہ کوئی محبوب گھر نہیں جہاں شادی کا رشتہ قائم ہو۔ اور اس گھر سے زیادہ مبغوض کوئی گھر نہیں جس میں طلاق کے ذریعے رشتہ توڑا جائے، امام جعفر صادق نے مزید فرمایا: قرآن مجید میں طلاق کا ذکر بار بار آیا اور طلاق کے جزئیات پر قرآن نے خاص توجہ کی ہے۔ اسی کی بنا پر اللہ، جدائی سے دشمنی رکھتا ہے۔

- طبرسی نے مکارم الاخلاق میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:

"نکاح کرو، مگر طلاق نہ دینا، طلاق سے عرش خدا کانپ جاتا ہے"۔

- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا، حضورِ الٰہی میں طلاق سے زیادہ مبغوض و قابلِ نفرت کوئی چیز نہیں ہے۔ اللہ، زیادہ طلاق دینے والے سے دشمنی (نفرت) کرتا ہے۔

شیعہ روایات کی خصوصیت نہیں، حضرات اہل سنت نے بھی اس طرح کی روایتیں لکھی ہیں۔ سنن ابو داؤد میں ہے[1]:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما احل اللہ شیئاً ابغض الیہ من الطلاق

اللہ نے کوئی ایسی چیز حلال نہیں کی جو اسے طلاق سے زیادہ ناپسند ہو۔

مولانا روم نے مشہور داستان "موسیٰ اور چرواہے" میں اسی حدیث نبوی کی طرف اشارہ کیا ہے:

تا توانی پا منہ اندر طلاق

ابغض الاشیاء عندی الطلاق

رہنمایانِ مذہب کی سیرت میں بھی دیکھا ہے کہ امکان بھر طلاق سے بچتے رہے ہیں۔ اور ان کے یہاں طلاق بہت کم واقع ہوئی ہے، اور جب ایسا ہوا ہے تو کسی منطقی اور عقلی بنیاد پر ہوا ہے۔ مثلاً:

امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک عورت سے شادی کی اور کچھ دنوں بعد طلاق دی۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا: وہ علیؑ کی دشمن تھی، میں آتش جہنم کا ٹکڑا اپنے پہلو میں نہ رکھ سکا۔ یعنی جو عورت حضرت علی علیہ السلام کی دشمن ہو، اور امام اس سے تعلقات باقی رکھیں غیر منطقی بات ہے۔ لہذا طلاق ضروری تھی۔

---

[1] دیکھئے سنن ابی داؤد — تفریع ابواب الطلاق۔ حدیث ۲۱۷۷ اور حدیث ۲۱۷۸ ابغض الحلال الی اللہ تعالی الطلاق۔ ج ۲ ص ۲۵۴

امام حسنؑ کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈا (کردار کشی کی مہم)

اس موقع پر اس بے بنیاد پروپیگنڈ کی بات بھی ضروری ہے جسے بنی عباس کے مجرمانہ ہاتھوں نے جنم دیا اور اسے پھیلایا۔

عوام میں مشہور ہوا اور کتابوں میں لکھا گیا کہ فرزند بزرگوار حیدر کرار حضرت حسن مجتبیٰؑ بہت شادیاں کرتے اور بہت طلاق دیتے تھے۔ اس پروپیگنڈے کی تاریخ امام حسن علیہ السلام کے سو برس بعد سے شروع ہوتی ہے۔ یہ خبر ہر جگہ پھیلائی گئی اس لیے غیروں کے ساتھ اپنوں نے بھی بے تحقیق سنی سنائی لکھتے وقت یہ حقیقت بھول گئے کہ طلاق ایک مبغوض اور برا کام ہے، یہ عیش پرست و غافل افراد کا عمل ہے۔ اس شخص سے یہ بعید ہے جس کے کردار و اعمال میں سے ایک عمل پیدل حج کرنا تھا جس نے بیس مرتبہ سے زیادہ اپنا مال و متاع فقرا میں تقسیم کیا، آدھا مال خود اٹھالیا، آدھا غربا کو دیدیا۔ بھلا اس مقام بلند اور اتنی عظیم امامت و عصمت کی حامل شخصیت سے ایسی باتوں کا کیا ربط۔

سب کو معلوم ہے کہ بنی امیہ سے بنی عباس تک انتقال اقتدار کے وقت سے اولاد امام حسنؑ بنی عباس سے ہم آہنگ تھی۔ لیکن اولاد امام حسینؑ جن کے سردار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام تھے۔ خاموش رہے اور انہوں نے بنی عباس کا ساتھ نہ دیا۔ بنی عباس نے سیاسی مجبوری سے شروع شروع میں تو بنی حسنؑ سے عاجزانہ سلوک رکھا اور انھیں اپنے سے زیادہ موزوں و بہتر ظاہر کیا، لیکن آخر میں بے وفائی دکھائی اور بہت سے سادات حسنی کو قید و قتل کے ذریعے سامنے سے ہٹا دیا۔

بنی عباس نے اپنے سیاسی منصوبے کو آگے بڑھانے کی خاطر اولاد امام حسنؑ کے خلاف پروپیگنڈا اور کردار کشی کی مہم چلائی۔ منجملہ اور باتوں کے ایک یہ کہانی گڑھی کہ بنی حسن

کے جد اعلیٰ اور رسول اللہؐ کے چچا، ابوطالب مسلمان نہ تھے بلکہ کافر۔ نعوذ باللہ.....
لیکن آنحضرتؐ کے دوسرے چچا اور ہمارے جد اعلیٰ عباس مسلمان ہوئے اور مسلمان مرے لہٰذا ہم کہ آنحضرتؐ کے مسلمان چچا کی اولاد سے ہیں۔ ان بنی حسنؑ سے بہتر ہیں کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے غیر مسلم..... کی اولاد سے ہیں۔ ہم خلافت کے واسطے زیادہ موزوں ہیں۔ بنی عباس نے اس کام کے لیے دولت استعمال کی، قصے گڑھے جس کی بنیاد پر آج بھی حضرات اہل سنت میں کچھ لوگ کفر ابوطالب کا فتویٰ دیتے ہیں، اگرچہ آخری دنوں کچھ اہل سنت کے محققین نے چھان بین کرکے "تاریخ کے افق روشن کیے ہیں۔

حسنی خاندان کے خلاف بنی عباس نے دوسرا موضوع چھیڑا اور کہنے لگے اس خاندان کے جد اعلیٰ اپنے والد حضرت علیؑ کے بعد تخت وتاج کے مالک ہوئے تو اپنے شوق (معاذ اللہ) کی وجہ سے شادی وطلاق میں الجھ گئے اور معاویہ سے جنگ کے بجائے صلح کرلی.....

خوشی کی بات ہے، عصر اخیر کے چند محققین نے اس مسئلے کی چھان بین کی اور دروغ بے فروغ کی بنیاد معلوم کرلی۔ گمان غالب یہ ہے کہ منصور دوانیقی کے معین کردہ قاضی نے یہ افواہ اڑانے میں پہل کی۔ بقول ایک مورخ کے۔ اگر امام حسنؑ نے اتنی شادیاں کی تھیں تو ان کی اولاد کی تعداد اتنی کم کیوں ہے؟ امام میں کوئی کمی نہ تھی اور مانع حمل گولیوں یا اسقاط کا دو عمل بھی اس زمانے میں رائج نہ تھا جو آج کل ہے۔

مجھے اس سادہ دل شیعہ مذہب کے راویوں پر تعجب ہے۔ یہ لوگ خود ہی روایتیں نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اطہار نے زیادہ طلاق دینے والے کو خدا کے نزدیک مبغوض یا ملعون بتایا ہے اور اس کے بعد ہی یہ لکھ دیا کہ امام حسنؑ طلاق بہت دیا کرتے تھے۔

ان لوگوں نے یہ نہ سوچا کہ تین ہی صورتیں ہیں، انھیں میں سے ایک صورت اختیار

ہو گی۔ یا یہ کہیں کہ طلاق میں کوئی عیب نہیں ہے اور خدا بہت طلاق دینے والے کو
دشمن نہیں رکھتا۔ یا یہ مانیں کہ امام حسن علیہ السلام زیادہ طلاق نہ دیتے تھے۔ یا پھر یہ مان
لیں کہ امام حسنؑ اسلامی قوانین کے معاذ اللہ پابند نہ تھے۔ یہ حضرات ایک طرف احادیث
مبغوضیتِ طلاق کو صحیح و معتبر جانتے ہیں۔ دوسری طرف مقام مقدس امام حسنؑ کے سامنے
سر جھکاتے ہیں۔ اور پھر ایک جہت میں ان کی کثرتِ طلاق کی بات نقل کرتے
ور اس پر نقد و نظر کیے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں۔

کچھ تو یہاں تک پہنچے کہ بقول ان کے حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام اپنے فرزند
کے اس عمل سے ناراض تھے اور (معاذ اللہ) منبر پر لوگوں سے کہتے تھے کہ میرے بیٹے
حسنؑ سے بیٹی نہ بیاہنا وہ تمہاری لڑکیوں کو طلاق دیتے ہیں، مگر لوگوں نے جواب
میں کہا، یا علیؑ! ہمیں تو فخر ہوگا کہ ہماری بیٹیاں فرزند پیغمبرؐ کی بیویاں بنیں۔ ان کا دل
چاہے وہ رکھیں نہ چاہیں تو طلاق دے دیں۔
ممکن ہے بعض طلاق کے ناپسندیدہ اور قابل نفرت ہونے کا علاج یہ سمجھتے ہوں
کہ عورت اور اس کے خاندان کو طلاق پر راضی کر لیا جائے تو نفرت والا پہلو ختم ہو جائے
نفرت طلاق اس وقت ہے جب طلاق پانے والا فریق راضی نہ ہو۔ جب عورت طلاق
میں خوشی و اعزاز محسوس کرتی ہو وہ کچھ دن کسی ایسے مرد کے ساتھ گذارنا چاہتی
ہو جو اس کے اعزاز کا باعث ہو۔ اس صورت میں طلاق میں کیا رکاوٹ رہ جاتی ہے۔
یہ بات نہیں۔ لڑکیوں کے طلاق پر باپ کی رضامندیاں، یا خود بتولؑ کا اپنی
طلاق پر خوشی ہونا۔ طلاق کے مبغوض و قابل نفرت ہونے میں کمی کا باعث نہیں۔ کیونکہ
سلام نکاح میں پائداری اور خاندان کی مرکزیت میں استواری چاہتا ہے۔ اس کی نظر میں
میاں بیوی کا علیحدگی پر رضامند ہونا موثر نہیں ہے۔

اسلام نے طلاق کو قابلِ نفرت و مبغوض قرار دیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت کی خاطرداری ہو اور اسے راضی کیا جائے۔ یوں عورت کی پسند اور خاندان کی آمادگی حاصل کرکے طلاق سے نفرت ختم کی جائے۔

امام حسنؑ علیہ السلام کے بارے میں غلط پروپیگنڈے کی بات ایک تو اس لیے چھیڑی کہ ایک تاریخی شخصیت سے جتنی جلدی ہو سکے ایک تاریخی بہتان کو رد کیا جائے دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ غافل کچھ لوگ یہ کام شروع کر دیں اور امام حسنؑ کے بارے میں سنی سنائی بات کو سند و دلیل بنا کر پیش نہ کر دیں۔

خلاصہ —— اس میں کوئی شک نہیں کہ طلاق اور میاں بیوی میں جدائی اپنی جگہ پر اسلام کی نظر میں قابلِ نفرت و بغض ہے۔

اسلام نے طلاق کو حرام کیوں نہ کیا

ایک اہم سوال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اگر طلاق اس حد تک قابلِ بغض و نفرت ہے کہ طلاق دینے والے شخص کو اللہ، دوست نہیں رکھتا، نفرت کے قابل سمجھتا ہے تو پھر اسلام نے طلاق کو سرے سے حرام ہی کیوں نہ کر دیا؟ طلاق کو حرام قرار دینے میں اسلام کے لیے کیا رکاوٹ تھی۔ خاص خاص اور معین صورتوں میں جائز، باقی میں ناجائز کر دیتا؟ بالفاظ دیگر کیا اسلام کے لیے یہ بہتر نہ ہوتا کہ اسلام، طلاق کے لیے کچھ شرطیں لگا دیتا کہ بس ان شرطوں کے بعد ہی طلاق کی اجازت ہے؟ اس کے بعد مجبوراً شوہر کو جانا پڑتا۔ جب کوئی شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا تو عدالت کو اپنے عمل کے جواز کی دلیل بتاتا، اگر عدالت کی نظر میں دلائل کافی اور اطمینان بخش ہوتے تو طلاق کی اجازت مل جاتی ورنہ نہ ملتی۔

بنیادی طور پر جملہ یہ ہے:

"حلال چیزوں میں مبغوض ترین چیز اللہ کے حضور طلاق ہے۔"

کیا مطلب؟ اگر طلاق حلال ہے تو قابلِ نفرت نہیں اور اگر قابلِ نفرت ہے تو حلال

نہیں۔ قابلِ نفرت ہونے اور حلال ہونے میں کوئی جوڑ نہیں بیٹھتا۔

ان باتوں کے علاوہ ــ کیا معاشرہ ــ یعنی وہ ادارہ جسے عدالت کہتے اور معاشرے کا نمایندہ جانتے ہیں۔ حقدار ہے کہ طلاق جیسے معاملے میں جو اسلام کے نزدیک "قابلِ نفرت" ہے۔ دخل دے اور عدالت۔ معاشرہ۔ فیصلہ دے دے کہ طلاق دینے سے پرہیز کرو اور معاملے کو اتنا طول دیا جائے کہ شوہر اپنے ارادے پر پچھتائے یا پھر معاشرے۔ سی ذریعہ اجتماع ــ پر واضح ہو جائے یہ زیرِ بحث رشتہ یکجائی نہیں کر سکتا اب اس رشتے کو ٹوٹنا ہی چاہیے . . . .

طلاق
(نظام فطرت)
(۳)

بات یہ ہو رہی تھی کہ اسلام کی نظر میں طلاق بہت زیادہ قابل نفرت و عداوت و مبغوض ہے ۔ اسلام کا رجحان ہے شادی کا بندھن مضبوط و برقرار رہے ۔ اس کے بعد میں نے سوال اٹھایا تھا کہ اگر طلاق اسی قدر مذموم و مبغوض ہے تو اسلام نے اسے ناجائز ہی کیوں نہ کر دیا ؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ اسلام جس کام کو ناپسند کرتا ہے اسے شراب خواری و قمار بازی و ستم گری کی طرح حرام کر دیتا ہے ؟ پھر طلاق کو بالکل ممنوع کیوں نہ قرار دیا اور اسے روکنے کے لیے قانون وضع کیوں نہ کیا ؟ اصل نکتے کی بات یہ ہے کہ آخر اس کی منطق کیا ہے کہ طلاق "حلال مبغوض" ہے ؟ اگر حلال ہے تو اس کے مبغوض ہونے کا مطلب کیا ہے ، اور اگر مبغوض ہے تو حلال کیوں ؟ اسلام ایک طرف تو طلاق دینے والے مرد کو اپنی غضب آلود نگاہوں کا نشانہ بناتا ہے ، اس سے نفرت و بیزاری کا اظہار کرتا ہے اور دوسری طرف جب بھی کوئی شوہر اپنی زوجہ کو طلاق دینا چاہے تو اسے کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی ، آخر کیوں ؟

یہ سوالات بجا ہیں ، سب راز کی باتیں نہیں تو چھپی ہوئی ہیں اصلی راز اور مطلب کی بات یہ ہے کہ زوجیت ، میاں بیوی کی زندگی فطری بندھن ہے یہ کوئی رسمی معاہدہ نہیں ہے ۔ فطرت میں اس کے واسطے خاص قوانین وضع ہوئے ہیں ۔ بیع ، اجارہ ، صلح ، رہن اور وکالت جیسے معاشرتی معاہدات سے یہ رشتہ مختلف ہے ان میں صرف

معاشرتی یک طرفہ قرارداد و باہمی معاملہ ہوتا ہے فطرت و ضمیر کا دخل نہیں ہوتا۔ فطرت و غریزہ کو سامنے رکھ کر قانون نہیں بنایا گیا ہے۔ پیمانِ ازدواج میں یہ بات نہیں یہاں فریقین کی ایک فطری خواہش۔ اصطلاحی طور پر۔ ایک خاص میکانزم کے طور پر پیوست ہوتی ہے اور باہمی جوڑ بٹھائے جاتے ہیں۔

اس بنا پر اگر پیمانِ ازدواج کے خصوصی ضابطے ہیں اور وہ دوسرے عہد و پیمان کے ضابطوں سے جدا ہیں تو حیرت نہ کرنا چاہیے۔

نکاح و طلاق میں قوانین فطرت کی نگہداشت

شہری معاشرت کا قانون، آزادی و مساوات کا قانون ہے۔ تمام معاشرتی معاہدے دو اصولوں پر قائم ہوں گے، آزادی اور مساوات، کوئی دوسرا اصول استعمال نہیں ہو سکتا۔ البتہ پیمانِ ازدواج اس کے برعکس، یہاں آزادی و مساوات کے علاوہ فطرت نے کچھ اور ضابطے بھی وضع کر رکھے ہیں، اور ان قوانین و ضوابط کی پیروی و نگہداشت ضروری ہے۔ طلاق، دوسرے معاہدات سے پہلے ہی تنِ فطرت میں ایک قانون کی مالک ہے۔ آغاز کار۔ خواستگاری۔ درمیانی عمل۔ نکاح۔ میں ایک خاص قسم کی نگہداریِ فطرت ضروری ہے۔ آخر کار ردعمل۔ طلاق ۔۔۔ میں بھی اس پر نظر رکھنا لازم ہے۔ (ہم منگنی اور خواستگاری، مہر و نفقہ، اور خصوصی طور پر زن و مرد کے مابین فرق پر گذشتہ ابواب میں گفتگو کر چکے ہیں) ۔۔ فطرت کو چھوڑنا کوئی فائدہ مند بات نہیں "الکسیس کارل" کے بقول۔ حیات و زندگی کے قوانین، ستاروں کے قانون جیسے سخت اور بے رحم ہیں، ان سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

نکاح، وحدت و اتصال ہے اور طلاق، جدائی و انفصال۔ جب فطرت نے جوڑ بنے اور زن و مرد کے بندھن کا قانون یوں وضع کیا ہے کہ شرکت زندگی کے لیے

اصل حاشیہ ص ۳۲۱ پر ملاحظہ فرمائے

ایک طرف سے اقدام ہو اور دوسری طرف دلبری و دل ربائی کے طور پر شرم کے ساتھ ایک قدم پیچھے ہٹنے کا عمل ہو، ایک سمت وہ جذبات رکھے جن سے دوسرے کو اپنی گرفت میں لینے کی فکر ہو، دوسری طرف ایسے جذبات کہ مقابل آنے والے کا دل چھین لے۔ جب کہ نکاح کا سنگ بنیاد، محبت واتحاد و یکدلی کو قرار دیا گیا۔ باہمی معاہدہ وہم کاری نہیں جب کہ گھر کی تعمیر کا نقطہ نظر یہ رکھا کہ جنس لطیف مرکز ہو اور جنس درشت اس مرکز کے گرد چکر لگائے۔ لہٰذا جدائی اور علیحدگی اور انتشار یا اس مرکز کا خلل بھی خاص ضابطوں سے محدود کیا گیا۔

مضمون کی پندرھویں قسط میں ایک دانشور کی بات نقل کر چکا ہوں کہ "شادی کا بندھن دراصل مردوں کے لیے قبضہ کرنے کی خاطر ایک حملہ ہے اور عورتوں کے لیے دل فریبی و دل ربائی کی خاطر ایک پسپائی ہے۔ مرد، چونکہ فطرتاً شکاری حیوان ہے لہٰذا اس کا عمل حملہ اور جھپٹنا ہے۔ ایک مثبت عمل ہے۔ دراصل عورت، مرد کے لیے انعام ہے جو اسے لے چکنا چاہیے۔ شادی، ایک جنگ و پیکار ہے اور ازدواج شرکت زندگی اور اقتدار ہے۔"

وہ پیمان جس کی بنیاد محبت و یگانگت ہے، تعاون و رفاقت نہیں، یہاں جبر و پابندی کا عمل نہیں ہے۔ قانون کے زور و جبر سے افراد کو انصاف کی بنیاد پر تعاون و احترام پر مجبور کیا جا سکتا ہے اور یہ معاہدہ چند سال باقی بھی رکھا جا سکتا ہے۔ مگر قانون کے جبر و زور سے دو افراد کو ایک دوسرے کی محبت، ایک دوسرے سے خلوص، ایک دوسرے پر جاں نثاری کے لیے تیار نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ہر ایک اپنی خوش نصیبی کو دوسرے کی خوش نصیبی سمجھے۔

اس قسم کے تعلق کو برقرار رکھنے کی خواہش کے لیے قانونی جبر کے بجائے کوئی دوسری معاشرتی و عملی تدبیر اختیار کرنا ہوگی۔

ازدواج و نکاح کی فطری ٹیکنیک جس کی بنیاد پر اسلام نے اپنے قانون وضع کیے ہیں دراصل ان کی وجہ اور نتیجہ یہ ہے کہ عورت کنبہ کی جمعیت میں محبوب و محترم ہو بنا رہے، اگر کسی وجہ سے وہ اپنے مرتبے سے نیچے آجائے اور مرد کی محبت کا شعلہ اس کی سمت سے ٹھنڈا ہو جائے اور مرد اس سے بے رخی اختیار کرلے تو گویا کنبہ کا ایک ستون گر گیا یعنی فطرت کی بنیاد پر ایک فطری معاشرہ بکھر گیا۔ اسلام نے خاص کوشش و تدابیر کے سہارے کنبہ کی زندگی کو فطری انداز میں باقی رکھنا چاہا ہے۔ یعنی عورت مقام محبوبیت و مطلوبیت میں اور مرد مقام طلب و توجہ و حاضر خدمت رہنے کی منزل میں باقی رہے۔

اسلام نے عورت کو ہدایت نامہ دیا، عورت کو چاہیے:

- ہمیشہ اپنے شوہر کے لیے آراستہ پیراستہ رہے۔
- اپنی ہنرمندی کے نئے سے نئے جلوے شوہر کو دکھائے۔
- شوہر کے جنسی جذبات کو بڑھائے۔
- شوہر کی باتوں کا نفی میں جواب دے کر اس کے واسطے نئی گرہ اور ذہنی و نفسیاتی الجھن نہ پیدا کرے۔

ادھر مرد سے کہا:

- اپنی زوجہ سے محبت و عطوفت رکھے۔
- اظہار عشق و توجہ کرے۔
- اپنی محبت نہ چھپائے۔

اس قسم کی متعدد تدبیریں اسلام نے اس لیے اختیار کیں تاکہ جنسی لذت اندوزی اپنے گھریلو دائرے میں محدود رہے۔ اسلام کی ہدایت کہ میاں بیوی کے باہمی سلوک رشتۂ زن و شوہر کے کیڈر سے باہر بہت پاک صاف رہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ کنبہ کا معاشرتی ڈھانچہ بکھرنے کے خطرے سے بچا رہے۔

گھریلو زندگی میں شوہر کا فطری درجہ

اسلام کی نظر میں کسی زوجہ کی انتہائی توہین کی بات ہے کہ شوہر یہ کہہ دے "میں تم سے محبت نہیں کرتا مجھے تم سے نفرت ہے۔" اور اس کے بعد قانون زور و جبر کرے اور بیوی کو گھر میں رکھنے پر مجبور کرے۔ قانون، جبراً بیوی کو شوہر کے گھر میں رکھ سکتا ہے لیکن اسے فطری درجہ محبوبیت و مرکزیت اور میاں بیوی کی پر محبت و الفت فضا میں باقی رکھ سکے، یہ ممکن نہیں ہے۔ قانون شوہر کو زوجہ کی نگہداشت، اس کے اخراجات زندگی کی ادائگی کا پابند کر سکتا ہے۔ مگر اسے ایک جاں نثار اور مرکز کے گرد گھومنے والا دائرہ اور ایک نقطہ نہیں بنا سکتا۔

بنابریں جب محبت والفت شوہر کا شعلہ بجھ جائے تو فطری ضابطے کے مطابق شادی کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے۔ اگر محبت کا شعلہ بیوی کے دل میں ٹھنڈا پڑ جائے تو کیا ہوگا؟ کیا بیوی کے رشتۂ محبت توڑ لینے سے گھریلو زندگی باقی رہے گی یا ختم ہو جائے گی؟ اگر باقی رہے گی تو، میاں بیوی میں کیا فرق ہے کہ مرد کا رشتۂ الفت ٹوٹنا تو گھریلو زندگی کا خاتمہ بن جائے اور بیوی کے رابطۂ الفت ختم ہونے سے وہ زندگی ختم نہیں ہوتی، آخر وجہ کیا ہے! اور اگر بیوی کے رخ موڑنے اور رشتۂ الفت توڑنے سے بھی گھر کا شیرازہ بکھر جاتا ہے تو جس وقت زوجہ، شوہر سے رشتہ توڑے تو اسی وقت نکاح کا بندھن بھی ختم مان لیں اور بیوی کو حق طلاق دے دیں۔

جواب یہ ہے کہ "گھریلو زندگی، فریقین کی دل بستگی پر موقوف ہے ایک فرد پر نہیں اور زن و مرد کی نفسیاتی تحقیق سے دونوں کا اختلاف ہم گذشتہ مقالات میں ایک ماہر نفسیات کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔ فطرت نے میاں بیوی کا رشتہ کچھ ایسا رکھا ہے کہ بیوی، شوہر کے سامنے جوابدہ ہے۔ بیوی کی اصلی و حقیقی محبت والفت کو شوہر کے احترام

و توجہ کے جواب میں استوار و پائدار ہونا چاہیے۔ لہذا بیوی کا مرد سے تعلق معلول (نتیجہ) ہے شوہر کی توجہ کا اور سب کچھ مرد سے وابستہ ہے، فطرت نے فریقین کی محبت کی کنجی شوہر کے ہاتھ میں رکھی ہے۔ شوہر، اگر زوجہ سے محبت کرے اور وفاداری برتے تو زوجہ بھی اسے چاہے گی اور وفاداری برتے گی۔ یقینی طور پر عورت، مرد سے زیادہ وفادار ہوتی ہے عورت کی بے وفائی مرد کی بے وفائی کا ردعمل ہے۔

فطرت نے ازدواج فسخ کرنے کی کنجی مرد کو دی ہے، یعنی مرد، اپنی بے تعلقی و بے توجہی اور بیوی سے بے وفائی کر کے، بیوی کو سرد مہر و بے تعلق بناتا ہے۔ اس کے برعکس اگر بے مہری عورت کی طرف سے ہو تو مرد کے رشتۂ الفت پر اس کا اثر نہیں ہوتا، بلکہ کبھی تو اس کے جذبۂ الفت میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ بہر حال بیوی کی بے توجہی، طرفین کی بے تعلقی نہیں بنتی۔ مرد کی توجہ میں کمی اور اس کا خاتمہ مرگ ازدواج و خاتمہ زندگانی خانوادگی ہے۔ مگر شوہر کے لیے بیوی کے جذبۂ التفات کی کمی گھریلو زندگی کو مریضِ نیم جان بناتی ہے، لیکن بہتری اور تندرستی کی امید باقی رہتی ہے۔ جس وقت بے توجہی عورت کی طرف سے ہو تو مرد کی عقلمندی و وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ بیوی سے محبت و الفت و نرمی کا مظاہرہ کرے اور اسے عشق و الفت کی طرف واپس لائے۔ مرد کے لیے اپنے روٹھے محبوب کو منانے میں کوئی سبکی نہیں، وہ قانون کے زور سے اس کی نگہداشت کر کے آہستہ آہستہ رام کر سکتا ہے۔ لیکن عورت کی توہین ہے، اس کے واسطے ناقابل برداشت ہے کہ وہ اپنے حامی اور عاشق کی حفاظت میں قانون کے زور و جبر کو سہارا بنائے۔

البتہ یہ اس صورت میں ہے جب عورت (بیوی) کی لاتعلقی کی علت شوہر کی بداخلاقی و ظلم نہ ہو، اگر مرد ظلم شروع کر دے اور بیوی ظلم و نقصان رسانی سے تنگ آکر دامن چھڑانا چاہتی ہو تو بات کچھ اور ہے۔ ہم اس بارے میں "مسئلہ دوم" کے عنوان سے گفتگو کریں گے۔ یعنی غیر شریفانہ طور پر طلاق سے پہلو تہی۔ وہاں ہم بتائیں گے کہ مرد کو اجازت

نہیں دی جائے گی کہ وہ غلط فائدہ اٹھائے اور عورت کو نقصان رسانی و ستم گری کے لیے روکے رکھے۔

خلاصہ یہ ہے ۔ میاں بیوی، زن و مرد میں فرق یہ ہے کہ مرد، عورت ذات کا نیاز مند ہے اور عورت مرد کا دل چاہتی ہے۔ بیوی کے لیے شوہر کی حمایت اور دلی توجہ اتنی قیمتی ہے کہ اس کے بغیر شادی کا عمل عورت کے لیے ناقابل برداشت ہے۔

ماہر نفسیات فرانسیسی خاتون کا نظریہ

زن روز، شمارہ ۱۱۳ میں "ماں کے نفسیات" کے عنوان سے ایک فرانسیسی خاتون BEATRIC MARBEAU (بیٹرس ماربیو) کے مضمون کا ترجمہ چھپا تھا۔ اس مقالے کے مندرجات سے، اس خاتون کا نفسیات میں ڈاکٹر ہونے کے علاوہ پیرس کے ایک اسپتال میں نفسیات شناس معالج ہونے کے ساتھ ساتھ تین بچوں کی ماں ہونے کا علم بھی ہوا۔

مقالے کے بعض حصوں سے حاملہ یا بچے والی عورت کی شوہر سے محبت و مہربانی کی توقع پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے، وہ لکھتی ہیں:

"جب عورت محسوس کرتی ہے کہ وہ بہت جلد ماں بننے اور اولاد والی ہونے کو ہے تو اسی وقت سے وہ سوچ میں پڑ جاتی ہے وہ اپنے بدن کو ٹٹولنے اور سونگھنے لگتی ہے۔ خصوصاً اگر پہلا بچہ ہو تو کریدنے کی حس بہت شدید ہوتی ہے۔ بالکل یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اپنی ذات سے بیگانہ ہو گئی۔ وہ اپنے وجود کا انکشاف چاہتی ہے۔ جیسے ہی وہ پیٹ میں ننھی جان کی چھبن محسوس کرتی ہے۔ اسی وقت وہ کان لگاتی ہے کہ اپنے جسم میں نئے آنے والے کی ہر آواز کو سنے، نیا وجود اسے خوش قسمتی اور مسرت بخشتا ہے وہ آہستہ آہستہ گوشے میں رہنے اور تنہائی میں بیٹھنے کی آرزومند ہو جاتی ہے۔ وہ بیرونی دنیا سے قطع تعلق کر لیتی ہے وہ اس ننھی جان سے خلوت میں دل بہلانا چاہتی ہے جو ابھی دنیا میں نہیں آئی۔۔۔

حمل کے زمانے میں شوہروں پر ان کی بیویوں کی بڑی ذمہ داریاں آپڑتی ہیں مگر افسوس ہے کہ مردان ذمہ داریوں سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہوتے ۔ ہونے والی ماں چاہتی ہے، شوہر اسے ٹٹولے اور سمجھے اس سے محبت کرے، اس کا خیال رکھے، اس کی حمایت و مدد کرے، جب وہ اپنا پیٹ ابھرتے دیکھتی ہے، اس کے حسن کو نقصان پہنچتا ہے، استفراغ آتے ہیں، متلی ہوتی ہے، بچہ جننے کا خوف طاری ہوتا ہے تو اپنے شوہر کو سب باتوں کا ذمہ دار قرار دیتی ہے کہ اسی نے حاملہ کیا ......

شوہر کو ان دنوں بیوی سے زیادہ نزدیک رہنا چاہیئے اور کنبہ کو بھی ایک غمخوار و ہمدرد باپ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ بیوی بچوں سے مشکلات شادی و غم میں بات کرے، ان کی پریشان کن باتوں کو برداشت کرے۔ حاملہ عورت کی بڑی آرزو یہی ہوتی ہے کہ اس کے بچے کے بارے میں اس سے کوئی بات کرے، عورت کی سب سے بڑی عزت و فخر کی بات ہے اس کا صاحب اولاد ہونا۔ اس وقت اگر وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ اس کا شوہر، اس کے بہت جلد دنیا میں آنے والے بچے سے دلچسپی نہیں رکھتا۔ تو اس کا غرور و افتخار پاش پاش ہو جاتا ہے۔ وہ حقارت اور چھوٹا پن محسوس کرنے لگتی ہے۔ وہ ماں ہونے سے بیزار اور بچہ جننے کو "احتضار" و جاں کنی خیال کرنے لگتی ہے۔

ثابت ہو چکا ہے کہ ایسی زچائیں، درد زہ زیادہ محسوس کرتی ہیں .....

ماں اور اولاد کا رشتہ فقط دو افراد کا رشتہ نہیں بلکہ تین افراد کا درمیانی تعلق ہے ماں، بچہ اور باپ ۔ باپ غائب ہو (بیوی کو طلاق دے چکا ہو) جب بھی ماں کی اندرونی زندگی اسی کے خیالات و تصورات سے بسر ہوتی رہتی ہے۔ شوہر "مادری" جذبات میں بھی بڑا موثر کردار ادا کرتی ہے ...."

یہ تھے خیالات اس دانشمند خاتون کے جو ماہر نفسیات ہونے کے ساتھ ساتھ ماں بھی تھی۔

وہ عمارت جس کی بنیاد جذبات پر ہے

اب اچھی طرح سوچیے۔ جو مخلوق اس حد تک دوسرے مخلوق کی نیاز مند توجہ، قلبی تعلق، حمایت اور ہمدردی کی متلاشی ہے۔ جو ہر مشکل صرف "اس" کی مہربانی و توجہ کے سہارے جھیل سکتی ہے۔ اور اس کی محبت کے بغیر وہ اپنی اولاد کا صحیح مطلب بھی نہیں سمجھتی۔ وہ مخلوق جو دوسرے کے صرف وجود سے ہی نہیں بلکہ اس کے دل، دل کے جذبات کی طلب گار ہو۔ کیسے ممکن ہے کہ اسے قانون کے زور سے ایسی مخلوق سے چپکا دیا جائے جس کا نام مرد ہے؟ سخت اور اکھڑ۔

کیا یہ دھوکا نہ ہوگا کہ ہم ایک طرف بوالہوسی اور بیویوں سے لاتعلقی کے اسباب فراہم کریں اور ہوس رانی کے نئے نئے راستے نکالیں۔ پھر قانون کے زور سے بیویوں کو شوہروں سے چسپاں رکھنا چاہیں؟ اسلام نے یہ کام کیا کہ شوہر عملی طور پر بیوی کو چاہے اور اس سے محبت کرے، اسلام، بیوی کو شوہر کے سر تھوپنے کا اہتمام نہیں کرتا۔

مختصر یہ ہے کہ جہاں ارادت و خلوص کا قدم درمیان ہو اور جذبات پر تمام معاملات کی بنیاد ہو وہاں قانون کا جبر کیا کر سکتا ہے۔ ممکن ہے مقام افسوس ہو مگر مقام جبر و پابندی بہر حال نہیں ہے۔

ایک مثال ہے۔ ہمیں علم ہے کہ نماز جماعت میں امام کی عدالت شرط ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ ماموین امام کی عدالت کا یقین رکھتے ہوں۔ یعنی امام و ماموین کا ربط و اجتماع، عدالت امام اور ارادت و خلوص ماموین پر قائم ہے۔ اسی وجہ سے یہ اجتماع و تعلق جبر و پابندی قبول نہیں کر سکتا۔ تنہا قانون اسے دوام و استحکام نہیں دے سکتا۔ اگر ماموم اپنے امام جماعت سے رابطہ توڑ لیں اور خلوص و ارادت ختم ہو جائے تو ربط و اجتماع درہم برہم ہو جائے گا۔ اس ارادت کا خاتمہ چاہے درست ہو یا غلط۔ فرض کر لیجیے کہ امامِ جماعت واقعاً عدالت و تقویٰ اور صلاحیت کے اعلیٰ درجے پر بھی فائز ہو۔ جب بھی ماموین کو اپنی اقتدار پر مجبور نہیں کر سکتا قابل مضحکہ ہوگا کہ یہ امامِ جماعت، کچہری میں ماموین کے خلاف درخواست دائر کرے کہ لوگ

مجھ سے ارادت کیوں نہیں رکھتے ؟ لوگ میرے معتقد کیوں نہیں ؟ اور آخری بات یہ ہے کہ لوگ میرے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے ؟ دراصل ایک امام جماعت کے مرتبے کی توہین ہے کہ عوام کو قوت و جبر سے اپنی اقتدا پر مجبور کرے۔

نمائندۂ اسمبلی اور عوام کا رابطہ بھی یہی رابطہ ہے یعنی انتخاب کرنے والے اور منتخب ہونے والے کا رابطہ۔ تعلق و عقیدہ و یقین پر استوار ہوتا ہے۔ اسی رابطہ کا دارومدار، جذبات اور دل اور معاشرے پر موقوف ہے۔ اگر عوام کسی شخص کو ووٹ نہ دیں۔ تو ان سے جبراً ووٹ لیے نہیں جا سکتے۔ خواہ عوام کو دھوکا ہی کیوں نہ ہو اور امیدوار اپنی جگہ واقعاً اہل اور اعلیٰ درجے کی قابلیت رکھتا ہو۔ شرائطِ انتخاب بھی پورے موجود ہوں، کیونکہ الیکشن کی فطرت اور ووٹ دینے کا مزاج جبر کے خلاف ہے۔ یہ شخص کچہری میں اپنی صلاحیت و قابلیت کی بنیاد پر فریاد نہیں کر سکتا کہ جناب میں اتنا قابل ہوں لیکن عوام مجھے ووٹ نہیں دیتے۔

ایسے مراحل میں کرنے کا کام ہے، عوام کی فکری سطح ہموار و بلند کرنا اور ان کی صحیح تربیت ہے جس کے بعد لوگ اپنی دینی ذمہ داری ادا کرتے وقت (نماز ادا کرنے کے لیے) واقعی عادل افراد پیدا کریں، ان سے ارادت رکھیں۔ با خلوص اور صحیح جذبے سے امیدوار کو ووٹ دیں۔ اس کے بعد بھی اگر رائے بدل دیں، ارادت چھوڑ دیں اور بلاوجہ کسی دوسرے کے پیچھے چل کھڑے ہوں تو افسوس کی جگہ ہے۔ جبر و زور کا دخل بیکار ہے۔

کنبہ کا فرض بھی بالکل مذہبی فریضے اور معاشرتی ذمہ داری جیسا ہے۔ لہٰذا اچھی بات یہی ہے کہ ہم مان لیں کہ اسلام، گھریلو زندگی کو ایک فطری معاشرہ مانتا ہے، اور اس فطری اجتماع کو خاص تکنیکی عمل سمجھتا ہے۔ اس تکنیک کی نگہداشت ضروری اور اس سے انحراف کو غلط قرار دیتا ہے۔

اسلام کا بڑا معجزہ یہ ہے کہ اس نے اس تکنیک کی نشان دہی کی جب کہ مغرب آج تک

گھریلو مشکلات پر قابو نہ پا سکا بلکہ نئے دن مشکلات میں اضافہ کر رہا ہے۔ جس کا سبب فطری تکنیک سے غفلت ہے۔ البتہ خوش قسمتی کی بات ہے علمی تحقیقات آہستہ آہستہ یہ راستہ روشن کر رہے ہیں۔ ہم چمکتے سورج کی طرح دیکھ رہا ہوں، مغربی دنیا علم کی روشنی میں، اسلام کے اصول اپنے گھریلو نظام میں قبول کریں گے۔ ہم اسلام کے نورانی تعلیمات اور مستحکم اصول کو عوام کے ان رویوں سے ہم آہنگ نہیں مانتا جنہیں وہ اسلام کے نام سے اپناتے ہیں۔

گھریلو زندگی کو استوار کرنے والی چیز مساوات سے بھی اہم ہے۔

آج کی دنیا میں اہل مغرب جس کا شیدا ہونے کا دعوی کرتے ہیں وہ ہے "مساوات"۔ چودہ سو برس پہلے اسلام نے "مساوات" کے اس مسئلے کو جس طرح حل کیا ہے یہ لوگ اس سے غافل ہیں، فطرت نے فقط شہری معاشرے میں مساوات کا قانون وضع کیا ہے۔ لیکن گھریلو معاشرے میں مساوات کے علاوہ بھی قانون وضع کیے ہیں۔ اکیلی "مساوات" گھریلو تعلقات منظم کرنے کے لیے کافی نہیں، خاندانی معاشرے میں فطرت کے دوسرے قوانین کو بھی معلوم کرنا چاہیے۔

فساد میں مساوات

افسوس ہے کہ مساوات برابری کی تکرار اور اس کی تعلیم نے اپنی اصل خوبی و خصوصیت سے ہاتھ دھو لیا ہے بہت کم سوچا جاتا ہے کہ برابری سے مراد حقوق میں برابری ہے۔ عام خیال کے مطابق بس یہ کافی ہے کہ "مساوات" کا مفہوم جہاں بھی صادق آگیا، بات پوری ہوگئی۔ ان بے خبر لوگوں کے خیال میں، ماضی میں مرد، عورت سے جھوٹ بولتے تھے۔ آج کل عورتیں، مردوں سے جھوٹ بولتی ہیں، لہذا سب کچھ ٹھیک ہوگیا۔ کیونکہ جھوٹ بولنے میں مساوات قائم ہوگئی۔ ماضی میں دس فیصد شادیاں مردوں کے ہاتھوں طلاق تک پہنچتی تھیں۔ اب دنیا کے بعض حصوں میں چالیس فیصد طلاق دی جا رہی ہے، ان میں بیس فیصد عورتوں کی طرف سے ہیں لہذا جشن منایا جائے کہ مکمل مساوات قائم ہوگئی۔ گذشتہ زمانے میں مرد پاک دامن و پرہیزگار نہیں تھے۔ آج سے عورتیں بھی خیانت کار ہوگئیں وہ بھی پاک دامنی و پرہیزگاری

چھوڑ بیٹھیں، اس سے بہتر کیا ہوسکتا ہے؟ ــ مساوات زندہ باد ــ فرق مدارج مردہ باد ــ پہلے زمانے میں مرد بے رحمی و سنگی کا مظاہرہ کرتے تھے، مرد، دل نواز بچوں کا باپ ہوتے ہوئے بیوی بچوں کو چھوڑ کر نئی نئی معشوقہ تلاش کرتے پھرتے تھے، آج دیرینہ پیوند بیویاں برسوں کی گھریلو زندگی اور کئی چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ چھاڑ، مجلس رقص میں ایک مرد کی آشنائی کرکے انتہائی قساوت و بے رحمی سے گھر اور آشیانے کو چھوڑ کر، ہوس رانی کے پیچھے روانہ ہوجاتی ہیں ــ واہ، واہ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے، میاں بیوی ایک ترازو میں آگئے برابری قائم ہوگئی ۔

یہ ہے ــ دوا کے بجائے معاشرے کے بے شمار دردوں میں اضافہ ـ میاں بیوی کے نقائص کی اصلاح اور کنبہ کی مرکزیت کو استوار کرنے کے بجائے آئے دن اسے کمزور اور متزلزل کرنے کی فکر میں رقص اور ناچ کہ شکر ہے ـ کچھ تو مساوات کی طرف بڑھ رہے ہیں ـ بلکہ آہستہ آہستہ بیویاں، فساد و انحراف و بے رحمی میں مردوں سے آگے جارہی ہیں ۔

● ● ●

اب واضح ہوگیا کہ اسلام نے طلاق کو مبغوض اور قابل نفرت قرار دینے کے باوجود اس کے سامنے قانونی رکاوٹ کیوں نہ کھڑی کی ـ یہ معلوم ہوگیا کہ "حلال مبغوض" کسے کہتے ہیں، اور ایک چیز حلال ہونے کے باوجود بے حد قابل نفرت و دشمنی کیسے ہوسکتی ہے ۔

۵ عقد ازدواج

شہید مطہری، فقیہ و فلسفی ہیں، ان کی بحث، قانون مملکت اور قانون اسلام دونوں سے مربوط ہے اس لیے عام قاری کو پہلی نظر میں مطلب تک پہنچنے میں بہت سوچنا پڑے گا۔ مثلاً: "عقد ازدواج عقود لازمہ میں سے ہے۔" — "عقد ازدواج طبیعتاً لازم ہے" اس بات کو سمجھنے کے لیے عقد کے اصطلاحی معنی اور منطق یا فلسفۂ قانون اسلام میں "لازم و لزوم" کے معنی سمجھنا ہوں گے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

عقد: بندھن، گرہ۔ (فلسفہ کی اصطلاح میں) اطراف جسم کا جمع ہونا۔ اصطلاح فقہ میں یہ اصطلاح۔ باب معاملات و نکاح۔ میں استعمال ہوتی ہے، جس کے مطلب ہیں: ایجاب و قبول یا شرعی طور پر معتبر خاص رابطہ۔ بیع، ہبہ، وقف، نکاح جیسے امور میں ایک شخص معین قانونی کلمہ یا کلمات ادا کرتا ہے دوسرا شخص اسے قبول کا اظہار کرنے والے کلمات زبان سے کہتا ہے۔ اس کے بعد عقد قائم ہو جاتا ہے۔ مثلاً عقد ازدواج و نکاح میں عورت یا اس کا وکیل کہے "زوّجت . . . ." مرد یا اس کا وکیل کہے "قبلتُ . . . ." وغیرہ یہ عقد صحیح و شرعی ہے۔ اس کے بعد کچھ حقوق و فرائض، کچھ آزادیاں کچھ پابندیاں ان دونوں عقد کرنے والوں پر عائد ہو جاتی ہیں۔ ایجاب و قبول کرنے والے "متعاقدین" کہے جاتے ہیں۔

عقد کے بعد منطقی لحاظ سے متعاقدین کے درمیان عقد "التزام" کی صورت رکھتا ہے؟ اس میں بحث ہے۔ کچھ لوگ۔ ایک چیز کے متعلق میں متعاقدین کے عقد کو التزام مانتے ہیں یعنی لزوم و التزام نہیں مانتے۔ بحث کی بنیاد یہ ہے کہ عقد مقولۂ فعل ہے اور۔ التزام مقولۂ اضافت۔ جو حضرات ان میں التزام مانتے ہیں وہ عقد کرنے والے دونوں افراد کے درمیان عقد معاہدے کو مقولات کی بحث سے الگ کرتے اور "لزوم" پر اصرار کرتے ہیں۔ اور جو حضرات لزوم کا انکار کرتے ہیں وہ ایجاب و قبول کی تکنیک اور اس سے دو مفہوم حقیقی و منطقی کا اثبات کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لفظ کے تین مدلول (معنی یا مفہوم) ہوتے ہیں۔ مطابقی، تضمنی اور التزامی عقد سے مراد ہے وہ ایجاب جو قبول سے مربوط ہے۔ اور جہاں ایجاب قبول سے مربوط ہو، وہاں

...باب مراد ہے یا مبادلہ۔ لہٰذا، تعہد (نگہداشت و پابندی) اور التزام کا ربط نہیں رہتا۔ ہاں
...زام عقد کے احکام میں ہو سکتا ہے۔ عوارض میں ہو سکتا ہے مگر لزوم نہیں ہو سکتا یعنی متعاقدین
...ے عقد سے نہ اس کا تعلق جزء جیسا نہ اس کی جدائی محال ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے کتب استدلالی
...نیز۔ ڈاکٹر سید جعفر سجادی کی کتاب "فرہنگ معارف اسلامی" جلد سوم حرف ع ق د —
...بع تہران - ایران۔

[?] دیکھیے، حضرت مرجع اعظم، آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی مدظلہ العالی "تحریر الوسیلہ" جزء
ثانی، ص ۲۹۴ کتاب الطلاق، القول فی الصیغۃ۔

طلاق

(کوششِ صلح کے پس منظر میں)

(۴)

سابقہ بحث سے معلوم ہو چکا کہ اسلام طلاق اور کنبہ کے شیرازہ بکھرنے کا مخالف اور دشمن ہے۔ اسلام نے شیرازۂ خاندان کی حفاظت کے بارے میں اخلاقی و معاشرتی بخشش بندیاں کی ہیں اس نے طلاق کو وقوع پذیر ہونے سے روکنے کی خاطر متعدد وسائل سے کام لیا ہے صرف جبر اور قانون کا ہتھیار استعمال نہیں کیا۔

قوت اور قانون کے اسلحہ کے زور سے شوہر کو طلاق سے روکا اور بیوی کو قانوناً کے جبر سے شوہر کے گھر میں رکھا جائے۔ اسلام اس کا مخالف ہے۔ اس کے نزدیک گھریلو ماحول میں یہ اقدام عورت کے درجے کے شایان شان نہیں ہے، وہ گھریلو زندگی کی بنیادی رکن اور جذبات و احساسات کا سرچشمہ ہے۔ جس شخصیت کو رشتۂ ازدواج کے نرم و حسین جذبات جذب کر کے، مہر و محبت کے بادل اولاد پر برسانا ہیں وہ عورت ہے۔ شوہر کی سرد مہری، اس کے شعلہ محبت کا بجھنا، اس کے زوجہ سے متعلق جذبات کا خاتمہ گھریلو فضا سے گرمی اور روشنی کو ختم کر دیتا ہے۔ بات یہاں تک ہے کہ ماں کے مادرانہ احساسات اولاد کے بارے میں اس سے زیادہ ہوتے ہیں جتنے جذبات شوہر کے اس سے وابستہ ہوتے ہیں" بیٹرس مار بو" کی رائے ہم گذشتہ مضمون میں لکھ چکے ہیں، ان کے بقول مادرانہ جذبات غریزہ و فطرت نہیں ہیں۔ یعنی، ماں بہر حال غیر زوال پذیر جذباتِ محبت یا کم

نہ ہونے والی ممتا اپنے بچوں کو دیتی رہے۔ بلکہ اس کے مادرانہ جذبات بڑی حد تک شوہر کی توجہ سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ بیوی کا وجود شوہر کی ذات سے جذبات و احساسات کا تاثر لیتا، اور اس کے نتائج اپنے سرچشمۂ فیض سے اولاد کے حوالے کرتا ہے۔

مرد کوہسار اور عورت جوئبار اور اولاد سبزہ و گل جیسے ہیں۔ چشمہ و جوئبار پہاڑ پر بارش ہوتی ہے وہ بارش کا پانی جذب کرکے، صاف و شفاف کرکے چشموں اور جوئباروں کے حوالے کرتے ہیں یہ چشمے سبزہ زاروں کو شادابی بخشتے ہیں، بارش نہ ہو، یا پہاڑ پانی جذب کرنے اور مصفا کرکے چشموں تک پہنچانے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں تو چشمہ خشک اور گل بوٹے مرجھا جائیں گے۔

جیسے بارش خصوصاً پہاڑوں کی بارش دشت و صحرا کی زندگی کی جان ہے۔ گھریلو زندگی کی جان بھی شوہر کے محبتانہ جذبات اور بیوی کے ساتھ پیار کی رفتار ہے۔ اس سے بیوی بچوں کی زندگی میں چمک دمک، شفافیت اور خوشیوں کی لہر دوڑتی ہے۔

جب شوہر کے اپنی زوجہ سے جذبات الفت و محبت کی منزل و تاثیر یہ ہے اور کنبہ کی زندگی بلکہ روح پر اثر اتنا ہے تو پھر قانون کے اسلحہ اور ضابطے کے تازیانے سے مرد کو قابل استفادہ کیسے بنایا جاسکتا ہے۔

اسلام، غیر شریفانہ طلاق کا سخت مخالف ہے۔ یعنی ایک مرد پیمانِ رشتۂ ازدواج پر دستخط کرنے کے بعد، کبھی تو کچھ مدت تک رفیق حیات رہنے کے بعد، ایک نو بیاہتا دولھن کے شوق میں پرانی بیوی کو چھوڑنے کا عمل ناپسند کرتا ہے۔ لیکن اسلام کی یہ رائے بھی نہیں ہے کہ اس ناجواں مرد کو پہلی بیوی کے گھر میں رکھنے پر مجبور کیا جائے کیونکہ یہ نگہداشت عائلی زندگی فطرت کا قانون سے مختلف شے ہے۔

اگر زوجہ قانون کے زور اور پولیس کی مدد سے شوہر کے گھر میں واپس آجائے تو کنبہ

عاشق لاتو نافذ کرسکتی ہے۔ اس گھر کی ملکہ نہیں رہ سکتی۔ وہ شوہر سے جذبات لے کر جذب کرنے اور اولاد تک پہنچانے کا وسیلہ نہیں بن سکتی وہ اپنے وجدان کی اس ضرورت کو پورا نہیں کر سکتی جو محبت و توجہ شوہر سے عبارت ہے پھر وہ اپنے وجدان کو سیراب و مطمئن کیونکر رکھے گی۔

اسلام نے کوششیں کی ہیں کہ ناجوانمردی اور غیر شریفانہ طلاقوں کا خاتمہ ہو جائے اور "مرد" شریفانہ انداز میں اپنی بیویوں سے سلوک رکھیں اور ان کو برداشت کریں لیکن اسلام یہ نہیں چاہتا کہ قانون ساز کی حیثیت سے۔ بیوی پر جسے وہ مرکز شیرازہ بندی خاندان، اور وسیلہ حصول و تقسیم جذبات جانتا ہے زور و جبر کے ذریعے غیر شریف شوہر کے ساتھ باندھے رکھے۔

اسلام نے جو کچھ کیا ہے وہ مغرب اور مغرب پرستوں کے خلاف کیا ہے، مقابل کا نقطہ اسلام نے غیر شریفانہ رویے کے اسباب بے وفائی اور ہوس رانی سے جنگ کی اور اس پر تیار نہ ہوا کہ بیوی کو غیر شریفانہ مزاج اور بے وفا شوہر کے سر منڈھ دے۔ جبکہ مغرب اور مغرب پرست ایک طرف غیر شریفانہ عوامل کو ہر لحظہ فروغ دے رہے ہیں بے وفائی و ہوس رانی مرد کو بڑھا رہے ہیں۔ اس کے بعد یہ چاہتے ہیں کہ جبر کے ذریعے ہوس راں و بے وفا و غیر شریف شوہر سے بیوی کو اٹکائے رکھیں......

آپ تصدیق کریں گے کہ اسلام نے غیر شریف شوہر کو بیوی کی نگہداشت اور اپنے گھر میں رکھنے پر مجبور نہیں کیا، اس نے دونوں کو آزادی دی اور اپنی تمام کوششیں، روح انسانیت اور شرافت کی بقا پر صرف کی ہیں۔ عملی طور پر اسلام اتنا تو بہر حال کر سکا کہ بہت زیادہ قابل توجہ حد تک طلاقوں میں کمی کر سکے۔ دراں حالیکہ دوسروں نے ان مسائل پر کوئی توجہ نہیں دی اور ہر قسم کی خوش نصیبی و شاد کامی زور اور نیزے کی نوک طلب کی ہیں۔ پھر بھی کامیابیاں بہت کم نصیب ہوئیں۔ ان طلاقوں سے قطع نظر جو باہمی تعلقا

کی خرابی یا دبقول رسالہ نیوز ویک، عورتوں کی لذت اندوزی کی بنا پر واقع ہوتی ہیں۔ فقط مردوں کی ہوس رانی کی بنا پر ہمارے یہاں دی جانے والی طلاقوں سے مغرب میں مردوں کی طرف سے دی جانے والی طلاقوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔

گھریلو صلح کا مزاج ہر قسم کی صلح سے جدا ہے

یقیناً، میاں بیوی میں، صلح، صفائی برقرار رہنا چاہیئے مگر ایسی صلح وصفائی جو ان کے باہمی رشتے پر حکمراں ہو۔ یہ صلح وصفائی اس صلح وہم آہنگی سے مختلف ہے جو دو شریک کار، دو ہمسایے، دو پڑوسی حکومتیں اور دو ہم سرحد سلطنتوں میں کار فرما ہوتی ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔

میاں بیوی کی زندگی میں صلح صفائی کا مقابلہ کرنا ہو تو اس ہم آہنگی ولطافت سے کریں جو ماں باپ اور اولاد میں ہوتی ہے، جس کو جان نثاری و درگذر کے ہم پلہ کہا جاتا ہے وہ ربط جو ایک دوسرے کے مقدر سے ہو، جو دوئی کی دیوار گرا دے۔ ایک کی خوشی دوسرے کی خوشی بن جائے اور ایک کی پریشانی دوسرے کی پریشانی ہو۔ برخلاف اس اتفاق و دوستی کے دو ہم کار، دو شریک یا دو ہم سایوں یا دو پڑوسی ملکوں میں ہوتی ہے۔

اس قسم کی صلح کا مطلب ہوتا ہے ایک دوسرے کے حقوق میں عدم مداخلت بلکہ دو متحارب حکومتوں میں "مسلح صلح" بھی ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ تیسری قوت مداخلت کرے اور دونوں کی سرحدی لائن پر قبضہ کرلے۔ اور دونوں حکومتوں کو جنگ روکنے کا حکم دے نتیجے میں دونوں میں صلح ہو جاتی، کیونکہ سیاسی صلح کے معنی صرف عدم تصادم کے ہیں۔

گھر کی صلح سیاسی صلح سے مختلف ہے۔ گھریلو صلح میں فقط ایک دوسرے کے حقوق پر دست درازی سے باز رہنا کافی نہیں ہے۔ گھریلو صلح میں "صلح مسلح" سے کام نہیں بنتا یہاں اس سے بڑھ کر اور کسی اہم ترین اساسی بات کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی: اتحاد،

یگانگت، دل وجان کا گھل مل جانا جیسے باپ اور اولاد کی صلح وصفائی میں ہوتا ہے۔ گھر دیے بیچنے کے علاوہ کوئی بڑا مرحلہ۔ افسوس ہے کہ مغرب، تاریخی اسباب، ممکن ہے جغرافیائی عوامل کی بنا پر گھریلو جذبات سے بے بہرہ ہے حتیٰ کہ گھری فضا کے اندر بھی، وہاں، گھر کی صلح، سیاسی یا معاشرتی صلح سے جدا نہیں سمجھی جاتی۔ یورپ کے عوام جس طرح دو ملکوں کی سرحدوں پر صلح برقرار رکھتے ہیں اسی انداز سے عدالتی "قوت" کے ذریعے میاں بیوی کی سرحدات زندگی میں صلح "قائم" رکھنا چاہتے ہیں۔ انھیں یہ نہیں معلوم کہ زن و شوہر کی سرحدات زندگانی میں "سرحد" کا خاتمہ ہی بنیاد حیات ہے۔ وحدت اور "سیری" قوت کو یگانہ سمجھنے کا احساس۔

مغرب پرست "اہل یورپ" کو ان کی غلط فہمیاں بتانے، ان کو گھریلو مسائل، اپنے فخر کی باتیں سمجھانے کے بجائے، خود ان کے رنگ میں رنگنے کا وہ جنون مول لے چکے ہیں کہ سر اور پیر کا فرق یاد نہ رہا۔ لیکن یہ خود فراموشی دیر تک رہنے والی نہیں ہے، جس دن بھی مشرق نے اپنی شخصیت دریافت کرلی، جس دن بھی مغرب کا جوا اتار پھینکا، جس دن بھی آزادی کی فکر اور آزاد فلسفۂ زندگی پر بھروسہ کرلیا اسی دن یہ عیب دور ہو جائیں گے اور وہ دن قریب ہیں۔

یہاں دو باتوں کا تذکرہ ضروری ہے:

اسلام، طلاق سے باز رکھنے والی ہر تجویز کا خیر مقدم کرتا ہے۔

(ا) ممکن ہے، کچھ حضرات ہماری گذشتہ گفتگو سے یہ نتیجہ حاصل کریں کہ ہم شوہر پر طلاق کے سلسلے میں کسی رکاوٹ کے قائل وخواہشمند نہیں ہیں۔ مرد جب طلاق دینا چاہے ہر راستہ اس کے واسطے کھلا ہو۔ نہیں۔ ایسا کوئی خیال نہیں، ہم نے اسلام کے نقطۂ نظر کی توضیح میں صرف یہ بتایا ہے کہ شوہر کے سامنے قانون کا جبر رکاوٹ بنا کر فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسلام، شوہر کو طلاق

سے باز رکھنے کے لیے جو بات بھی کی جائے اس کا خیر مقدم کرتا ہے۔ اسلام نے سوچ سمجھ کر طلاق کے لیے ایسے شرائط اور ضابطے وضع کیے ہیں جو طبعی طور سے طلاق کو التوا میں ڈال کر شوہر کو اس سے موڑ دینے والے ہیں۔

اسلام نے ایک طرف صیغۂ طلاق دو گواہ کی شرط رکھی، اور نصیحت کی ہے کہ طلاق دینے والے کو طلاق سے باز رکھیں۔ دوسری طرف دو عادل گواہوں کے بغیر طلاق کو باطل قرار دیا، یعنی ان دو آدمیوں کو جن کے سامنے طلاق دے گا انھیں عدالت و تقویٰ کے ساتھ پوری سعی و کوشش کرنا ہے کہ میاں بیوی میں صلح وصفائی کرادیں۔

آج کل، طلاق دینے والا ایسے دو عادل گواہوں کے سامنے طلاق جاری کرتا ہے جنھوں نے میاں بیوی کو نہ دیکھا بھالا نہ جانا پہچانا، ان کے سامنے تو فقط دونوں کے نام لیے گئے ہیں۔ یہ بات ایسی ہے جو بجائے خود کچھ بھی ہو اسلام کے نظریے اور مقصد سے الگ ہے۔ ہمارے یہاں رسم ہے، طلاق دینے والے دو عادل ڈھونڈھ لیتے ہیں اور ان کو بٹھا کر میاں بیوی کا نام لے کر صیغۂ طلاق جاری کر دیتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں:

شوہر، احمد اور بیوی، فاطمہ، میں نے شوہر کی وکالت میں ان کی بیوی کو طلاق دی۔ احمد کون صاحب ہیں اور فاطمہ نامی خاتون کی تعریف کیا ہے؟ کیا دونوں عادل حضرات جو بطور گواہ موجود، اور صیغۂ طلاق سن رہے ہیں، ان دونوں کو دیکھ چکے ہیں؟ اگر کسی دن، شہادت طلب کرنے کا موقع آجائے اور ان سے گواہی کی تفصیل مانگی جائے تو کیا وہ بتا سکیں گے کہ، ہاں، ہمارے سامنے انھیں دو افراد کے درمیان طلاق واقع ہوئی ہے؟ یقیناً، وہ یہ بات نہیں کہہ سکتے۔ اب یہ گواہی کس قسم کی گواہی ہے، مجھے نہیں معلوم۔

بہرحال شوہروں کو دو عادل گواہوں کی فراہمی طلاق سے باز رکھنے کا ایک سبب ہے، بشرطیکہ یہ عمل صحیح طور پر انجام دیا جائے۔ اسلام نے ازدواج یعنی پیمان کے آغاز میں دو عادلوں کی حاضری کی شرط نہیں رکھی۔ وہ کارِ خیر میں تاخیر نہیں چاہتا۔ مگر طلاق، جو آخری عمل

ہے دو عادلوں کی حاضری پر موقوف کرتا اور شرط قرار دیتا ہے۔

اسلام نکاح کے وقت ماہواری آنے کو عقد میں رکاوٹ نہیں قرار دیتا، باوجودیکہ ہمیں معلوم ہے کہ ماہواری کے زمانے میں میاں بیوی جنسی عمل نہیں کر سکتے اور اس بات کا تعلق شادی سے ہے طلاق سے نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں تو جدائی کا مرحلہ ہے اس کے بعد دونوں کا آپس میں کوئی رشتہ ہی نہ رہے گا۔ قاعدے کے مطابق صیغہ نکاح ماہواری کے زمانے میں جاری ہونے بلکہ جائز نہ ہونے کی ضرورت تھی کیونکہ دونوں کا پہلی مرتبہ یکجا ہونے کا مرحلہ ہوتا ہے اور ممکن ہوتا ہے کہ وقت عادت کا خیال نہ کریں۔ بخلاف طلاق کے جو علیحدگی کا وقت ہے اس میں ماہواری کی عادت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن اسلام چونکہ "وصل" کا حامی اور "فصل" و فراق کا مخالف ہے اس لیے زمانۂ عادت کو مانع صحت طلاق قرار دیتا ہے اور مانع صحت عقد نہیں مانتا، بلکہ بعض مقامات پر تو تین مہینے تک "تربّص" کو واجب قرار دیتا ہے اس کے بعد صیغہ طلاق جاری کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔

صاف سی بات ہے ان سب رکاوٹوں کے پیدا کرنے کا مقصد یہی ہے اتنی مدت میں ان اذیتوں، اور غیظ و غضب کا زور ٹوٹ جائے جن کی وجہ سے طلاق پر آمادگی تھی، اور دونوں میاں بیوی مفاہمت پر تیار ہوں اور پہلی جیسی زندگی گذارنے لگیں۔

مزید براں، مرد کی ناپسندیدگی کی بنا پر طلاق واقع بھی ہو جائے جب بھی "عدے" کے نام سے دوبارہ مہلت دی گئی ہے کہ وہ فیصلہ واپس لے اور بیوی کو دوبارہ آباد کرلے۔

شادی اور عدہ، نیز اولاد کی نگہداشت کی صورت میں اخراجات شوہر کو ادا کرنے کا ضابطہ بجائے خود شوہر کے لیے عملی رکاوٹ ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص طلاق اور نئی شادی کی فکر میں ہے تو اسے پہلے تو زوجۂ اولی کے عدے کا "نفقہ" دینا ہوگا پھر بچے اس کے پاس رکھتا ہوں تو بچوں کے اخراجات ادا کرنا پڑیں گے۔ اس کے بعد نئی بیوی کا مہر اور اس کی زندگی کے اخراجات، اس کے یہاں ہونے والے بچے اور ان کے

خراجات کے لیے تیاری کرنا ہوگی۔

ان سب باتوں کے علاوہ بے ماں کے بچوں کی ذمہ داری، ایسا بھیانک مستقبل سامنے لاتی ہے کہ آدمی خود بخود اپنے ارادہ طلاق کے سامنے ایک دیوار دیکھتا ہے۔

ان باتوں سے بڑھ کر، چونکہ اسلام سمجھتا تھا کہ خاندان کا رشتہ اب بھی درہم برہم ہوسکتا ہے لہٰذا ایک گھریلو کچہری اور فیصلہ کن حاکم کا ضابطہ بنایا یعنی ایک بیوی کا نمائندہ ایک شوہر کا نمائندہ لینے اپنے موکلوں سے حق فیصلہ لے کر ایک جگہ بیٹھیں اور ان کے جھگڑے کا فیصلہ کرکے دونوں میں صلح صفائی کرائیں۔

دونوں منصب انتہائی کوشش کریں گے اور دونوں کے گلے شکوے ختم کریں گے۔ سب کچھ کرنے کے بعد بھی اگر صلح صفائی نہ ہوسکے اور طلاق ہی بہترین حل نکلے تو بہرحال دونوں کو الگ کردیں۔ یہاں بھی ان آدمیوں کا ہونا بہتر ہے جن کا تعلق دونوں کے گھروں سے ہو، سورۂ النساء کی آیت نمبر ۳۵ کے الفاظ یہ ہیں:

وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکماً من اهله وحکما من اهلها۔ ان یرید ا اصلاحاً یوفق الله بینهما ان الله کان علیماً خبیرا

اور اگر تم کو دونوں میں جدائی کا ڈر ہو تو ایک منصف شوہر کے خاندان۔ اور ایک منصف زوجہ کے خاندان کی طرف سے مقرر کرو۔ اگر دونوں منصف اصلاح احوال چاہیں۔ اللہ ان دونوں میں موافقت واتحاد پیدا کرے گا۔ بے شک اللہ علیم وخبیر ہے۔

صاحب تفسیر کشاف نے "حکم" کی تفسیر میں لکھا ہے:

ای رجلا مقنعا رضیا یصلح لحکومة العدل والاصلاح بینهما۔

یعنی جو شخص ثالث و منصف منتخب کیا جائے وہ معتمد ہو، اس کی بات قابل قبول اور گفتگو مضبوط و بادلیل ہو، اصلاح احوال اور عادلانہ فیصلے کے لائق اور پسندیدہ آدمی ہو۔

اس کے بعد لکھا ہے۔ پہلے مرحلے میں دونوں منصفوں کو میاں بیوی کے خاندان سے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایسے افراد چونکہ دونوں کے نزدیکی اور باہمی قضیوں سے زیادہ باخبر ہوتے ہیں اور رشتے داری کی وجہ سے اجنبی کے مقابلے میں زیادہ اصلاح کرنے کے امکانات رکھتے ہیں۔ نیز میاں بیوی اپنے دل کی بات غیروں کے بجائے اپنوں سے زیادہ کہہ سکتے ہیں، وہ اپنے راز اور خانگی معاملات غیروں سے یوں نہیں کہہ سکتے۔

یہ مسئلہ کہ ثالثی کا تقرر واجب ہے یا مستحب؟ علماء میں اختلاف ہے۔ محققین کے نزدیک یہ حکومت کی ذمہ داری ہے اور واجب ہے۔ شہید ثانی نے "مسالک" میں صاف صاف فتویٰ دیا ہے کہ ثالثی کا مسئلہ جس ترتیب سے بیان کیا گیا۔ واجب و ضروری ہے اور حکام کا فریضہ ہے کہ وہ ہمیشہ یہ ذمہ داری پوری کرتے رہیں۔

سید محمد رشید رضا مؤلف تفسیر "المنار"[1] ثالثی کمیٹی بنانا واجب ہے کہہ کر علماء اسلام کے فتووں میں اختلاف پر روشنی ڈالتے اور بتلاتے ہیں کہ ثالثی واجب یا مستحب ہونے کی بحث عجیب ہے۔

> عملاً اس بات سے مسلمان، اس کے بے انتہا خصوصیات سے فائدہ ہی نہیں اٹھاتے۔ طلاق کا سلسلہ بدستور ہے، نفاق و اختلاف گھروں میں رہتا ہے، نص قرآن، ثالثی کے بارے میں ہوتے ہوئے ذرہ بھر اس کی طرف توجہ

---

[1] تفسیر منار ج ۵ ص ۷۹، ضمن آیت مذکورہ۔

اور اس سے فائدہ اندوزی نہیں کی جاتی، ہاں، علماء اسلام اس کے وجوب و استحباب کے ارد گرد بحث میں سرگرم ضرور رہتے ہیں۔ کوئی یہ کہنے والا نہیں جو ان سے کہے کہ واجب و مستحب کیا، اس حکم کو نافذ کرنے کے سلسلے میں عملی اقدام کیوں نہیں کرتے! بحث مباحثہ ہی پر پورا زور کیوں لگ رہا ہے؟ اگر طے کر لیا ہے کہ اس حکم پر عمل نہ کیا جائے اور لوگ اس کے خصوصیات سے فائدہ نہ اٹھائیں تو واجب یا مستحب ہونے سے کیا فرق پڑ جائے گا؟

شہید ثانی نے ان شرائط کے بارے میں لکھا ہے جو منصفین، میاں بیوی کی مصالحت کے ذیل میں طے کریں:

"مثلاً: منصف حضرات شوہر کو پابند کریں کہ وہ اپنی بیوی کو فلاں شہر یا فلاں گھر میں رہنے کی جگہ دے، یا یہ کہ مثلاً - اپنی ماں یا دوسری بیوی کو اس گھر میں رہنے کی جگہ دے، یا یہ کہ مثلاً - اپنی ماں یا دوسری بیوی کو اس گھر یا اس کے کمرے میں نہ رکھے یا مثلاً، بیوی کا مہر جو واجب الادا ہے اسے ادا کرے۔ یا بیوی سے لیے ہوئے قرضے کو فوراً واپس کرے"

غرض کہ جو اقدام بھی شوہر کو طلاق سے باز رکھنے پر کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کی نظر میں صحیح اور مطلوب ہے۔

بائیسویں مقالے میں سوال تھا۔ کیا معاشرہ یعنی وہ کمیٹی جو عدالت وغیرہ کے نام سے معاشرے کی نمائندہ ہوتی ہے، اس کا حق رکھتی ہے کہ طلاق کے معاملے میں مداخلت کر سکتی ہے؟ اس طلاق کے معاملے میں جو اسلام کی نظر میں قابل نفرت و بغض ہے، ایسا اقدام جو شوہر کو طلاق دینے کے آخری اقدام سے روک دے۔

جواب — یقیناً، وہ ایسا اقدام کر سکتی ہے۔ کیونکہ طلاق کے لیے ہر قسم کے حتمی نسخے حقیقی موت ازدواج کی علامت نہیں ہوا کرتے۔ دوسری لفظوں میں طلاق کے

بارے تمام فیصلے لیے نہیں ہوتے جو شوہر کے شعلہ محبت کی فسردگی کی دلیل کامل ہوں اور یہ ثابت کردیں کہ بیوی اپنے مقام و درجے سے گر گئی اور وہ فطری درجہ کھو بیٹھی جس کی وجہ سے وہ شوہر کے لیے بحیثیت بیوی کے قابل نگہداشت نہ رہی۔ بہت سے فیصلے غصے، غفلت یا غلط فہمی پر مبنی ہوتے ہیں، لہٰذا معاشرہ جس انداز اور جس ذریعے کو عملی اقدام کے لیے پسند کرے اسلام اسے خوش آمدید کہتا ہے۔

ثالثی ادارہ، معاشرے کی نمایندگی کرتے ہوئے، طلاق کی سند یا رجسٹریشن کرنے والے اداروں کو اس وقت تک قانونی توثیق سے روک سکتا ہے۔ جب تک ادارہ صلح کی تدبیروں کو عمل میں لارہا ہو۔ جب ادارہ یہ کہہ دے کہ ہمیں صلح نہ ہونے کا یقین ہوگیا ہے اور میاں بیوی دونوں میں مفاہمت ممکن نہیں ہے، اس کے بعد دفتر اور متعلقہ محکمے اپنی کارروائی شروع کرسکتے ہیں۔

خاندان کے لیے بیوی کی گزشتہ خدمات۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ غیر شریفانہ طلاق، گھر کی مقدس مرکزیت کو نقصان پہنچانے کے علاوہ خود عورت کے لیے بہت سے مشکلات پیدا کرتی ہے جنھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ایک خاتون جو کئی برس تک خلوص و محبت کے ساتھ ایک مرد کے ساتھ اس کے گھر میں اپنے اور اس کے درمیان دوئی چھوڑ کر رہتی اور اس گھر کو آشیانہ سمجھتی ہے۔ اس گھر کو آباد و شاد رکھنے کے لیے اپنی پوری قوت و محنت صرف کرتی ہے۔ اصطلاحِ جدید کی بنا پر شہر کی ترقی پسند خواتین کے علاوہ تمام طور پر خواتین گھر کے کام کاج کرتی اور کھانے، پہننے، گھر کا خرچ چلانے میں دکھ اٹھاتی اور کفایت شعاری سے کام لیتی ہیں، فقط محبت کی خاطر شوہروں کو خادم رکھنے سے ناراض کردیتی ہیں۔ اپنی صحت و سلامتی، جوانی اور طاقت گھر آشیانے اور چھوٹے بڑے بلکہ اپنے شوہر پر نثار کردیتی ہیں۔ فرض کریں، ایسی بیوی کو برسوں ایک ساتھ

زندگی بسر کرنے کے بعد، نئی دولھن کے شوق میں کوئی شوہر طلاق دے مارے، اور اسی گھر میں جسے خوش وخرم رکھنے کی خاطر اس نے اپنی عمر و جوانی وسلامتی و تمناؤں کی دنیا لٹائی تھی اب دوسری بیوی لانا چاہے اور اس سے عیش پرستی وہوس رانی دکھلائے تو بتلیئے ایسے عمل کی ذمہ داری کیا اور کس پر ہے؟

یہاں اس پر بحث نہیں ہے کہ گھریلو زندگی کی مرکزیت درہم برہم ہو رہی ہے، شادی کا رشتہ ٹوٹ رہا ہے۔ جو آپ جواب دیدیں کہ شوہر کی غیر شریفانہ روش شادی کی موت ہے اور غیر شریف آدمی کے سر کسی عورت کا تھوپا جانا، عورت کی فطری منزلت و مقام کے شایان شان نہیں۔

یہاں زیر نظر بات ہے، آوارہ و بے آشیاں ہونے کی، اپنا سجا سجایا بسیرا رقیب کے حوالے کرنے کی، دکھ درد، زحمت و خدمت ضائع ہونے کی بات پر گفتگو ہے۔

شوہر، گھر کی مرکزیت، شعلہ حیات خاندان کا بجھنا، جہنم میں جائے۔ آخر ہر انسان آشیانے اور رین بسیرے کا محتاج ہے، پھر وہ بسیرا جسے اپنے ہاتھوں بنایا اور بسایا اس سے انس خاطر تو ہوتا ہے۔ اگر کوئی پرندہ اپنے بنائے ہوئے گھونسلے سے نکال دیا جائے تو کچھ نہ کچھ مزاحمت تو کرتا ہے۔ کیا عورت کو اتنا بھی حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے گھر اپنے آشیانے کے لیے مزاحمت کرے؟ کیا یہ عمل مرد کی صرف کھلی ستم گری نہیں ہے؟ اسلام نے اس دقت کے لیے کیا حل تجویز کیا ہے؟

ہمارے عقیدے میں تو اس مشکل کی طرف پوری طرح دھیان دینا چاہیے۔ اکثر غیر شریفانہ طلاق سے جو پریشانیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا زاویہ یہی ہے۔ ان مقامات پر طلاق، خاتمہ نکاح نہیں، عورت کی ٹوٹ پھوٹ اور نابودی ہے۔

گذشتہ سوال کے ضمن میں اشارہ ہو چکا ہے کہ گھر یا آشیانے کا مسئلہ طلاق سے جدا ہے، یہ دو الگ الگ باتیں ہیں، ان دونوں کو الگ الگ ہی رکھنا ہوگا۔ اسلام

کے نقطۂ نظر اور اسلامی ضابطوں کے لحاظ سے یہ مسئلہ حل شدہ ہے۔ اس کے باوجود جو مشکلات ہیں وہ اسلامی ضابطوں سے ناواقفیت اور شوہروں کے غلط طریقے سے فائدہ اٹھانے یا بیویوں کی خوش نیتی و وفاداری کے ردّ عمل سے پیدا ہوئے ہیں۔

یہ مصیبت اس وقت شروع ہوئی جب اکثر میاں بیوی یہ سمجھ بیٹھے کہ بیوی اپنے شوہر کے گھر میں جو کام کاج کرتی ہے اور اس کے جو فوائد ہوتے ہیں وہ شوہر سے متعلق ہیں۔ بلکہ گمان یہ کیا جاتا ہے کہ شوہر کا حق ہے کہ بیوی کو لونڈی یا مزدور سمجھ کر حکم دیا کرے اور بیوی پر واجب ہے کہ ان معاملات میں شوہر کی اطاعت کرے۔ درآں حالیکہ میں کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ بیوی کام کاج میں پوری طرح آزاد ہے۔ اور جو کچھ وہ کرے گی وہ خود اپنی ذات کے لیے ہوگا۔ مرد کو ایک مالک کی طرح بیوی کے سامنے آنے کا حق نہیں ہے۔ اسلام نے عورت کو اقتصادی آزادی دی ہے۔ علاوہ اس کے اس کے اور اولاد کے اخراجات شوہر کے ذمہ واجب کیے ہیں۔ بیوی کو اچھی خاصی مہلت دی ہے کہ وہ آبرومند زندگی کے لیے روپیہ پیسہ اور امکانات حاصل کرے کہ اگر طلاق و جدائی کا وقت آپڑے تو شوہر سے بے نیاز اور پریشانی سے آزاد ہو۔ عورت اپنے رہن بسیرے کو رونق دینے کے لیے جو کچھ جمع کرے وہ اپنی سمجھے مرد کو اسے چھیننے کا حق نہیں ہے۔ مذکورہ پریشانیاں اس سماج میں ہوتی ہیں جہاں بیوی کو میاں کے گھر میں بہرحال کام کاج کرنے کا پابند سمجھا جاتا ہے۔ پھر اس کی محنت کے نتائج شوہر کی ملکیت ہیں، بیوی کا اس سے کیا واسطہ۔ فکرمندی عوام کا تعلق ان کی لاعلمی اور قانون اسلام سے بے خبری سے ہے اور کچھ نہیں۔

دوسری وجہ شوہر کا اپنی بیوی اور اس کی وفاداری سے غلط فائدے اٹھانا ہے کچھ خواتین اپنے شوہروں کے یہاں قانون اسلام سے بے خبری کی بنا پر نہیں، صرف شوہروں پر بھروسہ رکھنے کی وجہ سے جاں نثاری کرتی ہیں۔ ان کا دل چاہتا ہے کہ دونوں میں من و تو، اپنا پرایا نہ رہے۔ یہ پیسہ ہمارا ہے ان کا ہے۔ اچھا خیال نہیں

سمجھتیں - لہذا، اسلام کے دیے ہوئے حقوق سے فائدہ اٹھانے کی طرف دھیان نہیں دیتیں۔ اچانک جو آنکھیں کھلتی ہیں تو محسوس کرتی ہیں کہ ایک بے وفا سے محبت کرکے اور جاں فدا کرکے ان مہلتوں سے فائدہ اٹھانے کا وقت ہاتھ سے کھو دیا۔

اس قسم کی خواتین کو شروع سے دھیان دینا چاہیے کہ محبت کا موقع وہ ہے جہاں "دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی" اگر بیوی مال جمع کرنے، دولت اکٹھا کرنے، آشیانہ بنانے، بسیرا سجانے میں اپنا نام نظر انداز کرتی اور اپنا حق شرعی مرد کے لیے چھوڑتی، اپنی قوت مرد کو ہدیہ دیتی ہے تو شوہر کو بھی اسی انداز سے ردّعمل دکھانا چاہیے:

"واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا او ردوھا"

اور جب تمہیں ہدیہ دیا جائے تو تم بھی اس سے اچھا ہدیہ دو یا اسی کو واپس کر دو۔

یعنی اگر بیوی کوئی ہدیہ پیش کرتی ہے تو لے اسی معیار ہی کا سہی کوئی ہدیہ بیوی کو بھی نذر کرنا چاہیے - وفادار شوہروں کا ہمیشہ یہ دستور رہا اور آج بھی ہے کہ بیوی کی مخلصانہ فداکاری کے جواب میں قیمتی ہدیے، مکان یا اثاثہ اپنی بیوی کو نذر کیا کرتے ہیں۔

بہرحال آشیانہ اجڑنے اور بے گھر ہونے کا، قانونِ طلاق سے کوئی تعلق نہیں، قانونِ طلاق کی تبدیلی اس کی اصلاح نہیں کرسکتی، اس مسئلہ کا تعلق عورت کی اقتصادی آزادی سے ہے اور اسلام نے اسے حل کر دیا ہے۔ ہمارے سماج میں یہ مشکل کچھ عورتوں کی اسلامی تعلیمات سے بے خبری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے یا پھر دوسرے گروہ کی غفلت وسادہ لوحی کا نتیجہ ہے۔ خواتین کو اگر معلوم ہو کہ اسلام نے ان کے لیے کیا مواقع انھیں دیے ہیں۔ اور شوہر پر جاں نثاری میں سادہ لوحی کا مظاہرہ نہ کریں تو مشکل خود بخود حل ہو جائے۔

طلاق

(آزادی۔ اور حق)

(۵)

مطالعہ کرنے والے کو یاد ہوگا، ہم نے بائیسویں فصل میں طلاق سے پیدا ہونے والے سماجی مشکلات دو پہلوؤں سے بیان کیے ہیں۔ ایک غیر شریفانہ طلاق کا رخ تو شوہر کی غیر شرافت مندی و غیر انسانی رویہ جو طلاق دلاتا ہے۔ دوسرے، کچھ شوہر کا یہ رویّہ کہ بیوی کو سزا دی جائے وہ غیر شریفانہ طور پر طلاق نہیں دیتے، ان کا مقصد اس زوجہ کے ساتھ اختلافات کی وجہ سے زندگی بسر کرنے کا ہوتا ہی نہیں۔

دو فصل پہلے حصہ اوّل پر بحث ہو چکی، وہاں کہا ہے کہ اسلام ہر قسم کی غیر شریفانہ طلاق کو روکنے والے انتظامات کی حمایت کرتا ہے۔ ایسے طلاق کے لیے خود اسلام نے بھی رکاوٹوں کی تدبیریں کی ہیں۔ اسلام خاندانی تعلقات میں قوت استعمال کرنے اور زور آوری کے ذریعے فائدہ اٹھانے کے خلاف ہے۔

ان معروضات سے واضح ہو گیا کہ اسلام کی نظر میں اسلام ایک "زندہ ادارہ" ہے۔ اسلام کوشش کرتا ہے کہ یہ زندہ موجود اپنی زندگی باقی رکھے، مگر جب یہ زندہ موجود، مر جائے تو اسے افسوس کی نظر سے دیکھتا اور دفن کی اجازت جاری کرتا ہے وہ اس مردے پر قانون کی مومیائی نہیں چڑھانا چاہتا تاکہ وہ حنوط شدہ لاش کو متحرک اور اٹھائے پھرا جائے۔

شوہر کو حقِ طلاق دینے کی علت و وجہ معلوم ہو گئی۔ یعنی میاں بیوی کا رشتہ

یک فطری علاقہ مندی ہے ۔ اس کی خاص ٹکنیک ہے ۔ اس مشینری کو مضبوط بنانے اور
سے بیکار کرنے کی دونوں کنجیاں تخلیق نے مرد کو عطا کی ہیں۔ میاں بیوی دونوں بجائے
خود تخلیق کی بنیاد پر خاص پوزیشن کی مالک ہیں جن کا بدلنا یا بالکل ایک جیسا ہو جانا
ممکن نہیں ہے ۔ یہ خاص وضع اور پوزیشن اپنی باری پر متعدد امور کی علت و
سبب بنتی ہیں ۔ جیسے حق طلاق ۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس معاملے کی علت (خاص
وجہ) میاں بیوی کا خاص کردار ہے ۔ محبت و عشق و رشتہ زن و شوہری ہیں ۔

**حقِ طلاق ۔ مرد کے خاص کردار کا نتیجہ ہے ،
اس کا تعلق عشق سے ہے ، مالکیت سے نہیں ۔**

اس موقع پر آپ مخالفین اسلام کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں ۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ اسلام نے مرد کو حقِ طلاق اس وجہ سے دیا ہے کہ وہ عورت کو ارادہ
و خواہش و آرزو کا مالک نہیں جانتا ، اسلام عورت کو "چیز" سمجھتا ہے "شخص" نہیں
مانتا ۔ اسلام شوہر کو بیوی کا مالک جانتا ہے ، اسے حق دیتا ہے ، جب چاہے اپنے مملوک
کو آزاد کر دے ۔ کیونکہ :

الناس مسلطون علیٰ اموالهم

لوگ اپنے مال کے مالک و مختار ہوتے ہیں ۔

ہماری گفتگو سے معلوم ہو گیا کہ منطقِ اسلام شوہر کی مالکیت اور بیوی کی مملوکیت
پر مبنی نہیں ہے ۔ اسلام کی منطق و اسلام کا فلسفہ ان لکھنے والوں کی فہم سے زیادہ
عمیق اور ان کی ذہنی سطح سے زیادہ بلند ہے ۔ اسلام نے گھر کی تعمیری بنیاد اور
اس ادارے کی اساس ، اس کے نکات اور رموز وحی کے اشاروں سے معلوم کیے
اور ان کا سراغ لگایا ہے ۔ اب چودہ سو برس بعد علم ان کی گہرائیوں کے قریب
پہنچ رہا ہے ۔

طلاق، اس لیے آزادی ہے کہ شادی کی فطری حقیقت "رفاقت" ہے۔

کبھی کبھی یہ کہتے ہیں :۔
طلاق میں آزادی (چھوڑنے) کا انداز کیوں ہے ؟ اسے یقیناً فیصلے کا رنگ ملنا چاہیے !
ان سے کہا جائے :

طلاق آزادی و رہائی اس لیے ہے کہ ازدواج و شادی رفاقت ہے۔ اگر آپ تمام اجناس نر و مادہ سے "جوڑے" کے اس قانونِ فطرت) کو بدل سکیں اور ازدواج (جوڑے پن) کی فطری ساخت کو رفاقت کے قالب سے نکال لیں، اگر آپ سے یہ ہو سکے کہ جنس نر و جنس مادہ کو۔ انسان ہو یا حیوان ۔ ایک کو دوسرے جیسے اثرات دے دیں اور قانونِ فطرت بدل ڈالیں، تو پھر طلاق کو بھی "رہائی" کے قالب سے نکال دیجیے۔

ان عناصر میں سے ایک نے لکھا :

عقدِ ازدواج کو شیعہ فقہا عموماً "عقدِ لازم" شمار کرتے ہیں، بظاہر ایران کا سول لا ۔ قانون مدنی ۔ بھی "عقد لازم" ہی جانتا ہے۔ لیکن میں یہ کہنا چاہوں گا کہ فقہِ اسلامی اور قانونِ مدنیِ ایران کے مطابق عقد نکاح فقط عورت کی جہت سے لازم ہے، مرد کی نسبت سے "جائز عقد" ہے کیونکہ مرد جب چاہے مذکورہ عقد کو ختم کر دے۔"

اس کے بعد فرماتے ہیں :

" عقد ازدواج مرد کی نسبت سے جائز اور عورت کی نسبت سے لازم ہے ایک لاقانونیت کی بات ہے۔ یوں عورت کو مرد کا اسیر و قیدی بنا دیا گیا ہے۔ میں، دفعہ ۱۱۳۳، (قانونِ مدنی کشور شہنشاہی ایران) کے "قانون حق مرد لطلاق"

کا مطالعہ کرتے وقت، ان ایرانی خواتین سے شرمندگی محسوس کرتا ہوں، جو اس اہم صدی میں، چاند اور ڈیماکریسی کے دور میں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھ رہی ہیں وہ اس قانون کے بارے میں کیا کہیں گی!)

پہلے تو یہ حضرات ایک واضح بات نہیں سمجھ سکے۔ طلاق، فسخ نکاح سے مختلف چیز ہے یہ کہنا کہ عقد ازدواج "فطرتاً لازم (بندھن) ہے"۔ یعنی میاں بیوی میں سے کسی کو حق فسخ نہیں۔ چند مقامات مستثنیٰ ہیں۔ اگر عقد نکاح فسخ ہو جائے تو اس کے تمام اثرات بھی ختم ہو جائیں گے۔ مثلاً۔ مہر ختم ہو جائے گا، بیوی کو مہر طلب کرنے کا حق نہ رہے گا یا پھر عدت کے دنوں کا نفقہ نہیں ہوگا۔ طلاق کی صورت اس سے مختلف ہے۔ یہاں زوجیت کا رشتہ ٹوٹنے کے بعد بھی عقد کے اثرات مکمل طور پر ختم نہیں ہوتے۔ اگر کوئی شخص کسی خاتون سے شادی کرے اور فرض کیجیے پانچ سو ہزار روپے مہر طے کرے ایک دن میاں بیوی کی طرح رہ کر طلاق دے دے۔ اسے پورا مہر دینا ہوگا اور عدت کے دنوں کا نفقہ بھی ادا کرنا پڑے گا۔ دوسری صورت یہ دیکھیے کہ مرد عقد کرتا اور میاں بیوی کے عمل سے پہلے بیوی کو طلاق دیتا ہے یہاں آدھا مہر ادا کرنا ہوگا، اور چونکہ اس عورت پر عدہ واجب نہیں لہٰذا نفقہ طبعی طور پر واجب نہ ہوگا۔ تو یہ معلوم ہو گیا کہ طلاق سے نکاح کے تمام اثرات ختم نہیں ہوتے، درآنحالیکہ اگر مذکورہ نکاح فسخ ہو جائے تو بیوی کا حق مہر باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا طلاق اور ہے فسخ اور ہے۔ حق طلاق اور عقد ازدواج کے لازمی ہونے میں کوئی منافات و فرق نہیں ہے۔ اسلام کے پاس دو مدین ہیں۔ ایک فسخ اور دوسری مد طلاق ہے۔ فسخ کا حق وہاں دیا ہے، جہاں کچھ عیب میاں بیوی میں ہوں۔ حق فسخ شوہر کو بھی حاصل ہے، بیوی کو بھی ہے۔ بخلاف حق طلاق کے۔ جب گھریلو زندگی مردہ و بے جان ہو جائے تو صرف مرد کو حق ہے وہ طلاق دے کر اس صورتِ حال کو ختم کر دے۔

اسلام نے طلاق کی حد فسخ سے الگ رکھی ہے اور طلاق کیلئے الگ ضابطے وضع کیے ہیں۔
نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فلسفۂ اسلام میں مرد کو طلاق کا اختیار اس کے لیے کوئی خصوصیت و اعزاز نہیں ہے۔

ان حضرات سے کہنا چاہیے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں۔ اور مصنوعی چاند کے دور سے شرمندہ نہ ہوں، بہتر یہی ہے کہ ذرا سبق لیں۔ فسخ و طلاق کا فرق سمجھ لیں۔ اسلام کے معاشرتی فلسفہ کا ادراک حاصل کریں یہ فلسفہ گہرا بھی ہے اور گھریلو معاشرے کے واسطے مفید بھی ہے اس کی واقفیت سے آپ شرمندگی کے بجائے گردن اٹھا کر ان کے سامنے سے گذر سکیں گے۔ افسوس۔ جہالت، درد لا دوا ہے۔

طلاق کا جرمانہ

دنیا کے کچھ قوانین میں طلاق کو روکنے کی خاطر جرمانہ بھی رکھا گیا ہے۔ آج کی دنیا میں تو ایسے قانون کا مجھے تو علم نہیں مگر روم کی مسیحی شہنشاہی میں، بغیر کسی معقول وجہ کے بیوی کو طلاق دینے کی سزا موجود تھی۔

روشن حقیقت یہی ہے کہ جرمانہ "گھریلو زندگی" کی ہلتی نیو کو مضبوط کرنے میں قانون کے زور سے بھی فائدہ رساں نہیں۔ ہاں، ایک قسم کا فائدہ اندوزی ضروری ہے

اگر حق طلاق بیوی کو تفویض ہو؟

اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ یہاں تک ہماری گفتگو یہی رہی کہ "فطری حق کے طور پر" طلاق کا تعلق شوہر ہی سے ہے۔ رہی یہ بات کہ آیا شوہر مطلق ہیئت اور ہر جگہ ۔ یا خاص صورت میں اپنی طرف سے بیوی کو وکیل بنا کر حق طلاق دے سکتا ہے؟ یہ بات فقہ اسلام بھی منظور کرتی ہے اور "قانون مدنی ایران" میں بھی صاف صاف درج ہے ضمناً، شوہر کو اپنی وکالت بیوی کو دینے کے بعد لے واپس لینے سے روکنے کی خاطر "وکالتِ بلاعزل" کا ضابطہ بھی رکھا ہے۔ عقد لازم میں یہ

وکالت یعنی شرط کے طور پر دی جاتی ہے۔ اس شرط کے بعد بیوی، مطلقاً یعنی ہر وقت اور ہر جگہ یا صرف پہلے سے معین شدہ اور طے کردہ صورتوں میں اپنے تئیں مطلقہ بنا سکتی ہے۔

مدتوں سے یہ قاعدہ چلا آرہا ہے کہ جو بیویاں اپنے شوہروں سے شروع ہی سے متردد ہوتی ہیں وہ "شرط ضمن العقد" کے طور پر حق طلاق محفوظ کر لیتی ہیں اور بوقت ضرورت اس سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔

فقہ اسلام کی رو سے، فطری طور پر حق طلاق تو نہیں رکھتی لیکن معاہدے کے طور پر یعنی "شرطِ ضمنِ عقد" کی صورت میں یہ حق حاصل کرنا ممکن ہے۔

قانون مدنی، دفعہ ۱۱۱۹ ہے:

"عقد ازدواج کے دونوں فریق، ہر وہ شرط طے کر سکتے ہیں جو عقدِ مذکور کے تقاضوں کے خلاف نہ ہو۔ ایسی شرط عقدِ ازدواج یا عقد لازم میں رکھی جا سکتی ہے۔ مثلاً یہ شرط کر لی جائے کہ شوہر جب بھی دوسری شادی کرنا چاہے گا، یا اس مدت کے درمیان غائب ہو جائے گا، یا ترکِ نان و نفقہ کرے گا یا بیوی کے قتل کی تدبیر کرے گا، یا ایسی بدسلوکی سے پیش آئے گا جس سے دونوں کی زندگی ناقابلِ برداشت ہو جائے تو بیوی وکیل در وکیل ہے کہ شرط پوری ہوتے ہی محکمے میں دعویٰ ثابت کرنے کے بعد اپنے تئیں مطلقہ بنا لے"

آپ نے ملاحظہ فرمایا، جو لوگ کہتے ہیں کہ فقہ اسلام اور قانونِ مدنی ایران میں طلاق کو ایک طرفہ حق قرار دیا گیا ہے۔ یہ حق صرف مرد کو حاصل ہے اور بیوی سے بالکل چھین لیا گیا ہے صحیح بات نہیں ہے۔

فقہ اسلامی کے نقطۂ نظر اور قانونِ مدنی ایران کے زاویے سے حق طلاق فطری طور پر نہیں مانا گیا ہے، البتہ ایک معاہداتی اور تفویض شدہ حق موجود ہے

اب وہ منزل آگئی ہے کہ ہم بحث کے دوسرے حصے پر گفتگو شروع کریں یعنی بعض مردوں کا غیر شریفانہ و ظالمانہ انداز سے طلاق نہ دینے کا موضوع ۔ دیکھنا یہ ہے کہ اسلام نے اس مشکل کا حل نکالا ہے ؟ واقعاً کہ بات بہت پریشانی کی ہے ۔ اس مدعا پر گفتگو کا عنوان ہے "عدالتی طلاق" جسے ہم شروع کرنے سے پہلے ناظرین سے معذرت خواہ ہیں کہ پہلے مسئلہ پر بات ذرا لمبی ہو گئی ۔

عدالتی طلاق

عدالتی طلاق یعنی شوہر کے ذریعے کے بغیر قاضی یا جج کے ذریعے جاری ہونے والی طلاق۔

دنیا کے اکثر قوانین میں طلاق کا اختیار قاضی کو حاصل ہے۔ عدالت ہی طلاق دے سکتی ہے وہی زوجیت کی گرہ کھلنے کا فیصلہ کرسکتی ہے۔ اس رائے کے بموجب تمام طلاق عدالتی ہی ہیں۔ ہم گذشتہ مقالات میں روحِ ازدواج اور خاندانی مرکزیت کا مقصد اور گھریلو ماحول میں بیوی کا درجہ بیان کرتے ہوئے مذکورہ بالا رائے کی تردید کرچکے ہیں۔ ہم نے ثابت کیا ہے کہ جو طلاق اپنی فطری راہ سے منزل تک آتے ہیں وہ قاضی سے وابستہ نہیں کیے جاسکتے۔

سردست ہماری بحث یہ ہے کہ کیا اسلام کی نظر میں قاضی سخت و سنگین شرائط و تقاضا و قاضی کے باوجود کسی صورت حال میں طلاق جاری کرنے کا حق نہیں رکھتا؟ یا کیسے خصوصی حالات ہیں جہاں قاضی کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے؟ اگرچہ وہ حالات استثنائی اور بہت ہی کم کیوں نہ ہوں۔

طلاق، مرد کا طبعی حق ہے بشرطیکہ بیوی سے تعلقات کی رفتار فطرت کے مطابق طے ہوں میاں بیوی کی فطری روابط کی رفتار کا تقاضہ اگر باہم زندگی گذارنا ہے تو اس کی بخوبی نگہداشت کرے اور اچھی طرح خیال رکھے، حقوق ادا کرے حسنِ معاشرت و حسن سلوک سے پیش آئے۔ اور اگر بیوی کی رفاقت کا خیال نہیں تو حسن و خوبی سے طلاق دیدے، یعنی بے طلاق اسے نہ چھوڑ دے۔ اور اس وقت بھی حقوق

واجب کے علاوہ ایک اضافی رقم بطور تحفہ لے پیش کرے ۔
قرآن مجید کا حکم یہی ہے :

ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره

(البقرہ / ۲۳۶)

ان کو مال و متاع دو خوش حال شوہر اپنی حیثیت اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق ۔

اس کے ساتھ ہی اس رشتے کے خاتمہ کا اعلان کر دے ۔

ہاں ، اگر طبیعی رفتار سے نہ ہو ، پھر کیا ہوگا ؟ یعنی ، ایک ایسا شوہر پیدا ہو جائے ، جو زندگی بھی ایک ساتھ نہ گذارے حسن سلوک بھی نہ رکھے ۔ اسلام کی پسندیدہ ، خوش نصیب گھرانے کی مرکزیت بھی نہ چاہے اور بیوی کا رشتہ بھی نہ توڑے تاکہ وہ اپنی راہ لے ۔ یوں کہہ لیجئے کہ نہ تو فرائض شوہری پورے کرے اور بیوی کو راضی رکھنے کی کوشش کرے نہ طلاق دینے پر راضی ہو ۔ یہاں کیا کرنا چاہیے ؟

طلاق ، فطری انداز سے ولادت کا عمل ہے ، جو اپنی طبیعی رفتار سے چلتا ہے لیکن شوہر کی طرف سے وہ طلاق جس میں نہ تو شوہر اپنی ذمہ داریاں نباہے ، نہ طلاق پر تیار ہو ۔ ایسا عمل ہے جیسے غیر طبیعی طور بچہ ہونے کا عمل ، جس میں ، سرجن بچے کو شکم سے باہر لائے ۔

کیا بعض شادیاں سرطان ہیں ، بیوی جلتی رہے اور نباہتی جائے ؟

دیکھنا ہے کہ اس طرح کی طلاق اور ایسے شوہروں کے بارے میں اسلام کیا کہتا ہے ؟ کیا اس صورت حال کے باوجود یہی حکم دیتا ہے کہ طلاق کا عمل سو فی صد ، شوہر کے ہاتھ میں ہے ۔ اور جب تک ایسا شوہر طلاق پر راضی نہ ہو ، بیوی جلتی اور نباہتی رہے ۔ اسلام ایک ہاتھ دوسرے

کے ہاتھ میں دے دے دوسرے اس ظالمانہ رویے کو دیکھتا رہے؟

بہت سے حضرات کا خیال یہی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

اسلام کی نظر میں اس مرض کی کوئی دوا نہیں، یہ ایک قسم کا سرطان ہے کبھی کبھی آدمی اس کا مریض ہو جاتا ہے اس کا علاج ہی نہیں ہے۔ بیوی دکھ جھیلے اور ساتھ رہے، آخر چلتے چلتے ٹھنڈی ہو جائے۔

میرے نزدیک یہ طرزِ فکر اصولِ اسلام سے قطعی طور پر متضاد ہے۔ جو دین ہمیشہ عدل کا دم بھرتا، "قیام بقسط" یعنی انصاف کا قیام اپنا نصب العین اور تمام پیغمبروں کا اساسی دستور بتاتا ہو۔

"لقد ارسلنا رسلنا بالبیّنات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم النّاس بالقسط ...." (القرآن الکریم، سورۃ الحدید/۲۵)

ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو اتاری تاکہ وہ لوگوں میں انصاف قائم کریں۔

اس کے بعد کیسے ممکن ہے کہ وہی دین کھلم کھلا ظلم کا علاج نہ کرے، کیا ممکن ہے کہ اسلام اپنے قوانین اس انداز سے وضع کرے جس کا نتیجہ یہ نکلے کہ ایک بے چارہ انسان سرطان کا دکھ جھیلے اور مر جائے؟

افسوس کی بات ہے، کچھ حضرات اقرار کرتے اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ اسلام "دین عدل" ہے، اپنے تئیں "عدلیہ فرقے" میں شمار کرتے ہیں وہ اس طرح کا نظریہ رکھیں! اگر یہ طے کر لیا جائے کہ ظالمانہ قانون کو "سرطان" کا نام دے اسلام کے سر تھوپ دیں تو پھر کیا سرچے ایک اور ستم گرانہ قانون کو "تنفس" اور تیسرے کو "سل" پھر چوتھے قانون کو "اعصابی فالج" جیسے نام دے کر معاف بھی کر دیں اور قبول بھی کر لیں۔

اگر یہی بات ہے تو اصلِ عدل، جو اسلامی قانون سازی کا بنیادی ستون

ہے وہ نہاں برقرار رہے گا۔

کہتے ہیں ۔ سرطان ۔ میں عرض کرتا ہوں بہت اچھا، سرطان سہی تو اگر کوئی بیمار سرطان میں مبتلا ہو جائے کیا اسے اہمیت نہ دی جائے۔ اس کا علاج نہ کیا جائے ؛ فوری اقدامات کے ذریعے بیمار کی جان نہ بچائی جائے۔

ایک خاتون، زندگی بھر کے لیے کسی مرد کے ساتھ رہنے پر تیار ہوتی ہے، اس کے بعد حالات پلٹا کھاتے ہیں، اور معاملہ یہ آپڑتا ہے کہ شوہر اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ اور ازدواجی زندگی کی خاطر نہیں، بلکہ اسے دوسری شادی، اور دوسرے رفیق حیات سے محروم رکھنے کی نیت سے بہ تعبیر قرآن مجید "معلقہ" کی طرح چھوڑ دیتا ہے کہ وہ ہوا میں لٹکی رہے۔ واقعاً ایسی خاتون سرطان کی بیمار ہے۔ مگر یہ سرطان وہ سرطان ہے جس کا بہ آسانی علاج ہو سکتا ہے۔ اور بیمار ایک معمولی سے آپریشن کے بعد قطعی طور پر مکمل شفا حاصل کر سکتا ہے۔ یہ آپریشن اور عمل جراحی حاکمان و قاضیان شرع کر سکتے ہیں، جو خاص شرائط اور کوالیفیکیشن کے مالک ہوں۔

ہم گذشتہ مقالات میں اشارے کر چکے ہیں کہ دو مشکلوں میں سے ایک مشکل وہ ہے جس سے ہمارا معاشرہ دوچار ہے، وہ یہی ہے چند ظالم شوہر طلاق سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ اور اس عمل بد کے لیے دین کا نام لیتے اور ظلم ڈھاتے ہیں، پھر ان ستم ظریفوں پر اضافہ ان کا انداز فکر ہے وہ بھی دین و اسلام کے نام سے کہتے ہیں ؛

۔ عورت کو ظلم، لاعلاج سرطان سمجھ کر برداشت کرنا چاہیے۔ اس سوچ نے ہر اسلام دشمن پروپیگنڈے سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔

باوجودیکہ یہ بحث فنی (فقہی) اور ماہرانہ پہلو رکھتی ہے، پھر ان مقالات کے دائرے سے باہر بھی ہے۔ مگر میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس بارے میں تھوڑی سی گفتگو کرتا چلوں تاکہ بدبین افراد پر یہ روشن ہو جائے کہ اسلام ان باتوں کے علاوہ کچھ اور

سمجھا ہے۔

بند راستے: مسائل ازدواج وطلاق کے بند راستوں کی طرح کچھ اور مقامات بھی ہیں جہاں راہیں بند معلوم ہوتی ہیں مثلاً "مالی مسائل" ہیں۔ تو آئیے دیکھیں "ازدواج وطلاق" کے علاوہ، اور بھی جہاں راستے بند ہیں وہاں اسلام نے کیا کیا ہے؟ کیا اس راستے کو بند ہی رہنے دیا ہے۔ یا اسے راستے کی رکاوٹ نہیں بننے دیا بلکہ کوئی حل نکالا ہے۔

فرض کریں، دو شخص ترکے یا اور طرح سے ایک ناقابل تقسیم چیز کے مالک ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک موتی یا ایک انگوٹھی یا موٹر یا پینٹنگ ـــ دونوں مل کر اس سے فائدہ اٹھانے پر تیار نہیں، کہ ایک مرتبہ ایک لے جائے، دوسری مرتبہ دوسرا استعمال کرے۔ اس پر بھی تیار نہیں کہ ایک آدمی اپنا حصّہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دے۔ اس کے علاوہ بھی کوئی مفاہمت نہیں ہوتی۔ ہمیں معلوم ہے اس چیز سے فائدہ اسی وقت اٹھایا جا سکتا ہے جب دوسرے کی رضا حاصل ہو۔ ایسی جگہ کیا کریں؟ اس مال کو پڑا رہنے دیں کوئی فائدہ نہ اٹھائیں اور موضوع 'ناقابل حل' یا 'ناقابل علاج حادثہ' سمجھ کر اسے چھوڑ دیں یا اسلام نے کوئی حل نکالا ہے؟

درحقیقت، فقہ اسلامی نے ان مسائل کو ناقابل حل مشکل کے طور پر کبھی تسلیم ہی نہیں کیا۔ حقِ مالکیت اور مال پر ایسا قبضہ جو مال کو بے استفادہ بنا دے۔ اسلام، ایسے شخص کا احترام نہیں کرتا۔ اور ایسے تمام مقامات میں جہاں مال کو بے فائدہ بنا دیا جائے فوراً اسلامی عدالت سے مداخلت کی درخواست دی جائے۔ حاکم شرع سے رجوع کے وقت لے معاشرتی مسئلہ سمجھا جائے یا ایک اختلافی مسئلہ سمجھ کر قاضی اجازت دے دے کہ صاحبانِ حقوق کی باہمی چپقلش کے خلاف فیصلہ یہ ہے اور صحیح حل یوں ہوگا۔ مثلاً، زیر بحث مال دونوں مالکوں سے لے کر کرایے

پر دے دیا جائے اور کرایے سے حاصل شدہ رقم ان میں تقسیم کر دی جائے۔ یا وہ مال بیچ کر قیمت، مالکوں میں بانٹ دی جائے۔ بہر حال حاکم یا قاضی شرع کا یہ اغیار "دلیّ ممتنع" کام ہی ہے کہ وہ اس قصے کی صحیح حل تدبیر کرے۔ حاکم شرع کو اصل مالکان کی رضا لینے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

ایسے مقامات پر قانون حق مالکیت کی پرواہ کیوں نہیں کی جاتی؟ اس لئے اسے نظر انداز کیا جاتا ہے کہ یہاں ایک دوسری "اصل" (قانون کلیہ) سے کام لیتے ہیں۔ یعنی اصل یہ ہے کہ مال ضایع ہونے اور قابل استفادہ نہ ہونے سے بچایا جائے۔ مالکیت، اور مالکان مال کے قبضے کی ایک حد تک رعایت کی جائے گی وہ حد یہ ہے کہ مال و دولت منجمد اور بے فائدہ نہ ہونے پائے۔

فرض کریں، وہ مال جس پر اختلاف ہو گیا ہو۔ موتی یا تلوار جیسی چیز، کوئی اس پر تیار نہ ہو کہ اپنا حصہ دوسرے کے ہاتھ بیچ ڈالے۔ دونوں اس پر تیار ہوں کہ اس چیز کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں اور ہر حصہ دار ایک حصہ اٹھا لے، جھگڑا یہاں تک پہنچ جائے کہ مال کی قیمت واہمیت ہی ختم ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ موتی یا تلوار یا موٹر کاٹ دی جائے تو بیکار ہو جائے گی۔ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے؟ نہیں کیوں؟ اس واسطے کہ مال کا ضیاع ہے۔

فقہاء اسلام میں درجۂ اول کے فقیہ، علامہ حلی کہتے ہیں کہ اگر مالک ایسا اقدام کرنا چاہیں تو حاکم اسلام انھیں روکے۔ ارباب دولت و مال کی باہمی موافقت اور ایسے کام پر ان کا سمجھوتہ تسلیم نہیں ہوگا اور انھیں اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

طلاق کا بند راستہ

اب دیکھیں مسئلہ طلاق میں کیا کیا جائے۔ ایک شخص تباہی خاندان کا سر میں سودا لیے ہو۔ اسلام کے عائد کردہ حقوق و فرائض ادا نہ کرنے پر تلا ہو۔ مالی ذمہ داریوں میں نفقہ، اخلاقی

فرائض میں، حسن سلوک، جنسی فرائض میں ساتھ رہن سہن اور ہم خوابی سے عہدہ برآ نہیں ہوتا۔ ایک بھی حق ادا نہ کرے یا کچھ ادا کرے کچھ نہ کرے۔ بہر حال بیوی کو طلاق نہیں دینا چاہتا۔ اب کیا کرنا چاہیے؟ اسلام کی نظر میں مورد کی اہمیت کے لحاظ سے کوئی اصل نافذ ہے جس کی بدولت حاکم یا قاضی شرع مداخلت کا حق رکھتا ہے جیسے مال کے معاملے میں اسے اجازت حاصل تھی۔ یا کوئی ایسی اصل موجود نہیں؟

آیت اللہ حلی کا خیال:

میں اس موقع پر سلسلۂ گفتگو آیت اللہ حلی مقیم نجف کے حوالے کرتا ہوں، موصوف ہمارے عہد کے علماء صفِ اوّل میں ہیں۔ انھوں نے "حقوق الزّوجیہ" نامی رسالے میں اظہار نظر کیا ہے۔ حقوق زوجہ اور مرد کی رکاوٹ پر ان کے نظریے کا خلاصہ یہ ہے:

"ازدواج ایک مقدس پیمان ہے۔ عین اسی وقت دو انسانوں میں شرکت اور دو فریقوں میں معاہدہ و مفاہمت ہے اور دونوں فریقوں کی خوش نصیبی و خوش حالی کی ضمانت بھی ان مفاہمتوں کی پابندی میں ہے پھر ان کی خوش حالی سے معاشرے کی خوش حالی بھی وابستہ ہے۔

"زوجہ کے اہم حقوق ہیں نان و نفقہ و لباس، ہم خوابی و حسن معاشرت و حسنِ اخلاق۔

اگر زوجہ کے حقوق کی ادائگی میں شوہر غفلت کرے اور طلاق بھی نہ دے تو بیوی کا حق کیا ہے؟ وہ شوہر سے کیونکر مقابلہ کرے؟

یہاں دو راہیں ہیں۔ ایک تو حاکم شرع کا حق مداخلت ہے۔ وہ طلاق جاری کر کے قصہ تمام کرے دوسری بات یہ ہے کہ بیوی اپنی ذمہ داریاں ادا نہ کرے اور شوہر سے کیے ہوے معاہدات کی پابندی چھوڑ دے۔

آیات واحادیث

پہلا نکتہ یعنی حاکم شرع کی مداخلت، دیکھنا ہوگا کہ آیا ان مواقع پر کون سی "اصل" اور اس اقدام کو جائز قرار دینے والی وجہ جواز حاکم شرع کے واسطے کیا ہے؟

قرآن، سورۂ بقرہ میں ہے:

الطلاق مرتان، فامساک بمعروف او تسریح باحسان۔ (القرآن۔البقرہ/۲۲۹)

حق طلاق (دو رجوع) دو مرتبہ سے زیادہ نہیں اس کے بعد مناسب انداز میں گھر آباد رکھا جائے یا نیکی کے ساتھ رہائی دی جائے۔

اسی سورۂ بقرہ میں ہے:

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ۔ (القرآن الکریم۔البقرہ/۲۳۱)

اور جب بیویوں کو طلاق دو اور ان کا عدہ تمام ہو جائے تو یا انھیں اچھی طرح آباد رکھو یا اچھے انداز میں ان کا راستہ چھوڑ دو۔ اور انھیں ایذا رسانی کے لیے پابند نہ کرو کہ ستم ڈھاؤ اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ خود اپنے اوپر ستم کرتا ہے۔

ان آیات سے ایک "اصل کلی" کا استفادہ ہوا۔ یعنی ہر شوہر گھریلو زندگی میں دو میں سے ایک رویہ پسند کر لے۔

الف۔ تمام حقوق و فرائض بحسن و خوبی انجام دے۔ امساک بمعروف اچھے انداز میں نگہداشت۔

ب۔ زوجیت کا رشتہ توڑ دے، بیوی کو آزادی دے۔ تسریح باحسان

نیکی کے ساتھ رہا کرنا۔

رہا تیسرا رویہ کہ بیوی کو طلاق نہ دینا، پھر سے آباد نہ رکھنا ربط وضبط توڑ لینا بہ نقطہ نظر اسلام میں وجود نہیں رکھتا۔ "ولا تمسکوھن ضراراً لتعتدوا" (ان کو ضرر دینے کے لیے نہ روکو کہ ان پر ظلم کرسکو) اسی رویے کی نفی کرتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس جملہ کا مفہوم زیادہ عام ہو۔ یعنی ان رویوں کی بھی ممانعت ہے جہاں شوہر عمداً کوتاہیاں کرتا ہے کہ بیوی کی زندگی اجیرن ہوجائے۔ اور ان رویوں کو بھی برا کہا گیا ہے جہاں اگر شوہر جان بوجھ کر تو نقصان وضرر نہ پہنچائے لیکن بیوی کا گھر میں رہنا اور ساتھ رکھنا بیوی کے لیے سراسر زیاں ہو۔

یہ آیات، نازل تو ہوئی ہیں عدہ ورجوع وعدم رجوع شوہر کے بارے میں یعنی مرد کی ذمہ داری واضح کی جارہی ہے کہ طلاق کے بعد بیوی سے رجوع کسی معقول بنیاد پر ہونا چاہیے، رجوع اس لیے ہو کہ اب بیوی کو اچھی طرح رکھے گا۔ رجوع کا مقصد بیوی کی اذیت رسانی نہ ہو۔ مگر مطلب اسی میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ یہ آیات "اصل وکلیہ" بتاتی ہیں۔ اس سے ہر وقت اور ہر حال میں حق زوجہ واضح ہوتا ہے۔ یعنی شوہر مکمل طور پر زندگی میں دو رویوں میں سے ایک کو پسند کرے۔ کوئی تیسرا طریقہ اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

بعض فقہا اسی مقام پر لغزش سے دوچار ہوئے ہیں وہ سمجھ بیٹھے کہ ان آیتوں کا تعلق مردوں سے ہے کہ وہ طلاق رجعی میں رجوع کریں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ آیتیں تمام شوہروں کو بیویوں کے متعلق فرائض کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اس بات پر ہماری دلیل سیاق وسباق آیات کے علاوہ یہ ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام نے موضوع طلاق کے علاوہ بھی ان آیتوں کو استدلال میں پیش کیا ہے —
مثلاً:

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

ایلاء کرنے والا۔ جو شوہر اپنی بیوی سے نزدیکی نہ کرنے کی قسم کھائے۔ چار ماہ بعد جبراً قسم توڑے اور کفارہ دے یا بیوی کو طلاق دے۔ کیونکہ اللہ عزاسمہ نے فرمایا ہے

"امساک بمعروف او تسریح باحسان"

امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور میں مسئلہ عرض کیا گیا کہ فلاں آدمی نے ایک شخص کو اپنا وکیل بنا کر ایک عورت سے مہر طے کر کے نکاح پڑھنے کو کہا اس شخص نے یہ خدمت انجام دی لیکن مؤکل نے اپنی وکالت سے انکار کر دیا۔ امام نے فرمایا: ٹھیک ہے اس خاتون پر کوئی پابندی نہیں ہے وہ اپنے لیے دوسرا شوہر اختیار کرے۔ لیکن اگر اس شخص نے واقعاً وکیل بنایا تھا اور جو عقد ہو وہ وکالت کی بنیاد پر ہوا، تو اس شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنے اور خدا کے درمیان معاملہ صاف کرے اور اس عورت کو طلاق دیدے۔ کیونکہ قرآن میں ہے: فامساک بمعروف وتسریح باحسان" ان روایات سے معلوم ہوا کہ ائمہ طاہرین آیت مذکورہ کو "اصل کلی" سمجھتے تھے اور خاص مورد میں منحصر نہیں جانتے تھے۔

جب شوہر نہ فرائض ادا کرے نہ طلاق دے تو حاکم شرع اسے طلب کرے اور پہلے تو اسے طلاق کا حکم دے اگر وہ طلاق جاری نہ کرے تو خود حاکم شرع طلاق جاری کرے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بروایت ابوبصیر مروی ہے کہ امام نے فرمایا: جو شخص اپنی بیوی کو لباس و نفقہ نہ دے مسلمان کے امام پر واجب ہے کہ ان دونوں کو (طلاق کے ذریعے) الگ کردے۔"

درجۂ اول کے ایک ہم عصر فقیہ کے فرمودات کا یہ خلاصہ آپ نے ملاحظہ فرمایا مزید تفصیلات کے لیے موصوف کے درس کی تقریروں کا مجموعہ "حقوق الزوجیہ" ملاحظہ کریں۔

آپ نے غور کیا۔ "امساک بمعروف او تسریح باحسان"۔ ایک اصل اور قاعدۂ کلی ہے جسے قرآن مجید نے "حقوق زوجیت" دائرہ مقرر کرنے کے لیے وضع کیا ہے، لہٰذا مذکورہ اصل نیز "ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا" کے اضافے سے کوئی حق باقی نہیں رہتا کہ خوف خدا نہ رکھنے والا شوہر اپنے غلط فائدہ اٹھائے۔ یعنی کسی خاتون کو صرف ستانے اور دوسری شادی سے روکنے کی خاطر طلاق دیے بغیر معلّق رکھے اور خود بھی اس سے رشتہ نہ رکھے۔

دوسرے دلائل و شواہد

رسالہ "حقوق الزوجیہ" میں بیان شدہ دلائل کے علاوہ اور بھی شواہد و دلائل سے تائید ہوتی ہے کہ:

امساك بمعروف او تسريح باحسان

اسلام کے نزدیک ایک اصلِ کلّی ہے، اسی کے دائرے میں حقوقِ زوجیت کی نگہداشت ہونا چاہیے۔ اس مفہوم آیت پر جس قدر غور کیا جائے اسی قدر مطلب روشن سے روشن تر اور دینِ مبینِ اسلام کے ضابطے مستحکم ہوتے نظر آئیں گے۔

الکافی، جلد ۵، صفحہ ۵۰۲ پر امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایت ہے حضرت نے فرمایا:

اذا اراد الرّجل ان تزوّج المرأة فليقل: اقررت بالميثاق الذى اخذ الله: امساك بمعروف او تسريح باحسان

جب کوئی آدمی شادی کرنا چاہے تو کہے: اللہ نے جو مجھ سے پیمان لیا ہے میں اس کی تجدید کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بیوی مناسب طریقے

سے رکھوں گا یا نیکی کے ساتھ طلاق دیدوں گا۔

آیت ۲۱، سورۃ النساء میں ہے:

وکیف تاخذونه وقد افضیٰ بعضکم الیٰ بعض و اخذن منکم۔

اور تم بیویوں کو دیے ہوئے مہر زور اور سختی کر کے واپس کیوں لیتے ہو، حالانکہ ایک سے دوسرے کے پاس جا چکا اور دونوں ایک دوسرے سے کام بھی لے چکے، اور بیویوں نے تم سے تو سخت قول وقرار لے لیے ہیں۔

شیعہ اور سنی مفسرین کہتے ہیں "پیمانِ استوار" و "قول وقرار سے مراد امساک بمعروف اور تسریح باحسان ہے، یہی خدا کا پیمان ہے جو مردوں سے لیا گیا ہے۔ یعنی وہ عہد جس کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے تاکید فرمائی کہ شادی کے وقت مرد کو اعتراف واقرار کرنا چاہیے کہ بیوی کی مہذب انداز سے نگہداشت رکھے گا یا حسن وخوبی کے ساتھ چھوڑ دے گا۔

حج وداع کے موقعہ پر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ مشہور جملہ فرمایا جو شیعہ سنی دونوں نقل کرتے چلے آئے ہیں:

اتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذ تموھن باما نۃ اللہ واستحللتم فروجھن بکلمۃ اللہ.....

عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے ان کو بطور امانتِ الٰہی حاصل کیا ان کی عصمت "کلمۃ اللہ" کے ذریعے حلال کی....

ابن اثیر نے کتاب النہایہ میں لکھا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان "کلمۃ اللہ" جس سے عصمتِ خواتین، مردوں پر حلال قرار پاتی ہے، سے مراد

وہ جملہ ہے جو قرآن مجید میں باین الفاظ موجود ہے " امساک بمعروف او تسریح باحسان"
ان خواتین کو دستور کے مطابق اچھی طرح رکھو یا بھلائی کر کے چھوڑ دو۔

شیخ الطائفہ کا نظریہ

شیخ ابوجعفر طوسیؒ نے کتاب الخلاف جلد ۲ صفحہ ۸۵ پر لکھا ہے۔ جب ثابت ہو جائے کہ مرد "عنین" ہے تو بیوی کو فسخ کا اختیار ہے۔ فرماتے ہیں :

> اس بات پر فقہا کا اجماع ہے ..... نیز اس آیت سے استدلال بھی "امساک بمعروف او تسریح باحسان" عنین چونکہ بیوی کو اچھی طرح نہیں رکھ سکتا لہٰذا اسے چھوڑ دینا چاہیے۔

ان توضیحات سے بخوبی و قطعی واضح ہو گیا کہ اسلام ہرگز مرد کو زور آوری کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے حق طلاق سے ناجائز فائدہ اٹھائے اور بیوی کو قیدی بنا کر رکھے۔

جو کچھ کہا ہے اس سے یہ بھی نہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو شخص اپنا نام قاضی رکھ لے اسے ان جیسے مسائل میں دخل دینے کا حق مل جائے گا۔ اسلام کے نزدیک قاضی کے شرائط بہت سخت اور وزنی ہیں جن پر گفتگو کی یہ جگہ نہیں ہے۔

ایک اور بات جس پر توجہ رکھنا ہو گی وہ "عدالتی طلاق" گھر کی مرکزیت پر اسلام کی خصوصی توجہ اور نگہداشت کے باوجود بڑی مستثنیٰ اور نادر و کمیاب مقامات ایسے آئیں گے جہاں قاضی طلاق دے۔ اسلام اس طلاق کا قائل نہیں جو امریکہ اور یورپ میں ہوتی ہے اور وہ اس قسم کی طلاق جائز نہیں جانتا جس کی داستانیں ہم روزانہ اخباروں میں پڑھتے ہیں۔ مثلاً ایک عورت نے اپنے شوہر کے بارے میں شکایت کر دی اور طلاق مانگ لی۔ صرف اس لیے کہ جس فلم کو میں پسند کرتی ہوں شوہر پسند نہیں کرتا۔ یا "ٹی ٹی" صاحب میرے پیارے کتے کو چومتا نہیں،

اسی قسم کے مضحکہ انگیز قصے جو انسانیت کے زوال کا نمونہ ہیں۔

● ● ●
●
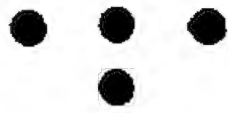
ناظرین محترم، گذشتہ چند مقالات میں جو کچھ عرض کیا ہے، اور اکیسویں مضمون میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ طلاق کے سلسلے میں پانچ نظریے ہیں:

(۱) طلاق معمولی چیز ہے اس پر سے ہر قسم کی پابندیاں اٹھالی جائیں خواہ معاشرتی بندشیں ہوں یا اخلاقی۔

(۲) ازدواج ایک ابدی بندھن ہے اور طلاق بالکل ناممکن ہے۔ (کیتھولک چرچ کی رائے)

(۳) ازدواج مرد کی طرف سے قابلِ جدائی ہے عورت اس بندھن کو نہیں کھول سکتی۔

(۴) ازدواج شوہر کی طرف سے خاتمہ پاتا ہے اور خاص شرائط کے ساتھ بیوی بھی یہ بندھن کھول سکتی ہے۔ یہ راستہ میاں بیوی دونوں کے لیے ہے۔ دونوں اس معاملے میں یکساں و برابر ہیں۔ (دعوے داران مساوات حقوق کا نظریہ)

(۵) طلاق کا راستہ جس طرح شوہر کے لیے کھلا ہے بیوی کے لیے بھی بند نہیں ہے۔ لیکن میاں بیوی کے لیے نکلنے کے دروازے الگ الگ ہیں۔

میں نے اپنے مضمون میں کہا ہے کہ اسلام پانچویں نظریے کا حامی ہے، پھر "شرط ضمن عقد" اور "عدالتی طلاق" کے ذیل میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس میں اسلام کا نقطۂ نظر بتا دیا کہ طلاق فطری حق کے طور پر بیوی کو حاصل نہیں ہے اس کے باوجود اس کے لیے راستہ مکمل طور پر بند بھی نہیں ہے۔ خواتین کے لیے خصوصی دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

'عدالتی طلاق' کے بارے میں اس سے زیادہ بحث کی گنجائش ہے، خصوصاً

اسلامی فرقوں کے علما و فقہا کے خیالات اور تمام اسلامی ملکوں میں عام مسلمانوں کا رویہ سامنے رکھ کر بات ہو سکتی ہے۔ مگر ہم ان مقالات میں اسی قدر کافی سمجھتے ہیں۔

گیارھواں حصہ :

تعدّدِ ازواج

- —— تاریخ زندگیِ بشر میں بیویوں کی قسمیں۔
- —— اسلام نے جاہلیت کی تین چار قسم کی بیویاں ممنوع کر دیں۔
- —— جنسی کمیونزم، ایک بیوی کئی شوہر۔
- —— چند شوہری نظام کیوں ناکام ہوا، اور چند ازواجی نظام رواج پا گیا؟
- —— عورت کے لیے، مرد کے برخلاف خانگی زندگی، مادّی پہلو سے زیادہ روحانی ونفسیاتی پہلو رکھتی ہے۔
- —— تعدّدِ ازواج، عورت کا حق ہے، مرد کے حقوق میں نہیں ہے۔
- —— تعدد ازواج کے تاریخی اسباب۔
- —— کیا تعدد ازواج مشرقی آب و ہوا کی پیداوار ہے؟
- —— چند ازواجی ڈھانچہ مغرب میں اور چند ازواجی ڈھانچہ مشرق میں۔
- —— مغرب میں عیاشی کی فراوانی نے تعدّدِ ازواج کو روکا، اس میں دینِ مسیحی کے ضوابط کا دخل نہیں ہے۔
- —— تعدد ازواج کے معاملے میں، مرد کبھی زور آوری دکھاتا ہے، کبھی قانونی جواز سے فائدہ اٹھاتا ہے، کبھی بیوی کا حق ادا کرتا ہے۔

- —— چند ازواجی صورتِ حال میں بیوی کا حق۔
- —— شماریات بولتے ہیں۔
- —— ہمیشہ شادی کے قابل لڑکیوں کی تعداد، شادی کے قابل لڑکوں کی تعداد سے زیادہ رہتی ہے، کیوں؟
- —— منشورِ حقوقِ انسانی نے انسان کے ایک بہت بڑے حق کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے۔
- —— بہ فتوائے اہلِ حل و عقد انگلستان اگر "ہودی زن" ڈاڑھی مونچھ والا ہو تو کئی بیویاں رکھنے کی ممانعت نہیں ہے۔
- —— کیا مرد کی فطرت کا تقاضہ تعداد ازدواج ہے؟
- —— کہتے ہیں ـ مرد، قانوناً ایک بیوی کا پابند ہے مگر عملی طور پر چند بیویاں رکھتا ہے۔
- —— خراب معاشرے نے مرد کی خیانت کے اسباب پیدا کیے ہیں، اس کی فطرت نے نہیں۔
- —— بیسویں صدی کے مرد، عورت کے بارے میں اپنی ذمہ داریاں کم کرنے اور اپنی مقصد برآری میں کامیاب ہو گئے۔
- —— بے شوہر خواتین جو بحران پیدا کرتی ہیں وہ ہر بحران سے زیادہ خطرناک ہے۔
- —— "چند ازواجی" پر اعتراضات اور خرابیاں۔
- —— اکثر مردوں کا عقیدہ: خدا ایک، بیوی ایک۔
- —— عشق اور جذبات قابلِ تقسیم و درجہ بندی نہیں ہیں۔
- —— کئی بیویاں، گھریلو زندگی کو مہر و محبت کے مرکز سے میدانِ جنگ

میں منتقل کردیتی ہیں۔

- ——— مرد، اپنی عائلی زندگی کو ایک مرتبہ بیچنے کے بعد دوبارہ کیسے فروخت کرتا ہے؟
- ——— کئی بیویوں کے مسئلے میں اسلام کا کردار۔
- ——— اسلام نے چند ازواجی کو محدود بھی کیا اور مشروط بھی کیا ہے۔
- ——— تعدد ازواج میں دولت اور صحت کی شرط۔
- ——— تعدد ازواج سے آج کے مرد کی نفرت کے اسباب۔
- ——— تعدد ازواج کی جگہ اس صدی میں "گناہ" نے پر کی ہے "وفا" نے نہیں۔

(خلاصہ مطالب)

تعدّد ازواج

گھریلو زندگی کی فطری شکل "ایک بیوی" سے بنتی ہے۔ ایک بیوی کے گھر میں اپنائیت کی روح، یعنی خصوصی و انفرادی مالکیت کا رواج ہوتا ہے۔ جو دولت کی خاص مالکیت سے جدا شے ہے۔ ایک بیوی کے گھر میں میاں، بیوی دونوں۔ جذبات دلفیبات، توجہ اور جنسی "فائدے" "اپنے" اور اپنی ذات سے مخصوص سمجھتے ہیں۔

ایک بیوی والے گھر کے مقابلے میں۔ چند ازواج۔ یا اشتراکی زوجیت کا نظام ہے۔ چند ازواجی یا اشتراکی زوجیت، چند صورتوں میں فرض کی جا سکتی ہے۔

جنسی کمیونزم

ایک صورت یہ ہے کہ فریقین میں کسی فریق کا دوسرے فریق سے خصوصی تعلق نہ ہو۔ نہ مرد، کسی خاص عورت سے وابستہ ہو، نہ عورت کسی معین مرد کی پابند ہو۔ یہی مفروضہ وہ ہے جسے "جنسی کمیونزم" کہا جاتا ہے۔ جنسی کمیونزم، گھریلو زندگی کی نفی کے مساوی ہے۔ تاریخ، بلکہ قبل از تاریخ کے تاریخی مفروضے بھی کسی ایسے دور کی نشان دہی نہیں کرتے جس میں انسان یکسر خاندانی زندگی سے خالی رہا ہو۔ اور جنسی کمیونزم کا رواج ہو۔ جس مدت کو اس نام سے یاد کرتے اور دعویدار بنتے ہیں کہ کچھ وحشی مردوں میں یہ نظام تھا۔ ایک وسطی دور ممکن ہے رہا ہو کہ جسے خاص گھریلو زندگی اور جنسی کمیونزم کی کڑی سمجھا جا سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ بعض قبائل میں، چند بھائی چند بہنوں سے مشترک طور پر شادی کر لیتے تھے، یا مردوں کا ایک گروہ، عورتوں کے ایک گروپ سے شرکت کے طور پر شادی رچاتے تھے۔

ویل ڈیورانٹ نے "تاریخ تمدن کی پہلی جلد میں (صفحہ ۶۰ پر) لکھا ہے:

بعض علاقوں میں، گروپ کی صورت میں شادی ہوتی تھی۔ یعنی ایک قبیلے کے مردوں کا ایک گروہ، دوسرے خاندان کی لڑکیوں کے ایک گروہ سے شادی کر لیتے تھے۔ مثلاً تبت میں رسم تھی، چند بھائی، اپنی تعداد کے مطابق چند بہنوں سے رشتہ کر لیتے تھے اور کسی کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ کس لڑکی کو کس کی بیوی بننا ہے رشتۂ زن و شوہر کا یہ انداز ایک طرح کا جنسی کمیونزم ہے۔ اس مرحلے میں جو مرد جس عورت سے چاہتا ہم بستر ہو جاتا تھا۔ "سیزر" نے اس سے ملتی جلتی رسم کا انگلستان میں تذکرہ کیا ہے۔ ان حادثات کے نیچے کچھ نشانات میں ایک رسم بھی ہے کہ بھائی کے مرنے کے بعد بھاوج زندہ بھائی کی بیوی شمار ہونے لگتی تھی۔ یہود اور ان جیسی قدیم قوموں میں اس کا رواج زیادہ تھا۔

افلاطون کا نظریہ:

افلاطون کی کتاب "جمہوریت" سے مطلب نکلتا اور مورخ اس کی تائید کرتے ہیں۔ وہ اس کا نظریۂ خاص ہے۔ "فلسفی حاکم اور حاکم فلسفی" اس نے ایک طبقے کے لیے "گھریلو اشتراکیت" کی تجویز رکھی ہے۔ انیسویں صدی کے چند کمیونسٹ رہنماؤں نے بھی یہی کہہ دیا۔ فرائڈ اور محرموں سے حرمت ازدواج" کے مصنف کے بقول ۱۹۲۸ء میں بے شمار تلخ تجربوں کے بعد کچھ طاقتور کمیونسٹ ملکوں نے "ایک بیوی" کے نظام کو قانونی صورت دے دی۔

چند شوہری نظام:

ازدواجی زندگی کے ضمن میں ایک مفروضہ "چند شوہری" ہے۔ یعنی ایک عورت ایک وقت میں ایک سے زیادہ شوہر رکھے۔ ویل ڈیورانٹ کے بقول "یہ رسم تھوڑا جیسے تبتی قبائل میں مشاہدے کے قابل ہے۔"

صحیح بخاری میں، حضرتِ عائشہ سے مروی ہے کہ جاہلی عرب میں چار طرح کی

شادیاں رائج تھیں۔

ایک قسم تو وہی ہے جو اب تک رائج ہے کہ مرد، لڑکی کے باپ سے خواستگاری کرتا ہے اور مہر کے بعد شادی ہو جاتی ہے۔ جو لڑکا پیدا ہوتا ہے وہ باپ کے معین ہونے کی وجہ سے روشن مستقبل رکھتا ہے۔

دوسری صورت یہ تھی کہ شوہر، زمانۂ ازدواج کے اندر اپنی بیوی کے لیے کسی دوسرے مرد کو تجویز کرتا تھا کہ وہ دونوں محدود عرصے تک ساتھ رہیں۔ اس سے وہ ایک اچھی نسل حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یعنی وہ خود کچھ عرصے کے لیے بیوی سے الگ ہو جاتا اور بیوی کو سمجھا دیتا تھا کہ تم فلاں شخص کے ساتھ رہو، جب تک وہ عورت حاملہ نہ ہوتی اس وقت تک وہ شوہر الگ رہتا، جیسے ہی بیوی کا حاملہ ہونا معلوم ہو جاتا فوراً اس سے رابطہ پیدا کر لیتا تھا۔ یہ عمل اس شخص کے لیے ہوتا جسے شوہر تولید فرزند کے لیے اپنے سے بہتر سمجھتا تھا۔ دراصل یہ کام نسل کی بہبود اور خاندان کی اصلاح کے لیے انجام پاتا تھا۔ ایک شوہر کے ہوتے ہوئے دوسرے شوہر کے ساتھ میاں بیوی جیسے روابط کا نام ـــ نکاح استبضاع ـ تھا۔

تیسری صورت یہ تھی کہ دس آدمیوں سے کم ایک ٹولہ، ایک عورت سے رابطہ پیدا کرتے، جب اس کے یہاں بچہ ہوتا تو وہ اس ٹولہ کو بلاتی۔ اس عہد کے دستور کی بنا پر وہ مرد آنے سے انکار نہیں کر سکتے تھے، سب حاضر ہو جاتے۔ وہ عورت ان میں سے جس کو چاہتی نومولود اس کے نام کر دیتی اور وہی اس کا قانونی باپ قرار پاتا، پھر اس مرد کو انکار کا حق نہ رہتا تھا۔

چوتھی قسم ـــ ایک عورت "طوائف" تسلیم کر لی جاتی تھی، بلا استثناء ہر مرد اس سے رابطہ پیدا کر سکتا تھا۔ ان عورتوں کے مکان پر ایک جھنڈی لگی ہوتی تھی یہی ان کی پہچان تھی۔ ایسی عورتوں کے یہاں جب بچہ پیدا ہوتا اس کے بعد وہ

اپنے یہاں آنے جانے والے مردوں کو جمع کریں، کاہن اور قیافہ شناس بلائیں، وہ قیافہ اور علامات دیکھ کر اپنی رائے بتاتے تھے کہ اس بچے کو فلاں کی اولاد ہونا چاہیے، مرد مجبور ہو کر قیافہ شناس کا فیصلہ مانتا اور وہ اولاد قانونی و رسمی طور پر اس شخص کی اولاد قرار پاتی تھی۔

یہ جاہلیت کے ازدواجی اقسام اس وقت تک رہے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث نہ ہوئے تھے، آنحضرتؐ نے چند اقسام کے سوا سب کو ختم کر دیا۔"

معلوم ہوا کہ "چند شوہری" کی رسم جاہلیتِ عرب میں جاری تھی۔ "مانٹسکو" روحِ قوانین میں لکھتا ہے:

"ابوظہیر حسن ایک عرب سیاح، نویں صدی عیسوی میں ہندوستان و چین گیا تو اس نے "چند شوہری" کی رسم دیکھی اور اسے عیاشی کا ثبوت قرار دیا"۔ اسی نے لکھا ہے ۔" مالابار کے ساحلوں پر "نائیر" نامی قبیلہ رہتا ہے۔ اس قبیلے میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت نہیں، حالانکہ عورتیں کئی شوہر رکھ سکتی ہیں۔ میرے نزدیک اس قانون بنانے کی وجہ یہ ہو گی کہ نائیر قبیلے کے مرد بڑے جنگجو ہوں گے۔ اور اپنی اصالت کی بنا پر جنگ ان کا پیشہ ہو گی، اور جیسے ہم یورپ میں فوجیوں کو شادی سے روکتے ہیں تاکہ عائلی زندگی ان کی پیشہ ورانہ جنگی مصروفیت کو نہ روکے، مالابار کے قبیلۂ نائیر کو بھی گھریلو رشتوں سے آزاد رکھا گیا ہو گا، وہاں کی آب و ہوا میں گرمی ایسی تھی کہ انھیں شادی سے بالکل روکنا ممکن نہ تھا، لہٰذا یہ طے کیا گیا ہو گا کہ چند آدمی مل کر ایک عورت رکھ لیا کریں۔ اس طرح گھریلو رشتہ کمزور رہے گا اور پیشہ ورانہ کام میں رکاوٹ پیدا نہ ہو گی۔"

"چند شوہری" نظام کے مشکلات

"چند شوہری" نظام میں بنیادی بڑی مشکل یہ پیدا ہو گئی کہ نسب کا تعین ختم ہو گیا

رہتے تھے لہذا ان کی زندگی خطرے میں ہوتی اور مردوں کی موت عورتوں سے زیادہ ہوتی تھی۔ نتیجہ میں عورتوں کی تعداد میں اضافے کا حل ایک تو تعدد ازدواج تھا یا پھر بہت سی عورتوں کو بے شوہر و وارث رہنے دیا جائے۔ لیکن جن قوموں میں موت، کی فراوانی ہو وہاں کوئی مناسب بات نہ تھی کہ عورتوں کی ایک نمایاں تعداد بلا شوہر رہے اور تولیدِ نسل کا عمل نہ ہو .... بلاشبہ ابتدائی دور میں تعدد ازدواج ایک مناسب دستور تھا، کیونکہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ تھی، پھر نسل کی بہبود کے لیے بھی نظام تعددِ ازدواج آج کے نظام یک زن سے زیادہ مفید تھی۔ سب جانتے ہیں کہ مضبوط و توانا، طاقت ور اور محتاط مرد آج کی دنیا میں مدت بعد شادی کرتے ہیں، اس کے برخلاف گذشتہ زمانے میں طاقت ور افراد بظاہر اچھی عورتیں آسانی سے حاصل کر لیتے اور زیادہ بچے پیدا کرتے تھے۔ اسی بنا پر شروع میں متعدد قبائل بلکہ متمدن اقوام میں تعددِ ازدواج کا سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ اور ابھی کچھ دنوں سے ہمارے زمانے میں یہ رسم ہمارے مشرق سے کم ہوتی چلی گئی ہے۔ دراصل اس کے زوال میں متعدد عوامل کارفرما ہیں:

کاشتکاری کی فراوانی، اس نظام نے مردوں کی بھاری اور خطرناک زندگی کو نسبتاً پرسکون اور پائدار بنا دیا ہے۔ عورتوں کی تعداد بھی کم و بیش مردوں کے برابر آگئی ہے۔ ان حالات میں "چند زنی" کی بات یا تو ابتدائی معاشرے کی بات قرار پا گئی ہے یا پھر مٹھی بھر دولت مند افراد کے خصوصیات میں شمار ہونے لگی ہے۔ اور "زنا" ہم کا مشغلہ منہ کا مزہ بدلنے کے لیے ہے۔"

تاریخ تمدن، صفحہ ۵۰۷ پر گوستاو لوبن نے لکھا ہے:

"یورپ میں مشرقی رسم و رواج میں تعدد ازدواج سے زیادہ برے پیرائے میں اور کسی چیز کا تعارف نہیں کرایا گیا ہے۔ اہل مغرب کا نقطہ نظر کسی رسم کے بارے

میں اس قدر غلط نہیں جتنا اس مسئلے میں غلط ہے۔ یورپی مصنف تعدّد ازدواج کو اسلام کی بنیاد جانتے اور اسلام کی ترویج، نیز مشرقی اقوام کے زوال و انحطاط کا اہم ترین سبب مانتے رہے ہیں۔ اعتراضات کی بوچھار کے ساتھ، یہاں کی خواتین سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے یہ بھی کہا۔ بدنصیب عورتیں سخت اور اکھڑ خواجہ سراؤں کے ہاتھ گھروں کی چار دیواریوں میں اسیر رہتی ہیں۔ اگر کوئی بات گھر کے ان رکھوالوں کی مرضی کے خلاف ہو جاتی ہے تو جان کے لالے پڑ جاتے اور ممکن ہوتا ہے کہ بڑی بے رحمی سے قتل کردی جائیں۔ مگر یہ ایسے تصورہیں جن کا کوئی ثبوت یا بنیاد نہیں۔ ہماری کتاب کے مغربی قاری اگر تھوڑی دیر کے لیے تعصب کو دور کرسکیں تو انھیں تائید کرنا پڑے گی اور مشرقی تمدن کی خوبی تسلیم کریں گے کہ اس میں کئی بیویاں رکھنے کی اجازت ہے، جن گھرانوں میں یہ رسم موجود رہے ان میں اخلاقی روح ترقی پذیر ہے۔ اور عائلی رشتے مستحکم ہیں، اسی رسم کے نتیجے میں عورت کا اعزاز و اکرام مغرب سے زیادہ ہے، ہم اس دعوی پر دلیل لکھنے سے پہلے یہ بتادیں کہ تعدّد ازواج کا تعلق ہرگز اسلام ہی سے نہیں، اسلام سے پہلے بھی یہ رسم مشرقی اقوام میں پائی جاتی تھی۔ یہود، ایرانی، عرب وغیرہ جو قومیں اسلام لائیں انھوں نے اس بارے میں کوئی نیا فائدہ نہیں اٹھایا، آج تک دنیا میں کوئی مذہب ایسا بااقتدار وجود پذیر نہیں ہوا جو تعدّد ازدواج جیسے رسوم کو ایجاد یا منسوخ کر سکے۔ مذکورہ رسم مشرقی آب و ہوا کا نتیجہ ہے۔ اس کی وجہ سے کچھ نسلی خصوصیات نیز دوسرے اسباب وعلل جنم لیتے ہیں جن میں سے ہر ایک کا تعلق مشرق کی زندگی اور اس کے رویوں سے ہے۔ نہ یہ کہ مذہب یہ رسم لایا۔ ادھر یورپ کی آب وہوا اس رسم کے لیے سازگار نہیں اور وہاں اس کے تقاضے موجود نہیں ہیں اس کے باوجود ایک بیوی وہاں کی رسم ہے "قانونی کتابوں میں تو پڑھتے ہیں ورنہ مجھے تو باور نہیں کہ ہمارے معاشرے میں کوئی یہ کہہ سکے کہ "ایک بیوی" کا کوئی اثر ہو۔

سچ مچ مجھے حیرت ہے مجھے نہیں معلوم کہ مشرق کی متعدد جائز بیویوں کے مقابلے میں یورپ کی مکارانہ بہت سی بیویوں میں کیا کمی ہے؟ میں تو کہتا ہوں کہ پہلا نظام دوسرے نظام سے بدرجہا بہتر و شائستہ ہے۔ اہل مشرق جب بڑے شہروں کی سیاحت کو آتے ہیں اور ہمارے اعتراضات یا حملوں سے دوچار ہوتے ہیں تو انہیں حیرت ہوتی اور غصہ آتا ہے.....“

ہاں، اسلام نے ”تعدد ازواج“ کا نظام ایجاد نہیں کیا۔ مگر اسے ایک سمت سے محدود کر کے اکثریت کی تعداد ضرور مقرر کی۔ دوسری سمت، بھاری شرطیں لگا دیں۔ جو قومیں مسلمان ہوئیں، ان کے یہاں عموماً یہ رسم تھیں، اسلام کے ذریعے وہ حدود و قیود کا گردن بند پہننے پر ضرور مجبور ہوئی ہیں۔

ایران میں تعدد ازواج

کریستن سن کے ”ایران ساسانیوں کے عہد میں“ صفحہ ۳۴۶ پر لکھا ہے:۔

”(ساسانیوں کے زمانے میں ایران کے اندر) متعدد بیوں ہی سے خانوادہ تشکیل پاتا تھا، مرد کی استطاعت کے لحاظ سے عورتوں کو رکھنے کا حق تھا۔ بظاہر غریب لوگ ایک ہی بیوی کرتے تھے۔ خاندان کا سربراہ، کنبے کی سربراہی سے بہرہ ور ہوتا تھا۔ بیوں میں محترم و محبوب خاتون تمام حقوق کی مالک ہوتی اور اس کو ”زن پادشا ییہا“ (بادشاہ زن) یا ”زنِ ممتاز“ کہتے تھے۔ اس کے کم درجہ عورت، خدمت گار ”زن چگاریھا“، کہلاتی، ان دونوں درجے کی بیویوں کے حقوق جدا جدا تھے۔ بظاہر زرخرید کنیز اور قیدی عورتیں نوکر بیویاں سمجھی جاتی تھیں۔ ممتاز بیویوں کے بارے میں یہ نہیں معلوم کہ ایک مرد کے یہاں محدود تھیں یا نہیں؟ لیکن متعدد قانونی حوالوں میں ایک شوہر کی دو ممتاز بیوں کا اشارہ تو ملتا ہے۔ اس درجے کی بیویاں خانہ دار معلوم ہوتی ہیں، گویا ان کے الگ الگ گھر ہوتے

تھے۔ شوہر زندگی بھر زنِ ممتاز کو آذوقہ دینے کا پابند تھا۔ اور اس کی دیکھ بھال کرتا،
لڑکا، بالغ ہونے اور لڑکی شادی ہونے تک یہی حق رکھتی تھی۔ چاکر زن قسم کی بیویوں
کی اولادِ ذکور باپ کے خاندان میں قبول کی جاتی تھی۔"

"تاریخ تمدن ایران از انقراض ساسانیان تا انقراض امویان" میں سعید نفیسی مرحوم
نے لکھا ہے:

"مرد لامحدود بیویاں رکھ سکتا تھا۔ بعض یونانی دستاویزوں سے معلوم ہوتا
ہے کہ ایک آدمی کے گھر میں سو بیویاں بھی ہوتی تھیں۔"

مان ٹسکو نے "روح القوانین" میں "اگوتیئس" رومی مورخ سے نقل کیا ہے
جسٹی نین، کچھ رومی فلسفی مسیحوں کے ہاتھوں اذیت و تکالیف کا نشانہ بنے، یہ لوگ
عیسائی مذہب قبول کرنے پر تیار نہ تھے۔ آخر ان لوگوں نے روم کو چھوڑ دیا اور خسرو
پرویز بادشاہ کے دربار میں پناہ گیر ہوتے۔ یہاں پہنچ کر جس بات نے انھیں حیرت
سے دوچار کیا، وہ یہی نہیں کہ تعدد ازواج کی رسم پائی جاتی تھی۔ انھوں نے دوسروں
کی بیویوں سے اختلاط بھی دیکھا۔"

یہ بات ذہن میں رہے کہ رومی فلاسفہ نوشیروان بادشاہ ایران کے دربار میں
حاضر ہوئے تھے، خسرو پرویز کے یہاں نہیں، مان ٹسکو کے یہاں خسرو پرویز
کا نام غلط فہمی پر مبنی ہے۔

عربوں میں بیوی کی تعداد کا حساب و شمار ہی نہ تھا، اسلام کا اس پر بند
باندھنا اور زیادہ سے زیادہ کی تعداد معین کرنا، ان عربوں کے لیے مشکل بن گیا
جن کی بیویاں چار سے زیادہ تھیں، کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کی دس بیویاں تھیں
وہ چھ بیویوں کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

معلوم ہوا کہ اسلام نے تعدد ازواج کی رسم ایجاد نہیں کی، اس کے برعکس اس رسم

پر حد و بندش عائد کی، اور یکسر ختم بھی نہیں کیا۔ آیندہ گفتگو میں ہم دیکھیں گے کہ تعدد ازواج کی وجہ افراد بشر میں کیا ہے؟ کیا اس کی علت وجہ، مرد کی زور آوری اور عورت پر حکومت کرنے کا جذبہ ہے، یا خاص ضرورتیں تھیں جن کی وجہ سے یہ عمل ضروری ہوا؟ وہ ضرورتیں کیا تھیں؟ کیا ان کا تعلق جغرافیائی حالات سے ہے یا کسی اور طرح کے تقاضے تھے؟ اسلام نے اس رسم کو بالکل ختم کیوں نہ کیا؟ اسلام نے تعدد ازواج پر کیا بندشیں لگائی ہیں؟ آخر، آج مرد و زن دونوں تعدد ازواج کے خلاف کیوں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں؟ اس کے پس منظر میں انسانی و اخلاقی بنیاد ہے یا دوسرے اسباب و علل کارفرما ہیں؟

یہ مطالب ہیں جن پر ہم گفتگو کریں گے۔

تعدد ازدواج کے تاریخی اسباب

۱

تعدد ازدواج کے تاریخی اور سماجی علل و اسباب کیا ہیں ؟

اس رسم کو بہت سی قوموں نے قبول کیا خصوصاً مشرقی اقوام و ملل نے اور کچھ قوموں نے اسے قبول نہیں کیا خصوصاً ، مغربی اقوام و ملل نے اس کی وجہ کیا ہے ؟

تین قسم کے جنسی روابط ہیں ۔ چند ازدواجی صورت نے کیوں رواج و قبولیت حاصل کی ، اور چند شوہری اور جنسی اشتراکیت کے نظام یا تو نافذ و رائج ہی نہ ہوسکے یا اکا دکا وقوع پذیر ہوئے ایسا کیوں ہے ؟

جب تک ان اسباب و علل کی چھان بین نہ ہو ، ہم اسلام کے نظریۂ تعدد ازواج پر بحث نہیں کرسکتے اور نہ آج کے انسان کی ضرورت کے بارے میں گفتگو ممکن ہے ۔

اگر ہم ان لاتعداد مطالعات کو نظر انداز کردیں ، جو نفسیاتی اور معاشرتی سلسلے میں کیے گئے ہیں اور بہت سے مصنفین کی طرح سطحی طور پر سوچنا کافی سمجھیں تو سماجی اور تاریخی عوامل و اسباب تعدد ازواج پر وہی مشہور "ترجیح بند" دھرانا ہوگا جو اس قسم کے مسائل میں ہمیشہ دھرایا جاتا ہے ۔ کہ

تعدد ازواج کی علت بہت واضح و روشن ہے ۔ اس کی علت و وجہ مرد کی زورآوری اور تسلط طلبی اور عورت کی کنیزی اس کا سبب ہے ۔ اس رسم کی علت "پدر شاہی" ہے چونکہ مرد ، عورت پر بالادستی اور حکمرانی رکھتا ہے اس لیے اپنے فائدے کے

ہمہ وقت ڈھاتا اور بناتا رہتا ہے۔"چند زنی" کی رسم بھی اسی اپنے نفع اور عورت کے نقصان کے لیے صدیوں سے بنا رکھی ہے۔ عورت چونکہ مرد کی محکوم تھی لہذا وہ "چند شوہری" کی رسم اپنے نفع کی خاطر جاری نہ کر سکی۔ اب مرد کی طاقت آزمائی کا دور ختم ہو گیا ہے لہذا "چند زنی" کا طرۂ امتیاز چھین لیا جائے گا اور اس غلط امتیازی رویے کی جگہ زن و مرد کو برابر کے حقوق دیے جائیں گے۔

اگر ہم یوں سوچنے لگیں تو بڑی سطحی اور گھٹیا بات ہو گی۔"چند زنی" رسم کے رواج پانے کا سبب نہ تو مرد کی زور آوری ہے نہ "چند شوہری" نظام کی ناکامی کی وجہ عورت کی محکومیت و کمزوری۔ نہ یہ حقیقت ہے کہ آجکل مرد کی زور آوری کا دور ختم ہو گیا ہے لہذا "تعدد ازواج" کا دستور منسوخ ہو رہا ہے۔ یہ بھی نہیں کہ "ترک تعدد ازواج" سے مرد نے واقعاً اپنا امتیاز ضائع کر دیا ہے۔ بلکہ واقعاً، مرد نے عورت کے خلاف آج ایک امتیاز مزید حاصل کر لیا ہے۔

میں "زور و قدرت" کو "تاریخ بشر بدلنے والے عامل" تسلیم نہیں کرتا۔ میں اس نظریہ کا منکر بھی نہیں کہ مرد نے اپنی قوت کے سہارے عورت سے غلط فائدہ اٹھایا ہے۔ مگر میرا یہ عقیدہ ضرور ہے کہ طاقت و اقتدار کو اکیلا عامل سمجھنا، خصوصاً گھریلو زندگی اور میاں بیوی کے رشتوں اور رویوں میں کوتاہ نظری ہے۔

اگر مذکورہ بالا نظریہ صحیح ہے تو لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ جب اور جہاں "چند شوہری" کی رسم عملی تھی۔ جیسے جاہلی عرب اور بقول مان ٹسکو، ملابار کے ساحلوں میں نائیر قبیلہ۔ وہاں ایک دور ایسا تھا، جب عورت کو موقعہ ملا، اور اس نے مرد کے خلاف اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ اس لیے "چند شوہری" نظام مردوں پر مسلط کر دیا۔ وہ دور خواتین کا "طلائی دور" ہے۔ حالانکہ جاہلیت عرب کا

دور سب کے نزدیک عورت کی زندگی کا تاریک ترین عہد تھا۔ ہم نے گذشتہ مقالے میں مان ٹسکو، کا مطالعہ نقل کیا، جس میں اس کے بقول "چند شوہری" کی رسم تائیر نجلے میں رائج ہونے کا سبب عورت کی عزت و قوت نہیں بتائی گئی بلکہ اس رسم کے رائج کرنے کی علت یہ کہی گئی ہے کہ وہاں کے لوگ فوجیوں کو گھریلو زندگی کے بندھن سے آزاد رکھ کر ان کے فوجی جذبہ و کردار کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔

اس کے علاوہ سوچنے کی بات ہے کہ اگر تعدد ازدواج کی وجہ "پدر شاہی" اور "پدر سالاری" ہے تو اس کا رواج مغربی اقوام میں کیوں نہ ہوا؟ کیا "پدر شاہی" نظام سرزمین مشرق سے مخصوص تھا۔ مغربی باشندے کس وقت بھی "عیسیٰ مزاج" و "مریم سرشت" تھے۔ وہ لوگ شروع ہی سے عورت کے لیے مرد کے مقابل اور مساوی حقوق جانتے مانتے تھے؟ کیا فقط سرزمین مشرق ہی میں مرد کی قوت کا سبب مرد کے نفع کا انتظام کرتا رہا۔ اور مغرب میں اس عامل و سبب کا رویہ عادلانہ و منصفانہ رہا ہے؟

مغربی عورت نصف صدی پہلے تک بدنصیب ترین خواتینِ عالم تھی۔ وہ اپنی ذاتی املاک و دولت میں بھی مرد کی سربراہی (قیمومیت) کی محتاج تھی۔ خود اہل مغرب کے بقول قرون وسطیٰ میں مشرقی عورت کی حالت مغربی عورت سے بہت اچھی تھی۔ گوستاو لوبن نے لکھا ہے: اسلامی تمدن کے دور میں خواتین کو بعینہ وہی درجہ و مقام حاصل تھا جو مدت مدید کے بعد یورپی خواتین کو حاصل ہوا یعنی عربوں کے اس دلیرانہ کردار کے بعد جس نے یورپ میں ان کے خلاف پروپیگنڈے کی بنیاد رکھی .... بہادرانہ اخلاق جس کا ایک جز حسین خواتین سے حسن سلوک ہے۔ اہل یورپ میں مسلمانوں کے ذریعہ پہنچے، مغربی باشندوں نے مسلمانوں کی تقلید کی۔ جو مذہب، عورت کو پست درجے اور

مقامِ ذلت سے اوج، عزت و سربلندی تک لایا تھا وہ اسلام ہے، عیسائیت نہیں ہے۔ جیسے عام لوگ سمجھتے ہیں۔ کیونکہ، قرونِ وسطیٰ میں ہمارے لیڈر اور بڑے رہنما عیسائی تھے اس کے باوجود احترامِ خواتین کا خیال نہ رکھتے تھے۔ قدیم تاریخ کی چھان بین سے اس بارے میں شبہے کی گنجائش نہیں رہی کہ ہمارے بزرگوں کو مسلمانوں کی تعلیم احترامِ خواتین سے پہلے ہمارے امراء و سردار عورت سے انتہائی وحشیانہ سلوک کرتے تھے"

دوسرے مصنفین نے بھی کم و بیش اس دور کے مغربی حالات کی ایسی ہی تشریح کی ہے۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے جب قرونِ وسطیٰ میں "بادشاہی" و "قوت و زبردستی حکومت کا عروج تھا، تعددِ ازدواج کی رسم پھر رائج کیوں نہ ہوئی؟

حقیقت یہ ہے:

جہاں چند شوہری نظام موجود تھا، وہاں عورت کو مہلت اقتدار ملا، اور جہاں نظامِ چند شوہری نہیں تھا وہاں سبب اصلی خواتین کی کمزوری نہیں تھا۔

مشرق میں تعددِ ازدواج، مردوں کی بالا دستی و حکومت یا مغرب میں تعددِ ازدواج کا نہ پایا جانا، مرد و زن کی مساوات کا نتیجہ نہیں ہے۔

چند شوہری نظام کی ناکامی کی وجہ

چند شوہری رسم کی شکست کا سبب یہ ہے کہ یہ رسم و دستور نہ مرد کی فطرت کے مطابق ہے نہ عورت کی طبیعت سے ہم آہنگ۔ پہلی بات کہ فطرتِ مرد کے خلاف ہے، مطلب یہ ہے کہ مرد انحصار طلب اور بیوی کو فقط اپنا دیکھنا چاہتا ہے، چند شوہری اس تقاضے سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ رسمِ چند شوہری اطمینانِ پدری برشتۂ فرزندی کی بنیاد کے خلاف ہے۔ اس کا طبعی و فطری تعلق اولاد سے بہت گہرا ہے۔ انسان فطرتاً توالد و تناسل چاہتا ہے۔ اس کی خواہش رہتی ہے کہ نسلِ آئندہ اور نسلِ گذشتہ سے اس کا سلسلہ معین و اطمینان بخش ہو۔

وہ جاننا چاہتا ہے کہ کس بیٹے کا باپ اور کس باپ کا فرزند ہے۔ چند شوہری عورت آدمی کے اس فطری مطالبہ سے جوڑ نہیں کھاتی تھی۔ بخلاف "چند زنی" نظام کے، اس رسم میں نہ مرد کو چوٹ لگتی تھی نہ عورت......

کہتے ہیں، تقریباً چالیس خواتین کا وفد حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور پوچھنے لگا کہ اسلام نے مردوں کو کئی عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت کیوں دی، اور خواتین کو چند شوہر کرنے کی اجازت کیوں نہیں دی؟ کیا یہ درجہ بندی کی بات نہیں ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے کچھ چھوٹے پانی بھرے برتن طلب کئے اور وہ برتن ان خواتین کو دئے۔ پھر حکم دیا کہ ہر ایک اپنے ہاتھ کے برتن کا پانی سامنے رکھے ہوئے بڑے برتن میں انڈیل دے، سب نے تعمیل حکم کی، اس کے بعد فرمایا کہ اب ہر ایک اپنے اپنے انڈیلے ہوئے اصل پانی کو دوبارہ کوشش کرکے اپنے اپنے برتن میں نکالو۔ سب نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ پانی ایک دوسرے میں مل چکا اسے مشخص و معین کرنا ناممکن ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: اگر ایک عورت کئی شوہر کرے تو ہر ایک سے ہم بستر بھی ہو گی جب حمل ہو گا تو وہ کیسے مشخص و معین کر سکے گی کہ بچہ کس شوہر کی نسل سے ہے ــــ یہ بات ہوئی مرد کے زاویے سے۔

عورت کے زاویے سے دیکھیے ـ چند شوہری سسٹم، فطرتِ زن اور اس کے منافع کے خلاف ہے۔ بیوی اپنے شوہر سے فقط جنسی آسودگی ہی نہیں چاہتی، جو یہ کہا جائے کہ جتنے زیادہ شوہر ہوں گے اتنا ہی اچھا ہے۔ بیوی ایک ایسا وجود چاہتی ہے جس کے دل کو اپنائے اسے اپنا حامی و محافظ بنائے جو اسے ہر ناپسند بات سے بچائے اور وہ خود اس پر جان نثار کرے، محنت کرے اور اس سے دولت حاصل کرے، حاصل محنت و مشقت اس پر قربان کرے، غمخوار و ہمدرد ہو۔ ایک طوائف کو مرد جو روپیہ دیتا ہے یا وہ پیسہ جو عورت، محنت، مزدوری کرکے حاصل کرتی ہے، وہ عورت کے وسیع

اخراجات وضروریات کے لیے ناکافی ہوتی ہے۔ اس کے اخراجات ایک مرد سے کئی گنا زائد ہوتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس آمدنی کا مقابلہ اس دولت سے کہاں، جو دولت ایک مرد بیوی کے عشق و محبت کی بنیاد پر پیش کرتا ہے۔ شوہر جو مال و دولت اپنی بیوی کے ضروریات کے لیے خرچ کرتا ہے وہ ایک فداکارانہ انداز میں صرف کرتا ہے۔ گھریلو زندگی کی مرکزیت اور رفیق حیات و اولاد کی محبت و کشش، شوہر کو شوق دلاتی ہے کہ وہ اس سلسلے میں کارکردگی و فداکاری کو باقی رکھے۔

ایک عورت، کئی شوہروں کے ہوتے ہوئے، ایک مرد جیسی حمایت و محبت و مخلصانہ جذبات و فداکاری حاصل کر سکے، اسی لیے "چند شوہری" سسٹم کو طوائف پیشگی کی طرح قابل نفرت سمجھا گیا ہے۔ لہذا "چند شوہری" رسم نہ مرد کے رجحانات کے مطابق ہے نہ عورت کے جذبات و رجحانات سے ہم آہنگ ہے۔

جنسی اشتراکیت کی شکست

جنسی اشتراکیت کی ناکامی کی علت بھی یہی ہے، جنسی اشتراکیت میں اختصاص ختم ہو جاتا ہے نہ عورت کسی معین مرد سے اختصاص رکھتی ہے نہ مرد کسی معین عورت سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ یہی تجویز افلاطون نے پیش کی تھی، یہ بات ضرور ہے کہ اس نے طبقۂ حاکمہ کی سطح پر اسے سوچا تھا۔ یعنی یہ دستور (اس کی زبان و اصطلاح میں) فلسفی حاکم اور حاکم فلسفیوں کے لیے ہونا چاہیے۔ افلاطون کی یہ تجویز نہ دوسروں کے نزدیک منظوری کے لائق تھی نہ خود افلاطون اس نظریہ پر باقی رہا، اس نے بھی رائے بدل لی۔

ایک صدی قبل فریڈریک انجلس، کمیونزم کے دوسرے باپ نے بھی یہی تجویز رکھی اور اس کے خلاف نظریوں اور دلیلوں کو رد کیا، لیکن کمیونسٹ بلاک نے اسے منظور کیا۔ کہتے ہیں کہ شوروی حکومت (روس) نے بے شمار تلخ تجربوں کے بعد عائلی اشتراکی تھیوری جو انجلس نے بتائی تھی اسے ۱۹۳۸ء میں بدل دیا، اور کچھ قوانین

گھریلو زندگی کی فلاح و بہبود کے واسطے وضع کر کے ایک شوہر ایک بیوی کا قانون کمیونسٹ حکومت کا رسمی قانون مان لیا۔

ایک شوہر کے لئے کئی بیویاں امتیازی بات مانی جا سکتی ہے، لیکن ایک بیوی کے واسطے چند شوہر کوئی عزت نہ پہلے مانا گیا نہ آئندہ مانا جائے گا۔ اس فرق کا باعث یہی ہے کہ مرد، عورت کی ذات چاہتا ہے اور عورت، مرد کا دل اور اس کی فداکاری کی طلب گار ہے۔ مرد جب تک بیوی کی ذات پر اختیار رکھتا ہے اس وقت اس سے اس کا دل دے دینے سے کوئی دلچسپی نہیں، لہٰذا، ایک سے زیادہ بیویاں اگر اسے اپنا دل نہ دیں تو وہ کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اس کے مقابلے میں بیوی، شوہر کے دل اور توجہات کو اصل سمجھتی ہے۔ اگر وہ ہاتھ سے دے دیتی ہے تو سب کچھ ضائع کر دیتی ہے۔

دوسری لفظوں میں — ازدواجی زندگی میں دو عنصروں کا دخل ہوتا ہے۔ ایک مادی دوسرا روحانی — مادی عنصر ازدواج جنسی پہلو لیے ہوتا ہے جوانی میں یہ پہلو جوش و عروج پر ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ کم ہو کر ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ روحانی عنصر (معنوی و نفسیاتی حصے) میں وہ نرم و لطیف جذبات اور خلوص و محبت کی حکمرانی ہوتی ہے جو کبھی تو وقت گذرنے کے ساتھ بڑی مضبوط ہو جاتی ہے۔ عورت و مرد کے درمیان جو فرق ہیں ان میں سے ایک فرق یہی ہے کہ عورت کی نظر میں دوسرا عنصر زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور مرد کے خیال میں پہلا عنصر، ورنہ کم از کم مرد کی نظر میں مادی و روحانی دونوں پہلو مساوی تو بہرحال ہوتے ہیں۔

ہم نے چودھویں مقالے میں اس موضوع پر گفتگو کے دوران ایک مغربی ماہر نفسیات خاتون کو سند میں پیش کیا تھا کہ عورت چونکہ شکم اور آغوش میں بچے کی پرورش کرتی ہے اس کے نفسیاتی حالات ہی کچھ اور ہوتے ہیں، وہ اپنے شوہر سے اس کی محبت اور خصوصی توجہ کی بے حد آرزو رکھتی ہے، اسی محبت و توجہ جو اس کے شوہریت کے احساس کے ساتھ

اس کے زیرِ تربیت بچے کے باپ کی حیثیت بھی لیے ہوئے ہو۔ یہاں تک کہ ماں کی ممتا کا پلڑا، باپ کی محبت فرزند کے پلڑے سے زیادہ وزنی ہوتا ہے۔ باپ کی محبت میں یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ بچے کے وجود میں آنے کا ایک عامل ہے۔ عورت کی یہ خاص نیازمندی اسی وقت پوری ہو سکتی ہے جب شوہر ایک ہو۔

بنابریں "چند شوہری" کا مقابلہ "چند ازواجی" سے بہت بڑی غلطی ہے، پھر ان میں فرق کا نہ ماننا اور دنیا کے ایک بڑے حصے میں "چند ازواجی" نظام کے رواج پانے کی علت مرد کی زور آوری قرار دینا، اور یہ کہنا کہ عورت اپنی کمزوری اور بے اختیاری کی وجہ سے "چند شوہری" سسٹم جاری نہ کر سکی سراسر غلط ہے۔

کتاب "انتقاد بر قوانینِ اساسی و مدنی ایران" کے صفحہ ۳۴ پر خانم منوچہریان لکھتی ہیں:

"قانونِ مدنی کی دفعہ ۴۹، میں ہے ـ "بیوی کی اجازت کے بغیر کوئی شخص، بھائی کی لڑکی، یا سالی کی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا .... اگر بیوی اجازت دے دے تو اس کا شوہر بھائی کی یا سالی کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر بیوی اجازت نہ دے تو کیا ہو گا؟ کچھ بھی نہیں۔ وہی ضرب المثل ہے "آنکہ عوض دارد گلہ ندارد" مرد کسی اور سے نکاح کر لے گا۔ اچھا۔ اب مسئلہ کو الٹ کر دیکھیں پھر کیا ہو گا؟ مثلاً، یہ کہیں ـ بیوی اپنے شوہر کے بھائی کے لڑکے یا بہن کے لڑکے سے شوہر کی اجازت کے بغیر شادی نہیں کر سکتی (جب تک وہ اس شخص کی بیوی ہے)۔ یہ بات سن کر خدائی رگ بھڑکتی، خون جوش مارتا اور آدمی چیخنے لگتا ہے، یہ تجویز خلافِ انسانیت ہے۔ عورت کی فطرت و مزاج کے خلاف ہے۔ جواب میں کہنا چاہئے کہ یہ تجویز دراصل (کلمہ) اصلی،

کنیزی زوجہ کے خلاف ہے۔ جیسے ایک مال کا ایک مالک ہوتا ہے اور اگر متعدد مالک ہوں بھی نفع اور محصول ایک ہی حاصل کرتا ہے۔ قانونِ ملکیت کے واضح اور ضمنی مطالب کی بنا پر بیوی بھی اموال کے ذیل میں آتی ہے۔ لہٰذا اسے بھی ایک سے زیادہ مالک نہ رکھنا چاہیے۔۔۔

۔۔۔۔۔۔

اسی کتاب کے صفحے ۷۳ پر لکھا ہے:

"ہم یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ جیسے مرد کو چار بیویوں کے رکھنے کا حق ہے، عورت بھی انسان ہے وہ بھی مرد کے برابر ہے۔ اسے بھی مرد جیسے حقوق کا مالک ہونا چاہیے۔ اس صغریٰ، کبریٰ کا نتیجہ مردوں کے لیے بڑا وحشتناک ہے۔ اسی وجہ سے ان کی رگوں میں خون کی رفتار تیز ہوجاتی ہے، چہرے بھڑک اٹھتے ہیں، آنکھیں آگ برسانے لگتی ہیں۔ گلے پھاڑ پھاڑ کر کہنے لگتے ہیں۔ عورت ایک شوہر سے زیادہ مرد کیوں چاہتی ہے؟ ہم اس کے جواب میں نرمی و سرد مہری سے کہتے ہیں۔ مرد ایک سے زیادہ بیویاں کیوں کرتا ہے؟

ہم فساد اخلاق کا پروپیگنڈا نہیں چاہتے۔ ہم خواتین کی عفت و آبرو کو حقیر نہیں جانتے۔ البتہ۔ مردوں کو یہ ضرور سمجھانا چاہتے ہیں کہ انہوں نے عورت کے بارے میں جو خیالات و نظریات قائم کر لیے ہیں وہ غیر مستحکم بنیاد پر قائم ہیں۔ مرد بھی کافی ہے، عورت بھی کافی ہے۔ اس لیے زن و مرد برابر ہیں۔ اگر مردوں کو مردانگی کی بنیاد پر چار عورتوں سے شادی کا حق دیا گیا ہے تو عورت کو بھی یہی حق ملنا چاہیے۔ فرض کیجیے کہ عورت عقل کے زاویے سے بہ نسبت مرد کے عقل میں زیادہ توانا نہ ہو، جب بھی یہ یقین رکھنا چاہیے کہ روحانی تجلی اور نفسیاتی کیفیت عورت

میں مرد سے کم نہیں ہے ۔"

آپ نے ملاحظہ فرمایا ۔ مذکورہ بالا بیانات میں "چند زنی" اور "چند شوہری" نظام میں کوئی فرق نہیں بتایا جا سکتا ہے ۔ بس ایک ہی بات دھرائی ہے ۔ چونکہ مرد زوردار تھا لہٰذا ذاتی نفع کے لیے "چند بیویوں" کی رسم چلائی ۔ عورت آزاد تھی ۔ لہٰذا وہ اپنی کنیزی کے خلاف "چند شوہری" کو رواج نہ دے سکی ۔ ہاں مذکورہ بیان میں ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے "چند زنی" کے رواج اور "چند شوہری" کی ناکامی کا باعث مرد کی مالکیت اور عورت کی مملوکیت تھی ۔ مرد مالک سمجھا جاتا تھا اس لیے اسے ایک سے زیادہ خود ہیں یعنی متعدد اموال رکھنے کا حق تھا ۔ عورت مملوک تھی اور مملوک کو ایک مالک سے زیادہ مالک بنانے کا حق نہیں لہٰذا وہ چند شوہری نعمت سے محروم رہ گئی ۔

اتفاقاً مقالہ نگار خاتون کی رائے کے برخلاف "چند شوہری نظام" کا ناکام ہونا دلیل ہے کہ مرد عورت کو مال نہیں سمجھتا تھا ۔ کیونکہ مال میں شرکت ، چند آدمیوں کا ایک مال مل کر خریدنے اور سب کا مل جل کر ملکیتی مال سے فائدہ اٹھانے کی رسم پوری دنیا میں جاری ہے ۔ اگر مرد خواتین کو مال سمجھتے تو اس میں شرکت جائز سمجھتے اور سب مل جل کر فائدہ اٹھاتے ۔ دنیا میں کہاں کا قانون یہ ہے کہ ایک مال کا مالک ایک سے زیادہ نہ ہو ؟ اس کا جواب دیں ۔ پھر ہم سمجھیں گے کہ ایک شوہری کا فلسفہ ملکیت ہے ۔

کہتے ہیں : مرد اکائی ہے ۔ عورت اکائی ہے ۔ لہٰذا دونوں کے حقوق برابر ہونا ضروری ہے ۔ مرد چند عورتوں سے فائدہ اٹھائے اور عورت چند مردوں سے فائدہ اٹھائے ، کیوں ؟

میں کہتا ہوں : آپ کی غلط فہمی یہی ہے کہ تعدد ازدواج کو آپ حقوق مرد میں

شمار کرتی ہیں اور تعدد شوہران حقوق زوجہ میں ۔ حالانکہ تعدد زوجات حقوق زن سے متعلق ہے اور تعدد شوہراں نہ مرد کے حقوق میں ہے نہ عورت کے حقوق سے اس کا کوئی تعلق ہے یہ بات مرد کے مقاصد و منافع کے بھی خلاف ہے اور عورت کے مقاصد و منافع کے بھی حق میں اچھی نہیں ہے ہم آگے چل کر ثابت کریں گے کہ "قانون تعدد ازواج" اسلام نے عورت کے حقوق کو زندہ و ثابت رکھنے کے لیے منظور کیا ہے اگر اسلام مرد کی حمایت کرنا چاہتا تو وہی اقدام کرتا جو یورپ والوں نے کیا ہے وہاں قانون نے مردوں کو دوسروں کی عورتوں سے فائدہ اٹھانے کا حق دیا اس نے پہلی بیوی کے علاوہ سب سے بہرہ اٹھالیا، پھر ستم یہ کہ اولاد بلکہ خود اس عورت کے قانونی حقوق بھی تسلیم نہیں کیے ۔

چند شوہری، عورت کے لیے کوئی فائدہ رساں حق نہیں تھا جو اس سے چھین لیا گیا کہتی ہیں ۔ ہم مردوں کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ خواتین کے بارے میں ان کے نظریات خود ان کے پندار کے مطابق مضبوط و ناقابل تبدیلی نہیں ۔

اتفاق دیکھیے کہ ہم بھی یہی چاہتے ہیں ۔ آیندہ مقالات میں تعدد ازواج کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر واضح کریں گے، پھر اس مصنف اور دوسرے انصاف پسند صاحبان نظر سے التماس ہے کہ ان مقالات کو دیکھیں اور بتائیں کہ کیا اسلام کا نقطۂ نظر کسی تغیر ناپذیر اصل پر مبنی ہے ، یا نہیں ؟ میں ایک شریفانہ وعدہ کرتا ہوں اگر کوئی شخص اس نظریے میں کوئی عیب نکال کر دکھائے تو میں حقوق خواتین کے بارے میں اپنی پوری بحث کو نظر انداز کردوں گا ۔

تعدد ازواج کے تاریخی اسباب

(جغرافیائی علل)

۳

"چند ازواجی" رسم کے رواج پانے کے لیے، یہ عامل کافی نہیں کہ مرد ہوس پیشہ ہے اور بے چون و چرا اس کو استطاعت حاصل ہے۔ یقیناً اس کے علاوہ کچھ اور علل و اسباب بھی موثر ہوں گے، ورنہ عیاش مرد کے لیے آسان اور بے دردسری کا راستہ، پھر وہی بازار کی آزاد طوائفوں سے حاصل ہو سکتی تھی، دوست، ساتھی، معشوقہ اور آزادی کی آزادی۔ ایک پسندیدہ عورت کو بیوی بنانا، اس کے مشکوک بچے کی ذمہ داری سنبھال لینا۔

بنابریں، جن معاشروں میں "چند ازواجی" رائج تھی وہاں یا تو عیاش و ہوس پیشہ افراد کے لیے اخلاقی رکاوٹیں تھیں، یا سماج نے ہوس رانی اور تنوع طلبی کا جرمانہ یہ رکھا تھا کہ "قانونی بیوی" قبول کرے، اور اس کی اولاد کو اپنی اولاد ملنے اور سب کی دیکھ بھال کرے۔ یا پھر کچھ اور اسباب و وجوہ ہوں گے خواہ وہ جغرافیائی ہوں یا اقتصادی یا سماجی، بہرحال ہوس رانی و تنوع طلبی کا عمل دخل نہیں تھا۔

جغرافیائی عوامل

مان ٹسکو اور گستاولوبن تو جغرافیائی عوامل ہی پر زور دیتے ہیں۔ ان مفکرین کے خیال میں مشرق کی آب و ہوا کا تقاضا ہی تھا کہ ایک مرد کئی بیویاں کرے۔ مشرقی علاقوں میں عورت جلدی بالغ ہوتی ہے اور جلدی بوڑھی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے مرد کو دوسری اور تیسری

شادی کی ضرورت پڑتی ہے۔ مزید یہ کہ مشرقی آب و ہوا مرد کی جنسی قوت کے لحاظ سے کچھ ایسی ہے کہ ایک بیوی اسے کافی نہیں ہوتی۔

گوستاو لوبن، تاریخ تمدن اسلام و عرب، (ترجمہ فارسی) صفحہ ۵۰۹ پر لکھا ہے۔
مذکورہ رسم (تعدد ازدواج) فقط مشرق کی آب و ہوا کا نتیجہ تھی۔ آب و ہوا کی وجہ سے نسلی اور طرز زندگی کے خصوصیات دوسروں سے الگ ہوئے۔ یہ نہیں کہ مذہب یہ رسم لایا تھا۔ آب و ہوا، اور قومی خصوصیات ہی وہ عوامل ہیں جو روزمرہ سے زیادہ مضبوط اور اثر انگیز ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم اس بارے میں زیادہ لکھنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے۔ مشرقی عورت کی اصل فطرت و طبیعت اور اس کی ساخت، نیز بچے کی پرورش اور بیماریاں جیسے عوارض انھیں مجبور کرتے ہیں کہ وہ جلد مرد سے دوری اختیار کریں موسم، اور قومی خمیر کچھ ایسا ہے کہ مرد اس وقتی علیحدگی کو برداشت ہی نہیں کر سکتا، لہٰذا تعدد ازدواج لازمی صورت اختیار کر لیتی ہے۔"

مان تسکو، روح القوانین (فارسی ترجمہ) صفحہ ۴۳۰ پر لکھا ہے:
"جن ممالک میں گرم آب و ہوا ہے۔ وہاں لڑکیاں عموماً آٹھ نو برس کی عمر میں بالغ ہو جاتی ہیں۔ اور شادی کے بعد حمل آجاتا ہے۔ یعنی گرم علاقوں میں شادی و حمل یکے بعد دیگرے ہونے والے عمل ہیں۔"

پیریڈو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح میں کہتا ہے:
"آنحضرتؐ نے پانچ سال کی عمر میں خدیجہ رضوان اللہ علیہا سے عقد کیا اور آٹھ سال کی عمر میں ہم خوابی کی، اسی لیے گرم سرزمین کی خواتین بیس برس میں بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ جب وہ چاہتی ہیں کہ عقل کمال حاصل کرے تو بڑھاپے میں مبتلا ہو چکی ہیں ..... جن ممالک میں موسم معتدل ہوتا ہے۔ وہاں خواتین کا حسن دیر تک باقی رہتا ہے

اس کے بعد وہ اصل مدعا پر آتا ہے:

''معلوم نہیں، رنسانس کے عہد تک قرون وسطیٰ میں شوہر دار خواتین سے زنا کم تھی۔ اور جس طرح قرون وسطیٰ میں پہلوانی کے پردے میں زنا خوبصورت عمل قرار دیا گیا تھا، اسی طرح رنسانس کے دور میں یہی عمل طالب علم لڑکیوں کے واسطے، دل کشی، اور نسوانی جادوگری کے نام سے عام تھا.....

اونچے خاندانوں کی لڑکیاں، بڑی حد تک خاندان سے باہر کے مردوں سے الگ اور چھپا کر رکھی جاتی تھیں۔ شادی سے پہلے ان کو پاک دامنی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ کبھی اس تعلیم کے دوررس نتائج بھی برآمد ہوئے ہیں ایک واقعہ ہے کہ ایک جوان خاتون نے ناموس لوٹنے کے بعد دریا میں ڈوب کر خودکشی کر لی۔ مگر یہ مثال اکیلی تھی۔ کیونکہ اس کی موت کے بعد پادری کو اس کا مجسمہ بنانے کی فکر ہوئی۔

شادی سے پہلے کے قصے قابل توجہ تھے۔ رنسانس کے اٹلی میں ہر شہر کے اندر ناجائز بچوں کے وجود کی دلیل زنا کے علاوہ کیا ہو سکتی تھی۔ ناجائز اولاد کا کسی گھر میں نہ ہونا عزت کی بات تھی مگر حرامی اولاد کا وجود کوئی رسوائی کا سبب بھی نہ تھا۔ عام رواج کے مطابق شادی کے وقت ہی مرد اپنی بیوی کو ناجائز اولاد گھر میں لانے کی تشویق کرتا تھا تاکہ دوسرے گھر کے بچوں کے ساتھ وہ بھی پرورش پائے۔ حرام زادہ ہونے سے کسی کی عزت کم نہ ہوتی تھی۔ اور سماج کی طرف سے جو داغ لگایا جاتا تھا، اس کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ مزید برآں اس لڑکے کا جائز ہونا بھی مشکل نہ تھا، چرچ کے ممبروں کو رشوت دیکر سند حاصل کی جا سکتی تھی۔ اگر جائز اولاد نہ ہوتی تو باضابطہ ناجائز لڑکا تخت و تاج شاہی کا وارث بھی ہو سکتا تھا۔ اس کی مثال فرینٹ اول (FERRANTE) نیپلز (NAPLES) کے بادشاہ، الفانسو اول

(ALFONSO - I) کا جانشین ہوا - یا - لیونی لو، ڈی ایسٹے (LEO - NELLO D'ESTE) فیرارا (FERRARA) کے حکمران نکولو سوم (NICCOLO III) کا جانشین ہوا تھا - ۱۴۵۹ء میں جب پیوس دوم (PIUS - II) فیرارا آیا تو سات شاہزادوں نے اس کا استقبال کیا، یہ ساتوں شاہزادے حلال زادے نہ تھے - رانسانس کے عہد میں حلال زادوں اور حرام زادوں میں بڑی رقابت اور کشمکش رہی .... رہی ہم جنسی تعلقات کی بات تو یونان قدیم کی ایک رسم کا جبری احیا ہوا ......

سان برنارڈینو (SAN, BRNARDINO) نے یہ شرمناک عمل اتنا دیکھا کہ شہر کی قسمت کو سدوم اور عمورہ کی سرنوشت کہہ کر ڈرایا - اریٹی نیو (ARETINO) نے بھی روم میں اس بداخلاقی کا مشاہدہ اسی فراوانی سے کیا ......

دوسری فحاشیوں کے سلسلے میں بھی یہی باتیں کی جاسکتی ہیں - "اِین فسورا" (INFESSURA) کو پوپ نشین روم میں اپنے شماریات کی اہمیت بڑھانے کے شوق نے کہا ـــ ۱۴۹۰ء میں ۹۰ ہزار کی رومی آبادی تھی اور ۶۸۰۰ طوائفوں کے نام درج دفتر تھے - اور اس تعداد میں چھپ کر اور بغیر لائسنس کی طوائفوں کا شمار نہیں ہے - وینس کے شماریات ۱۵۰۹ء کے مطابق ۱۱۶۵۴ فاحشہ عورتیں تھیں جبکہ شہر کی آبادی تین لاکھ تھی .... پندرھویں صدی میں جو لڑکی پندرہ برس کی عمر تک شوہر کے گھر نہ جاسکتی تھی وہ ننگ خاندان سمجھی جاتی تھی - سولھویں صدی میں "رسوائی کی عمر" سترہ سال تک کردی گئی، تاکہ لڑکی اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکے - جن مردوں کو عیاشی کی تمام سہولتیں حاصل تھیں، وہ صرف اس وقت شادی پر مائل ہوتے تھے جب لڑکی اپنے ساتھ قابلِ کشش جہیز لائے ..... قرون وسطیٰ کے قوانین ازدواج کے مطابق، شادی کے دوران

دونوں کے تعلقات دیکھے جاتے تھے کہ میاں بیوی میں محبت پختہ ہو جائے، خوشی اور غمی، خوشحالی و تنگی میں ایک دوسرے کے ساتھی اور غمخوار رہیں، عام طور پر یہ آرزو پوری بھی ہوتی تھی۔ اس کے باوجود شادی شدہ عورتوں سے بدکاری کا رواج تھا اونچے درجے کے آدمیوں میں شادیاں ڈپلومیٹک اور سیاسی و اقتصادی اتحاد کے لئے ہوتی تھیں، بہت سے شوہر، کسی محبوب داشتہ سے تعلق اپنا حق جانتے تھے۔ بیوی کو ناگوار بھی ہوتا تو انھیں لب بند رکھنے پر مجبور ہوتی تھی۔

متوسط طبقے میں کچھ لوگ تفریحی بدکاری کو جائز سمجھتے تھے۔ میکیا ولی اور اس کے دوست اپنی بیوفائیوں کی داستانوں سے رنجیدہ نہیں ہوتے تھے۔ ایسے موقعوں پر جب بیوی اپنے شوہر کی تقلید میں شوہر ہی سے انتقام لیتی تھی تو عموماً شوہر اس کے اقدامات سے چشم پوشی کرتے اور غیرت کی ٹوپی ذرا اور اونچی کر لیتے تھے۔

جی، یہ تھی عوامی زندگی ان حضرات کی جو تعدد ازدواج کو مشرق کا ناقابل معافی جرم سمجھتے تھے اور کبھی کبھی اس علاقے کے موسم کو بقول ان کے، اس غیر انسانی عمل کا ذمہ دار قرار دیتے تھے۔ مگر ان کا علاقہ، ان کا موسم اور ان کا ماحول انھیں بیوی سے بے وفائی اور ایک بیوی سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔

ضمناً، یہ نکتہ بھی بن کہا نہ رہ جائے کہ قانونی (شرعی) طور پر کئی بیویاں رکھنے نہ رکھنے کا دستور اہل یورپ ہیں، اچھے برے سے بحث کئے بغیر اصل دین عیسوی سے غیر متعلق ہے۔ دین مسیح میں کئی بیویاں نہ رکھنے کا کوئی حکم ہے ہی نہیں۔ بلکہ حضرت مسیح تورات کے ضابطوں کی تائید کرتے ہیں اور تورات میں کئی بیویوں کو قانوناً تسلیم کیا گیا ہے۔ بنا بریں ہمیں تو یہ کہنا چاہئے کہ دراصل دین مسیح میں کئی بیویاں جائز قرار دی گئی ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پرانے مسیحی کئی کئی بیویاں رکھتے تھے۔ لہٰذا یورپ والوں کا کئی بیویوں کے قانونی نظام سے الگ رہنا ایک یا متعدد اسباب کے

مبنی ہوگا، مذہب تو علت نہیں ہے۔

ماہواری :

کچھ لوگوں نے تعدد ازدواج کا سبب بتایا ہے کہ ماہانہ بیماری، اور مدت ماہواری میں مرد کو لذت اندوزی سے روکنے کا احساس، پھر بچہ جننے سے تھکن اور عمدگی کی خواہش، بچہ کی خوراک و پرورش کا مسئلہ، ایک بیوی سے زیادہ تقاضا کرتا ہے۔

ویل ڈیورانٹ کے بقول:

"ابتدائی معاشروں میں بیوی جلدی بوڑھی ہوجاتی ہے اور مرد سے دوسری شادی کی خواہش کرتی ہے تاکہ اپنے بچوں کے کھانے پینے کا انتظام کر سکے اور تولید اولاد میں درمیانی فاصلہ بڑھا سکے اور مرد کے شوق تولید اور جنسی عمل بیمار کاوٹ نہ بنے۔ عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ پہلی بیوی، اپنے شوہر سے دوسری شادی کی فرمائش اس لئے بھی کرتی تھی کہ اس کا کام ہلکا ہو، اور نئی خاتون سے بچے ہوں۔ جس سے فائدہ اور سرمایہ بڑھے۔"

بلاشبہ، عورتوں کی ماہانہ بیماری، اور بچہ جننے سے تھکن، کی بنا پر جنسی عمل میں دونوں دو الگ سمتوں میں واقع ہوتے ہیں، اس بنیاد پر مرد کو کچھ نہ کچھ دوسری عورت کا خیال آتا ہے لیکن دونوں مذکورہ علتیں مستقل سبب تعدد ازواج نہیں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اخلاقی یا سماجی رکاوٹ موجود ہو جو مرد کو اس کی آرزو پورا کرنے اور معشوق بنانے یا آزاد زن پرستی کا عمل نہ کرنے دے۔

خواتین کی زچگی کا سن محدود ہوتا ہے

بعض حضرات کے خیال میں مرد کے برخلاف خواتین کی تولیدی قوت ایک خاص

عمر تنگ رہتی ہے۔ پھر وہ "یائسہ" ہو جاتی ہے، یہ بھی تعدد ازواج کی وجہ ہے۔ ہو سکتا ہے بیوی اس وقت "یائسہ" ہو جب یا تو شوہر کے یہاں اولاد کافی نہ پیدا ہوئی یا وہ بچے فوت ہو چکے ہوں۔

مرد کا رجحان فرزند طلبی، اور بیوی کو طلاق نہ دینے کا خیال سبب ہوتا ہے کہ دوسری یا تیسری بیوی گھر میں لائے۔ جیسے پہلی بیوی کا ناقابل تولید ہونا شوہر کے لئے دوسری بیوی کا محرک ہے۔

اقتصادی اسباب

تعدد ازواج کے اقتصادی اسباب و عوامل کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں، اس زمانے کے برعکس پرانے زمانے میں زن و فرزند کی کثرت اقتصادی طور پر مرد کے لیے نفع بخش چیز تھی۔ مرد، اپنے بیوی بچوں سے غلاموں کی طرح بیگار لیتا تھا، کبھی اپنے بچوں کو بیچتا بھی تھا۔ بہت سے افراد کی غلامی، جنگی قیدی ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے باپوں نے انھیں بازار میں لے جا کر بیچا تھا۔

تعدد ازواج کی یہ توجیہ ممکن ہے صحیح ہو، کیونکہ فقط یہی ایک طریقہ ہے کہ مرد قانونی بیوی کے ذریعے کثرت اولاد سے فائدہ اٹھائے، محبوباؤں کی تلاش اور رنڈی بازی سے مرد یہ خصوصیت حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اس سبب کو ہر ایسے معاشرے میں موثر نہیں مانا جا سکتا، جہاں کثرت ازواج کی رسم موجود ہو۔ یعنی یہ سبب عام سبب نہیں ہے۔

فرض کریں کہ شروع شروع میں اقوام و قبائل اسی وجہ سے متعدد شادیاں کرتے تھے، لیکن سب قومیں ایسی نہ تھیں۔ پرانی دنیا میں کئی بیویاں رکھنے کی رسم اس طبقات میں رائج تھی۔ جو شان و شوکت، شخصیت و امتیاز کے ساتھ زندگی گذارنے

والے تھے۔ بادشاہ، امیر، سردار، مذہبی رہنما اور خاص تاجر جیسے لوگ۔
معلوم ہے کہ یہ طبقات بیویوں اور اولاد کی فراوانی سے کوئی اقتصادی فائدہ حاصل نہیں کرتے تھے۔

تعدد و خاندان ایک سبب

کثرت اولاد اور خاندان کی نفری بجائے خود ایک اور عامل تھا کہ کئی شادیاں کی جائیں۔ زن و مرد کو دو مختلف جہتوں اور دو فرق مراتب رکھنے والی ایک بات یہی ہے کہ ایک عورت جس تعداد میں بچے پیدا کر سکتی ہے وہ محدود اور گنتی کے ہیں، خواہ ایک شوہری نظام ہو یا چند شوہری۔ لیکن مرد کی قوت تولید، زیر اعتبار عورتوں کی تعداد پر منحصر ہے ممکن ہے ایک مرد سیکڑوں عورتوں سے ہزاروں بچے پیدا کروا سکے۔

آج کی دنیا کے برخلاف، پرانے زمانے میں ایک اور اہم عامل یہ تھا کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ لڑکیوں کی شرح پیدائش لڑکوں سے زیادہ نہ اس وقت تھی نہ اب ہے۔ اگر اتفاقاً کچھ علاقوں میں لڑکیوں کی شرح پیدائش زیادہ ہو بھی تو دوسرے علاقے میں اس کے برعکس ہے وہاں لڑکوں کی شرح پیدائش لڑکیوں سے زیادہ ہوگی۔ ایک چیز ضرور ہے اور وہ ہے مردوں کی شرح موت کا عورتوں سے زیادہ ہونا۔ مردوں کی شرح اموات ہمیشہ ایک سبب رہا ہے کہ اگر ایک بیوی کے دستور پر قائم رہا جائے تو عورتوں کی بڑی تعداد، قانونی شوہر، گھر، زندگی اور جائز اولاد سے محروم رہے گی۔

ابتدائی زمانے کے معاشرے میں ایسا ہی تھا، بحث کی بات ہی نہیں، ہم ویل ڈیورانٹ کی رائے نقل کر چکے ہیں کہ:

سماج کی پہلی منزل میں جنگ و شکار کی وجہ سے مردوں کی زندگی خطرے میں رہتی تھی۔ اور مرد، عورتوں سے زیادہ مرتے تھے۔ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہوتی تھی۔ اسی سبب یا کئی بیویوں کا نظام رواج پاتا یا عورتیں بے شوہر کے رہتیں۔

تحقیق

تاریخی لحاظ سے جن عوامل و اسباب کو "تعدادازدواج" کی اساس مانا جا سکتا ہے وہ یہی ہیں جو ہم نے بیان کیے۔ لیکن جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ان عوامل و اسباب میں کچھ علتیں حقیقی نہیں، تعدد ازدواج کے ذیل میں ان کا تذکرہ بلا وجہ کیا جاتا ہے، جیسے موسم۔ اس کے علاوہ مزید تین قسموں کے علل و اسباب کا مزید جائزہ لیجیے۔

پہلی قسم ان علل و اسباب کی ہے، جن کے اثر سے مرد تعدد ازدواج کی طرف مائل ہونا ممکن ہے، یعنی مرد کے لئے وجہ جواز تو کوئی نہیں۔ مگر زور و ظلم و استعداد کا پہلو قوی ہے۔ اقتصادی عامل بھی اسی قسم کا ہے، اور ہم اس پر توجہ دلا چکے ہیں۔

دوسرے علل کا قانونی زاویہ سے مطالعہ کرنا چاہئے، ہو سکتا ہے کہ وہاں کوئی وجہ جواز مرد یا معاشرے کے واسطے موجود ہو ــــ مثلاً بیوی کا بانجھ ہونا یا اس کا "یائسہ" (ماہواری بند ہونے کی عمر کی عورت ہونا) دوسری طرف شوہر کا محتاج فرزند یا قبیلے اور ملک کا طالب کثرت آبادی ہونا۔ یہاں کلیہ کے طور پر زن و مرد کی فکری عوامل کو اس زاویے سے دیکھا جائے گا کہ جنسی آسودگی یا تولید نسل کی بنیاد پر دونوں کی نوعیت غیر مساوی ہے۔ اسی پہلو کو تعدد ازدواج کے لئے وجہ جواز قرار دیا جا سکتا ہے۔

تیسرے علل کا وہ حصہ ہے، جسے تیسری نوع میں اس وقت شمار کیا جا سکے گا

جب یہ فرض کرلیں کہ وہ گذشتہ صدیوں میں موجود بھی تھے ، یا آج وہ علل موجود ہیں ان میں سے بعض اسباب تو اتنے موثر ہیں کہ نہ صرف وہ تعدد ازواج کا جواز مہیا کرتے ہیں بلکہ اس سے تو مرد پر عورت کا ایک واجب الادا حق عائد ہوتا ہے اور فقط عورت ہی نہیں ، معاشرے اور سماج کی ذمہ داری بھی یہی ہوگی کہ مرد کئی شادیاں کرے ، اس کی علت عورتوں کی عددی اکثریت ہے ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فرض کریں گذشتہ دور یا موجود زمانے میں شادی کے قابل لڑکیاں ، شادی کے قابل لڑکوں سے زیادہ ہوں اور ایک شادی ہی قانونی قرار دی جائے ۔ تو بن بیاہی اور گھریلو زندگی سے محروم خواتین کا ایک طبقہ سماج میں موجود ہوگا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تعدد ازواج ، محروم عورتوں کی طرف سے ایک "حق" اور مردوں اور گھریلو عورتوں کے کاندھے پر ایک قانونی پابندی آپڑے گی ، کہ بن بیاہی اور عائلی زندگی سے محروم عورتوں کو آباد کریں تاکہ وہ بھی خانگی زندگی حاصل کرسکیں ۔

گھریلو زندگی سب سے زیادہ انسان کا فطری حق ہے ۔ کسی بشر کو کسی نام اور کسی عنوان سے اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا ۔ خانگی زندگی ایک حق ہے جو ، ہر فرد اپنے معاشرے میں پیدا کرتا ہے اور معاشرہ کوئی ایسا اقدام نہیں کرسکتا جس کے نتیجے میں سماج کا کوئی گروہ اس حق سے محروم رہ جائے ۔ اس حق کی نظیر ، روزگار ، روٹی ، کپڑا ، مکان ، تعلیم و تربیت اور آزادی ، ہر بشر کا اولین حق اور حقیقی حق ہے ۔ یہ حق کسی نام و عنوان سے چھینا نہیں جا سکتا ۔ عائلی زندگی بھی ایک فطری حق ہے اور جب شادی کے قابل عورتوں کی تعداد شادی کے لائق مردوں کی نفری سے زیادہ ہو تو "صرف ایک بیوی" کا قانون ، مذکورہ فطری حق کے خلاف ہے لہذا یہ قانون بھی حقوق فطری بشر کے خلاف ہوگا ۔

٭ ٭ ٭

ماضی کے بارے میں تو یہ سب کچھ ہوگیا، سوال یہ ہے کہ آج کیا کہا جائے؟
کیا آج بھی ان اسباب کا وجود ہے جن کی بنا پر کئی بیویاں رکھنے کا جواز نکلتا ہے
اور وہ علت بھی موجود ہے جو تعدد ازدواج کو بطور "حق" فرض کرتی ہے۔ یا آج
ان چیزوں کا وجود نہیں ہے۔

مقصد یہ ہے کہ اگر یہ مؤثر اسباب موجود ہیں تو پہلی بیوی کا حق کیا ہوگا؟
ان سوالوں کے جواب آئندہ فصل میں آرہے ہیں۔

کئی بیویوں کی صورت میں عورت کا حق

"ایک بیوی کئی شوہر" کی رسم ختم و ناکام ہونے، نیز "ایک شوہر کئی بیویاں" کی کامیابی کے اسباب و علل پر گفتگو ہو چکی۔ ہم نے "تعدد ازواج" کی رسم شروع ہونے پر متعدد اسباب بیان کیے اور ان پر روشنی ڈالی۔ اس کا ایک سبب جنس مرد کے نفسیات میں حکومت و استبداد کا جذبہ ہے۔ ایک وجہ زن و مرد میں فطری ساخت کا فرق ہے، دونوں میں سن و سال کے لحاظ سے تولید نسل کی صلاحیت، اور تولید فرزند کی تعداد میں امکانات کا اختلاف بھی "تعدد ازواج" کا جواز بن سکتا ہے۔

لیکن جو خاص "علت" پوری تاریخ میں اثر انداز رہی ہے وہ ہے "تعدد ازواج" عورت کا مرد پر ایک "حق" اور براہ راست مرد کا ایک "فرض" ہے۔ اور وہ علت ہے "قابل نکاح خواتین کی عددی کثرت اور شادی کے قابل مردوں کی کمی ہے۔

ہم طول کلام سے بچنے کے لیے ان علتوں پر بحث چھوڑ رہے ہیں جو اگرچہ "وجوب چند زنی" کے لیے کافی نہیں مگر مرد کے لیے "وجہ جواز" ضرور ہیں۔ ہم اپنی گفتگو اس "علت" پر محدود کرتے ہیں کہ اگر وہ علت موجود ہو تو "تعدد ازواج، عورتوں کے لیے ایک "حق" ضرور بنتا ہے۔

مذکورہ دعوے کے ثبوت سے پہلے دو باتیں بطور تمہید واضح ہونا ضروری ہیں:

۱۔ حتمی و یقینی شماریات کی رو سے یہ ثابت ہونا چاہیے کہ قابل شادی عورتوں کی تعداد، شادی کے قابل مردوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔

۲۔ اگر ایسی سند مل جائے تو حقوق انسانی کی رو سے محروم خواتین کا ایک حق، مردوں اور خانگی عورتوں کے ذمے عائد ہو جائے گا۔

پہلی بات: خوش قسمتی سے، آج کی دنیا کے پاس، اس بارے بڑی حد تک صحیح شماریات موجود ہیں۔ دنیا بھر کے ممالک چند سال بعد مردم شماری کرتے ہیں۔ مردم شماری کی مہم ترقی یافتہ ملکوں میں بڑے اہتمام سے انجام دی جاتی ہے۔ اس طرح مرد و زن کی الگ تعداد ہی نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس سے مختلف برسوں میں عورت و مرد کی اوسط تعداد بھی دریافت ہوتی ہے۔ مثلاً یہ بھی علم میں آجاتا ہے کہ ۲۰ سے ۲۴ سال کے لڑکوں کی تعداد کیا ہے اور اسی عمر کی لڑکیاں کتنی ہیں؟ ہر عمر کے افراد معلوم ہو سکتے ہیں۔ ادارہ اقوام متحدہ، اپنے سال مردم شماری میں ان اعداد و شمار کی اشاعت کرتا ہے۔ غالباً اب تک سولہ رپورٹیں شائع ہو چکی ہیں۔

۱۹۶۴ء کی مردم شماری کی رپورٹ ۱۹۶۵ء میں چھپی تھی۔ اس نکتہ پر توجہ دلانا ضروری ہے کہ ثبوت مدعا کے لیے، ہر ملک کے مردوں کی تعداد اور عورتوں کی مجموعی تعداد کیا ہے، یہی جاننا کافی نہیں ہے۔ مفید و لازم تو یہ معلوم کرنا ہے کہ شادی کے قابل لڑکوں اور شادی کے قابل لڑکیوں کی اوسط کیا ہے؟ کیونکہ قابل شادی مردوں اور شادی کے قابل عورتوں کی تعداد ان کے مجموعی اوسط سے عموماً مختلف ہو گی۔ اس کے سبب دو ہیں:

۱۔ لڑکیوں کے بلوغ کا زمانہ، لڑکوں کے زمانۂ بلوغ سے پہلے آتا ہے، جب ہی تو دنیا بھر کے قوانین میں لڑکیوں کا قانونی سن لڑکوں کے قانونی سن سے کم ہے عملی طور پر دنیا کی اکثریت میں شادی کے وقت لڑکی کی عمر لڑکے سے کم از کم پانچ سال چھوٹی ہوتی ہے اور شوہر اوسطاً بیوی سے پانچ برس بڑے ہوتے ہیں۔

۲۔ سب سے اہم اور بنیادی علت یہ ہے کہ اگرچہ لڑکیوں کی پیدائش، لڑکوں کی پیدائش سے زیادہ نہیں ـــ ہو سکتا ہے، چند علاقوں میں تو لڑکوں کی پیدائش

کی شرح زیادہ ہوسکتی ہے۔ لیکن بحیثیت جنس ذکور کی موت کا اوسط جنس اناث سے زیادہ ہے،
اس سے شادی کی عمروں میں فرق پڑجاتا ہے اور کبھی تو بہت زیادہ فرق نظر آنے لگتا ہے
یوں شادی کے قابل عورتوں کی تعداد، شادی کے قابل مردوں سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے
لہٰذا ممکن ہے، ایک ملک میں ذکور کی تعداد اناث کی مجموعی تعداد سے مساوی یا زیادہ ہو، لیکن
شادی کے قابل درجے ہیں، یعنی شادی کے قانونی عمر تک پہنچتے پہنچتے صورت حال برعکس ہوجائے

مردم شماری کی رپورٹ ۱۹۶۴ء جو اقوام متحدہ کا اس بارے میں آخری نشریہ ہے،
(جب زیر نظر بحث لکھی گئی تھی) اس سے ہمارے دعوے کی تصدیق ہوتی ہے۔

مثلاً اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق کوریا کی مجموعی آبادی ۲۶٫۲۷۷٫۶۳۵ تھی
ان میں مردوں کی تعداد ۱۳٫۱۴۵٫۲۸۹ تھی اور خواتین کی تعداد تھی ۱۳٫۱۳۲٫۳۴۶۔
یعنی کل آبادی میں سے ۱۲۹۴۳ مرد، عورتوں سے زیادہ تھے۔ اس تعداد میں ایک سال
سے کم عمر کے بچے، ایک سال سے ۴ برس تک اور پانچ برس سے نو برس تک اور بارہ برس سے
چودہ، پندرہ سے انیس برس تک کی عمر کے بچے بھی شریک ہیں۔

شماریات بتاتے ہیں کہ ان عمروں میں ذکور کی تعداد اناث سے زیادہ ہے۔
لیکن بیس برس سے چوبیس برس تک کے ٹولے میں یہ نسبت بدل جاتی ہے۔ اس سن میں
۱٫۰۸۳٫۳۶۴ ذکور اور ۱۱۱۰۰۵۱ عورتیں۔ اور اس کے بعد قانونی شادی کے لئے
زن و مرد کی عمروں کا حساب کریں تو عورتیں، مردوں سے زیادہ نکلتی ہیں۔

جمہوری کوریا کے شماریات استثنائی ہیں، وہاں مردوں کی مجموعی تعداد،
عورتوں سے زیادہ ہے۔ اس کے برخلاف اکثر ممالک میں عورتوں کی تعداد مردوں سے
زیادہ ہے، یہ زیادتی، شادی کی عمر کے حساب سے بھی برقرار رہتی ہے۔

روس کی مجموعی آبادی ۲۱۶٫۱۰۱٫۰۰۰ ہے، اس میں مرد ۹۷٫۸۴۰٫۰۰۰ عورتیں
۱۱۸٫۲۶۱٫۰۰۰ ہیں۔ یہ فرق شادی سے پہلے کی عمر تک ہے، شادی کی عمر، یعنی بیس سال

سے چوبیس سال، اور پچیس سال سے انتیس، تیس سے چونتیس، نیز اسی برس سے چوراسی سال تک یہی نسبت برقرار رہتی ہے۔

انگلستان، فرانس، مغربی جرمنی، مشرقی جرمنی، چیکوسلواکیہ، پولینڈ، رومانیہ، ہنگری، امریکہ اور جاپان میں یہی تناسب ہے۔ بعض علاقے ایسے ہیں جہاں اختلاف ہے مثلاً مشرقی و مغربی جرمنی میں فرق تناسب زیادہ نمایاں ہے۔

ہندوستان میں، عام طور پر اور عمر ازدواج میں خاص طور پر مردوں کی تعداد عورتوں سے زیادہ ہے۔ البتہ پچاس برس اور اس کے اوپر عورتیں زیادہ، مرد کم ہو جاتے ہیں، بظاہر عورتوں کی کمی کا سبب ہندوستان کی وہ قدیم رسم ہے کہ جس میں بیوہ کو معاشرے سے ختم کر دیا جاتا ہے۔

گزشتہ سال ایران کی مردم شماری میں یہ بات سامنے آئی کہ ایران استثنائی ملک ہے جہاں مردوں کی تعداد عورتوں سے زیادہ ہے اس رپورٹ کے مطابق ایران کی مجموعی آبادی ۲۵,۷۸۱,۰۹۰ ہے۔ اس میں سے مردوں کی تعداد ۱۳,۳۳۷,۴۳۴ ہے اور عورتیں ۱۲,۴۴۳,۶۵۶ ہیں۔ گویا ان میں ۸۹۳,۷۷۸ مرد، عورتوں سے زیادہ ہیں۔

مجھے یاد ہے، ان دنوں تعدد ازدواج پر بحث کرنے والوں نے لکھا تھا۔ دیکھیے، تعدد ازواج کے حامیوں کے دعوے کے برخلاف، ہمارے ملک میں مردوں کی تعداد، عورتوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔ اس بنا پر قانونِ تعدد ازدواج کو ختم کر دینا چاہیے۔

مجھے ان دنوں تعجب ہوا تھا کہ یہ لکھنے والے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ پہلے تو قانونِ تعدد ازدواج ایران ہی سے مخصوص نہیں۔ دوسرے یہ کہ موضوع سے مربوط و مفید بات تو یہ ہے کہ آیا شادی کے قابل مرد، ان عورتوں سے زیادہ ہیں جو شادی کے لائق ہیں، یا کم ہیں؟ فقط یہ کہنا کہ مردوں کی تعداد، عورتوں سے زیادہ ہے، زیرِ نظر مقصد کے لیے کافی نہیں ہے۔ ابھی دیکھا ہے کہ جمہوری کوریا اور دوسرے ممالک میں بھی مرد زیادہ ہیں۔

لیکن شادی کے قابل افراد کی نسبت سے مردم شماری کی رپورٹ دیکھی تو عورتوں کی تعداد زیادہ نکلی۔ ایران جیسے ممالک کی مردم شماری کے قابل اعتبار نہ ہونے سے قطع نظر، اگر صرف ایران میں عورتوں کے رجحان بسرزائی کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایرانی عورت مردم شماری کے آدمیوں کے جواب میں لڑکی پیدا ہونے کی جگہ، یہی کہیں گی کہ ان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور وہ لڑکا ہی لکھوائیں گی۔ یہی بات، مردم شماری کی رپورٹ سے اعتماد اٹھانے کے لیے کافی ہے۔ ملک میں ہر جگہ منگنیوں اور رشتہ مانگنے کی رسم جس کثرت سے ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں شادی کے قابل لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہے، کیونکہ تعدد ازواج کی رسم اس ملک کے شہروں اور دیہاتوں حتیٰ کہ قبائل میں بھی عام تھی اور اب بھی ہے کبھی کسی نے یہ محسوس نہیں کیا کہ یہاں خواتین کم ہیں۔ کبھی عورت کی بلیک مارکیٹ نہیں ہوئی، اس کے برعکس ہمیشہ رشتے کی خواہش کے چرچے عام رہے۔ لڑکیاں، بیوہ خواتین، یا کسی وجہ سے شادی سے محروم جوان عورتیں مجرد مردوں سے زیادہ موجود ہیں۔ بدصورت و غریب مرد بھی شادی کی طلب گاری کے لیے نکلے ہیں تو ناکام نہیں ہوئے، مگر لڑکیوں کی صورت اس کے برعکس ہے اور بے چاری لڑکیاں مجبوراً بے شوہر کے رہ گئی ہیں۔ یہ بات اتنی عام اور ہر جگہ ہوتی ہے کہ ہر رپورٹ اور شماریات سے زیادہ یقینی ہے۔

"اشلی مونٹیگیو" نے "زن جنس برتر" میں ایک بے معنی بحث "عورت کا آرائش پسند ہونا سماجی مطالبہ کا نتیجہ ہے" اور اسی ضمن میں اس نے کہا۔ پوری دنیا میں، ہمیشہ شادی کے قابل عورتوں کی تعداد زیادہ رہی ہے۔"

۱۹۵۰ء کی مردم شماری سے نشاندہی ہوتی ہے کہ امریکہ میں شادی کے قابل عورتوں کی تعداد اندازاً دس لاکھ، تیس ہزار اور چار سو ہے، یہ تعداد مردوں سے زائد ہے۔

(زن روز شمارہ ۶۹ صفحہ ۱۱)

برٹینڈرسل نے شادی واخلاق پر جو کتاب لکھی ہے، اس میں بحث میں صفحہ ۱۱۵ پر لکھا ہے :۔

"آج کے انگلستان میں بیس لاکھ سے زیادہ ایسی خواتین ہیں جو مردوں سے زیادہ ہیں اور روزمرہ کے مطابق ان کو ہمیشہ بے اولاد رہنا ہے۔ اور یہ ان کی بڑی محرومی ہے۔"

چند سال پہلے ایرانی اخبارات میں یہ خبر پڑھی تھی کہ جرمن میں جنگ عظیم دوم کے نتیجے میں بے شوہر عورتوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ "قانونی شوہر اور گھریلو زندگی سے محرومی کے سبب ان عورتوں نے حکومت سے "یک شوہری" قانون کے خاتمے کا مطالبہ کیا تاکہ ایک شوہر کئی کئی شادیاں کر سکے۔ حکومت نے اسلامی دانشگاہ "الازہر" سے سرکاری طور پر کوئی فارمولا طلب کیا۔ پھر ہم نے دریافت کیا تو اطلاع ملی کہ چرچ نے اس کی بڑی مخالفت کی۔ دراصل کلیسا کی نظر میں خواتین کی محرومی یا بدکاری کی فراوانی صرف اس لئے قابل قبول ہے کہ تعدد ازدواج ایک مشرقی و اسلامی فارمولا ہے اور اسے کسی حالت میں قبول نہ کرنا چاہئے۔

شادی کے قابل عورتوں کی مردوں کے مقابلے میں عددی کثرت کے علل واسباب

کیا علت ہے ؟ کیا وجہ ہے کہ لڑکوں کی شرح پیدائش لڑکیوں سے زیادہ ہونے کے باوجود شادی کے لائق عورتیں مردوں سے زیادہ ہیں ؟

اس کی علت و وجہ ظاہر ہے ـــ مردوں کی شرح اموات عورتوں کی شرح اموات سے زیادہ ہے۔ جانی نقصانات کا زمانہ عموماً وہ عمر ہے جب مرد شادی کے قابل ہوتا ہے یا اس کے قریب، ناگہانی حادثات پر غور کریں۔ اور حوادث پر نظر ڈالیں جنگ غرق۔ بلندیوں سے گرنا۔ عمارتوں میں دبنا۔ ٹکر یا ایکسیڈنٹ۔ جیسے حادثات جنس ذکور سے زیادہ متعلق ہوتے ہیں۔

بہت کم ایسے حادثات ہیں عورت دکھائی دیتی ہے۔ انسان کا انسان سے مقابلہ

یا انسان کا فطرت سے تصادم ہر جگہ نقصان مرد کا ہوتا ہے۔ فقط جنگ ہی کا مطالعہ کریں تو اول تاریخ بشریت سے آج تک کوئی زمانہ ایسا نہیں جب کسی نہ کسی علاقے میں جنگ نہ ہو اور مرد کو جانی نقصان نہ اٹھانا پڑیں۔ یہی بات مکمل جواب ہے کہ شادی کی عمر میں زن و مرد کا توازن کیوں باقی نہیں رہتا۔

صنعتی عہد میں جنگی نقصانات کا تناسب اس جنگ سے کئی سو گنا بڑھ گیا ہے جو زرعی اور شکاری دور میں ہوتی تھی۔ آخری دونوں عظیم جنگوں میں جنس ذکور کا جانی نقصان تقریباً سات کروڑ افراد تک پہنچا تھا۔ یہ تعداد کئی صدیوں پہلی بے شمار لڑائیوں کے برابر ہوگی اب ان آخری برسوں میں ہونے والی لڑائیوں ہی کو دیکھئے جو مشرق بعید، مشرق وسطیٰ، افریقہ میں ہو رہی ہیں۔ وہاں جو کچھ گذر رہا ہے اس سے ہمارے دعوے کی تصدیق ہوگی۔

ویل ڈیورانٹ کہتا ہے:۔

"تعدد ازواج کی رسم کے زوال میں چند عوامل کا دخل ہے۔ کاشتکاری کی زندگی جس میں سکون و قرار رہے، اس سے مردوں کی زندگی میں اضطراب و خطرات و خلفشار کم ہو گیا۔ اسی وجہ سے مرد و زن تقریباً مساوی ہو گئے۔"

ویل ڈیورانٹ کے قلم سے عجیب بات دیکھی، یعنی اگر مردوں کا جانی نقصان فقط فطرت سے ٹکراتے کی بنا پر تھا، جب تو شکاری زندگی اور کاشتکاری زندگی میں فرق تھا۔ کیونکہ جنس ذکور کا نمایاں اتلاف جنگ سے ہوتا ہے۔ اور یہ صورت کاشتکاری زندگی میں شکاری زندگی سے کم نہ تھا، دوسرے یہ کہ مرد، ہمیشہ عورت کو اپنی نگہداشت میں رکھتا رہا اور جان جوکھوں کے کام خود انجام دیتا رہا ہے، بنابریں عہد کاشتکاری میں بھی اسی طرح غیر متوازن تھا، جیسے دور شکار میں تھا۔

ویل ڈیورانٹ مشینی دور کی بات صنعتی عہد کا نام نہیں لیتا، حالانکہ یہ عہد مردوں کی جان ضائع کرنے میں سب سے بڑھ کر ہے اور توازن کو نمایاں طور پر سامنے لاتا ہے۔

بیماریوں سے خواتین کی قوّت مدافعت

مرد کے جانی اتلاف، عورت کے جانی نقصان سے زیادہ ہونے کا ایک سبب

نئے علوم کی ترقی کے نتیجے میں دریافت ہوا ہے وہ موضوع یہ ہے کہ بیماریوں سے مرد کا مقابلہ عورت سے کمزور ہے، لہذا بیماریوں میں مرد زیادہ مرتے ہیں اور خواتین کم۔

دی ماہ ۱۳۳۵ ش (۵۶ ۱۹ء/ ۵۷ ۱۹ء) کے روزنامہ "اطلاعات" تہران میں تھا:

"ادارۂ شماریات فرانس کے مطابق، فرانس میں لڑکوں کی شرح پیدائش لڑکیوں سے زیادہ ہوتے یعنی سو لڑکیوں کے مقابل ایک سو پانچ لڑکے پیدا ہوتے کے باوجود، عورتوں کی تعداد سترہ لاکھ پینسٹھ ہزار (۱۷۶۵۰۰۰) نفر مردوں سے زیادہ ہے۔ اس کا سبب یہ بتایا گیا کہ خواتین مردوں سے زیادہ بیماریوں کا مقابلہ کرتی ہیں۔"

رسالہ "سخن" جلد ۶ شمارہ ۱۱ میں ایک مقالہ چھپا ہے ــــ

"زن در سیاست و اجتماع" یہ مضمون، یونیسکو کے باتصویر ماہنامے کے ایک مقالے کا ترجمہ ہے، ڈاکٹر زہرا خانلری نے "اشلی مونتاک" سے نقل کیا ہے:

"عملی نقطۂ نظر سے عورت کی فطرت مرد کی فطرت پر فوقیت رکھتی ہے۔ X کروموزوم (CHROMOSOME) جنس مادہ ہیں، کروموزوم Y جنس نر سے زیادہ طاقت ور ہیں۔ اسی وجہ سے عورتوں کی عمر مردوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ خواتین کی اوسط عمر مردوں سے زیادہ ہے، عورت عام طور پر مرد سے زیادہ تندرست ہوتی ہے، بہت سی بیماریاں وہ مردوں سے زیادہ مقابلہ کر کے جھیل جاتی ہے۔ علاج کا اثر بھی جلدی قبول کرتی ہے۔ عورت ایک گونگی اور مرد پانچ گونگے، زنگوں کی ایک نابینا عورت کے مقابلے، زنگوں کے سولہ اندھے مرد، دیکھے گئے ہیں۔ نزف الدم "HAEMORRHAGE" ہیمرج کی تکلیف، تقریباً مردوں کو ہی

ہوتی ہے ۔ حادثات سے مقابلہ کرنے میں عورت زیادہ مضبوط ہے ۔ آخری جنگ عظیم میں ہر جگہ دیکھا گیا ہے کہ ایک جیسے حالات میں، مرد سے بہتر عورتوں نے مقابلہ کیا ہے ۔ محاصرہ ۔ قید ۔ قیدیوں کے کیمپ میں مردوں سے زیادہ ..... قریب قریب ہر ملک میں مردوں کی خودکشی عورتوں سے تگنی ہے ۔

.... "

"زن جنس برتر" میں، اشلی مونتاگ کا نظریہ اس سے زیادہ واضح ہوا ہے ۔ جناب حسام الدین امامی کا ترجمہ شمارہ ۸۷، رسالہ "زن روز" میں چھپ چکا ہے ۔

بیماریوں کا زیادہ دلیری سے مقابلہ کرنے کی نسوانی قوت کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک دن مرد قوت حاصل کر کے عورت سے انتقام لے ۔ اور اسے خطرناک اور بھاری کاموں میں لگا دے جس سے وہ موت سے دوچار ہو، خصوصاً اسے میدان جنگ میں لے جا کر اس کے تن نازنین کو گولیوں کا نشانہ بنوا دے یوں اس کو ان کاموں کا مزہ چکھائے ۔ اس کے بعد بھی بیماریوں سے مقابلے کی قوت مدافعت کی وجہ سے جنس زن و مرد کا توازن محفوظ نہ رہے گا ۔

یہ سب باتیں، پہلی تمہید اور پہلے مقدمے سے متعلق تھیں، یعنی شادی کے قابل عورتوں کی نسبت مردوں کی تعداد سے زیادہ ہے ۔ معلوم ہوا کہ واقعتاً، یہ بات حقیقت رکھتی ہے، اور اس کی علت بھی واضح ہو گئی ۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ علت یا اسباب آغاز تاریخ بشر سے موجود تھے اور آج بھی ہیں ۔

کئی بیویوں کی صورت میں عورت کا حق

رہی تمہید کی دوسری بات ۔ یعنی، شادی کے قابل عورتوں کی فراوانی اور شادی کے قابل مردوں کی کمی سے طبقۂ خواتین کا ایک "حق" پیدا ہوتا ہے ۔ یہ حق شادی شدہ عورت و مرد کے ذمے ہے:

انسانی حقوق میں عائلی زندگی کے فطری و حقیقی حق ہونے میں تو کوئی جائے حرف زدن نہیں ہے۔ زن و مرد میں سے ہر ایک کا عائلی زندگی بسر کرنا ایک حق ہے۔ مرد ہے تو بیوی، عورت ہے تو شوہر اور اولاد سے بہرہ ور ہونا ایسا ہی حق ہے جیسے مکان، تعلیم و علاج و معالجہ، امن و آزادی کے حقوق ہیں۔

سماج کو اس معاملے کسی رکاوٹ ڈالنے کا حق نہیں بلکہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان حقوق کو فراہم کرے۔

ہمارے نزدیک "منشور حقوق انسانی" میں ایک بہت بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں "حق شادی" پر دھیان نہیں دیا گیا ہے۔ حق آزادی، حق امن، مؤثر قومی عدالتوں سے رجوع کا حق، حق قومیت، حق ترک قومیت، ہر مذہب و قوم سے شادی کرنے کا حق، مالکیت کا حق، اتحادی ادارے بنانے کا حق، سکون و راحت کا حق، تعلیم و پرورش کے حق، تو یاد رکھے ہیں۔ لیکن "عائلی زندگی کے حق کا تذکرہ چھوڑ دیا ہے۔ یعنی خاندانی مرکزیت بنانے کا حق اور اس کے قانون بات ہی نہیں ہے۔ حالانکہ یہ حق عورت کی بہت سے بہت اہمیت رکھتا ہے، عورت کو مرد سے زیادہ گھریلو مرکزیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مقالہ نمبر ۲۷ میں کہہ چکا ہوں، شادی، مرد کے لیے مادی لحاظ سے اور عورت کے واسطے جذباتی و نفسیاتی لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ مرد اگر گھر کو چھوڑ دے تو عیاشی و یاربازی کے ذریعہ آدھے ضروریات پورے کر سکتا ہے۔ مگر خاندان اور "گھر" کی اہمیت عورت کے لیے ان باتوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے۔ عورت اگر عائلی فضا کو بیٹھے تو عیاشی و یاربازی سے اپنے مادی و نفسیاتی ضروریات سے تھوڑا بہت بھی مطمئن نہیں ہو سکتی۔

عائلی زندگی کے حق کا مطلب مرد کے نزدیک ایک فطری خواہش کی آسودگی، ایک ہمسر، شریک زندگی اور نیک دل ساتھی اور قانونی اولاد رکھنے کا حق ہے۔ لیکن عائلی

زندگی رکھنے کا مطلب، عورت کی اصطلاح میں نام ہے۔ مذکورہ باتوں کے علاوہ یک حامی و سرپرست رکھنے کا۔ جذبات کی حمایت رکھنے کا۔

ان دو تمہیدوں (مقدموں) کے اثبات کے بعد:

۱۔ عورتوں کا عددی تناسب مردوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

۲۔ عائلی زندگی انسانی فطرت کا ایک حق ہے۔

نتیجہ۔ اگر ایک بیوی ہی کو شادی کی قانونی صورت دی جائے تو عورتوں کا بہت بڑا گروہ اپنے انسانی فطری حق "عائلی زندگی" سے محروم رہے گا۔ خاص شرائط کے ساتھ، تعدد ازواج کا قانون ہی اس فطری حق کا احیا کرسکتا ہے۔

روشن فکر مسلمان خواتین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی حقیقی شخصیت کو پہچانیں۔ اور خواتین کے برحق حقوق، اخلاق، نسل بشر کی حمایت کے عنوان سے انسان کے سب سے اہم فطری حق کے بارے میں، حقوق انسانی کے کمیشن کو "یو، این، او" میں قرارداد پیش کریں، جس میں ان منطقی شرائط کے ساتھ تعدد ازواج کے جواز پر حقوق بشری میں سے ایک حق تسلیم کرنے پر زور دیا جائے، مطالبہ کریں کہ وہ اس تجویز کو قانونی طور پر تسلیم کرے۔ یہ خدمت، خواتین اور اخلاق کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ فقط یہ بہانہ کہ مشرقی فارمولے کی اہل مغرب پیروی کریں، کوئی گناہ کی بات تو نہیں ہے۔

رسل کا نظریہ

ہم نے گذشتہ صفحات میں "برٹرینڈ رسل" کے بارے میں اشارہ کیا ہے کہ موصوف اس نکتے کو دھیان میں رکھتے تھے کہ اگر فقط "ایک بیوی" کے طریق کار کو قانونی حیثیت دی جائے، تو اس سے عورتوں کا ایک بڑا گروہ قانونی شادی سے محروم رہے گا۔ لہٰذا انھوں نے راہ حل نکالی، مگر کیا راہ حل؟ بڑی سادہ تجویز کہ اس قسم کی عورتوں کو اجازت دی جائے کہ وہ فرزند سے محروم نہ رہیں، وہ مردوں کا شکار کرکے بے پدر اولاد کو جنم دیں، اور حاملہ ہونے یا گود میں بچہ ہونے

کی حالت میں ان کو مالی امداد کی جو ضرورت پیش آتی ہے اور عام طور پر ایک باپ جو نفقہ دیتا ہے، حکومت اس کی ذمہ دار بنے اور اس زاویے سے باپ کی جانشین ہو کر ایسی عورتوں کی امداد کرے۔

اس کے بعد رسل نے کہا :

"آج کے انگلستان میں مردوں سے دو ملین (بیس لاکھ) عورتیں زائد ہیں۔ رسم "ایک زوجہ" کی وجہ سے یہ عورتیں ہمیشہ بے اولاد رہیں گی۔ یہ ان کی بڑی محرومی ہے۔"

پھر لکھتا ہے :

مکمل شادی ایک بیوی پر مبنی ہے مگر یہ قانون اس مفروضے پر ہے کہ زن و مرد میں تقریباً یکسانیت ہے۔ مگر جہاں برابری نہ ہو وہاں بڑی زیادتی (قساوت) ہوگی کہ ریاضی کلیے کے مطابق دوسرے افراد مجرد رہیں۔ پھر اگر ہم قوم میں افراد کی کثرت کی ضرورت بھی محسوس کریں تو یہ طریق کار خصوصی قساوت وسخت دلی سے بڑھ کر عام صورت میں جائز قرار نہیں دی جا سکتی۔"

یہ تھا بیسویں صدی کے ایک فلسفی کا حال جو اس نے ایک معاشرتی مسئلے کی الجھن کے لئے پیش کیا، اور وہ تھا اس مشکل کا حل جو اسلام نے تجویز کیا۔ اسلام کہتا ہے — کہ یہ مشکل یوں حل کرو کہ ایک شخص جس میں مالی، اخلاقی اور جسمانی صلاحیتیں ہوں اور وہ ایک بیوی سے زیادہ بیویوں کی کفالت کر سکتا ہو تو وہ دوسری قانونی و شرعی بیوی قبول کرے، مگر پہلی بیوی اور اس کی اولاد کے درمیان کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھے۔ پہلی بیوی بھی ایک معاشرتی ذمہ دار سمجھ کر، اپنے حق اور اپنی فداکاری کے ذریعے شرکت کو تسلیم کرے، گویا ایک خاص قسم کا سوشلزم جو سوشلزم کے تمام اقسام میں سب سے اہم ہے، قبول کرے۔ مگر بیسویں صدی کا یہ فلسفی کہتا ہے : محروم عورتیں دوسروں کے شوہروں پر ڈاکہ ماریں

انہیں چرائیں، بے پدر بچے جنیں اور حکومت سے کفالت حاصل کریں۔ بیسویں صدی کے اس فیلسوف کی نظر میں عورت کی ضرورتِ خانہ داری صرف تین زاویوں سے ہے۔

۱۔ جنسی زاویۂ جو عیاری، دل ربائی کے ذریعے عورت حاصل کر سکتی ہے۔
۲۔ اولاد کے زاویہ سے بھی پوری، جس سے بچہ ہاتھ آ ئے۔
۳۔ اقتصادی زاویے سے، دولت ملنا چاہیئے۔ اس فیلسوف کی نظر میں جس چیز کی ضرورت نہیں ہے وہ شوہر کے مخلصانہ جذبات ہیں، اور اس کی یہ ضرورت کہ ایک مرد (شوہر) اسے اپنی حمایت کے دامن میں لے، اسے فقط جنسی نظر سے نہ دیکھے۔ اس فلسفی کے نزدیک ایک بات اور غیر اہم ہے اور وہ ہے نومولود کی حالتِ زار، یہ بچہ اس نے جنا ہے۔ یہ بچہ اسے پریشان کرتا ہے۔ ہر بچہ، بلکہ ہر انسان چاہتا ہے کہ وہ اپنے باپ اور اپنی ماں کے حوالے سے جانا پہچانا جائے، ہر بچہ چاہتا ہے کہ ماں باپ کی سچی محبت اور ماتما بانئے تجربہ گواہ ہے کہ جس ماں کا بچہ کوئی معین باپ نہ رکھتا ہو، اس ماں کے دل میں اس بچے کی محبت کا چشمہ نہیں پھوٹتا جسے بچے کے باپ کی توجہ نصیب نہ ہو۔ وہ ایسے بچے سے بہت کم پیار کرتی ہے۔ محبت کی یہ کمی کہاں سے پوری کی جائے؟ کیا حکومت اس کمی کو پورا کر سکتی ہے؟

جناب رسل صاحب کو افسوس ہے، اگر ان کی تجویز نے "قانونی شکل حاصل نہ کی بہت سی بے شوہر عورتیں بے اولاد رہ جائیں گی۔ لیکن خود رسل صاحب بہتر جانتے ہیں کہ انگلستان کی بے شوہر عورتیں ایسے قانون کا انتظار نہیں کر سکتی تھیں انھوں نے عملی طور پر خود ہی تنہائی، بے شوہری و بے اولادی کا حل نکال لیا ہے۔

"دس انگریزوں میں ایک ...."

اخبار اطلاعات، تہران، ۲۵، ۹، ۳۸ (دسمبر ۱۹۵۹ء) میں ایک سرخی تھی۔

۔" دس انگریزوں میں سے ایک حرام زادہ ہے" ۔ نیچے تھا ۔ " لندن، رائٹر، ۱۶ دسمبر، فرانسیسی نیوز ایجنسی نے خبر دی ہے کہ ڈاکٹر نیڈ۔ اے۔ اسکاٹ، میڈیکل آفیسر لندن نے اپنی تیار کردہ رپورٹ میں خاطر نشان کیا ہے کہ گذشتہ سال لندن میں جو بچے پیدا ہوئے ہیں، ان میں سے ہر دس میں سے ایک ناجائز ہے ۔ ڈاکٹر اسکاٹ نے زور دیکر کہا ہے کہ ناجائز بچوں کی شرح پیدائش مسلسل بڑھ رہی ہے ۔ ۱۹۵۷ء میں ۳۸۲۸ سے بڑھ کر ایک سال میں ۵۲۴۳۳ تک پہنچ گئی ہے ۔"

انگریز قوم نے جناب رسل کی تجویز پر قانون بننے سے پہلے اپنا مسئلہ حل کر لیا ہے

تعدد ازواج ممنوع اور ہم جنس بازی کی اجازت

حکومت انگلستان نے جناب رسل کی رائے کے بالکل برعکس کام کیا اور بجائے بے شوہر عورتوں کی مشکل حل کرنے کے، اس کے مرد حریفوں کو قانونی طور پر تسلیم کر لیا ۔ اسی طرح انھیں پہلے سے زیادہ محروم بنانے کی سعی کی حکومت نے "ہم جنس بازی" کا قانون منظور کر لیا، ۱۴/۴/۴۶ شمسی مطابق ۵/۷/۱۹۶۶ء کے اطلاعات نے خبر دی ۔

" لندن، برطانیہ کے دار العوام نے آٹھ گھنٹے کی طویل بحث کے بعد "ہم جنس بازی" کے مسودۂ قانون کی منظوری دیکر، قرارداد کا متن دار الامرا کو بھیج دیا ۔"

۲۴/۴/۴۶ ہجری شمسی مطابق ۱۵/۷/۱۹۶۶ء یعنی دس روز بعد اطلاع دی:

ہاؤس آف لارڈز نے اپنی دوسری نشست میں "ہم جنس بازی" کے مسودۂ قانون کی منظوری دیدی ۔ اس مسودہ کو پہلے، انگلستان کا دار العوام منظور کر چکا تھا ۔ اس کے بعد یہ قانون ملکہ الزبتھ کے پاس جائے گا اور وہ بہت جلد دستخط کریں گی ۔"

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ انگلستان میں تعدد ازدواج ممنوع ہے لیکن "ہم جنس بازی" صحیح ہے ۔

ان عوام کی نظر میں اگر ایک مرد اپنی بیوی کی "سوت" عورت سے آئے تو قانوناً درست نہیں ہے، اس نے غیر انسانی کام کیا۔ لیکن اگر وہی نوعیت عورت کے بجائے لڑکے سے بدل جائے تو شریفانہ، انسانی، اور بیسویں صدی کے مطابق کام ہوگا۔ دوسری لفظوں میں انگلستان کے ارباب حل وعقد کے نزدیک اگر شوہر کے گھر میں اس کی بیوی کا شریک خانہ ڈاڑھی مونچھ والا ہو تو "چند ازواجی" (چند ہمسری) میں کوئی عیب نہیں یہ جو کہا جاتا ہے کہ یورپ نے جنسی اور گھریلو جھگڑے حل کر لئے اب ہمیں بھی اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ تو انھوں نے یہ مسائل اس طرح حل کئے ہیں جیسے آپ دیکھ رہے ہیں۔

یہ باتیں میرے لیے باعث تعجب نہیں ہیں۔

تعجب و افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ہمارے عوام اپنی منطق اپنے ہاتھ سے دے بیٹھے؟ ہمارے جوان، اور تعلیم یافتہ لوگ واقعات کے تجزیہ و تحلیل سے کیونکر ہاتھ دھو بیٹھے؟ انھوں نے اپنی شخصیت کیوں گم کردی ہے؟ ہاتھ کے قیمتی پتھر کو دنیا کی اس طرف کے لوگوں کے اخروٹ کہنے سے کیوں پھینک دیتے ہیں؟ کیوں بات مان لیتے ہیں۔ اور اگر غیر کے ہاتھ میں اخروٹ ہو اور ان سے کہا جائے کہ یہ قیمتی جواہر ہے تو اسے کیوں مان لیتے ہیں؟

ان عوام کی نظر میں اگر ایک مرد اپنی بیوی کی "سوت" عورت سے آئے تو قانوناً درست نہیں ہے، اس نے غیر انسانی کام کیا۔ لیکن اگر وہی نوعیت عورت کے بجائے لڑکے سے بدل جائے تو شریفانہ، انسانی، اور بیسویں صدی کے مطابق کام ہوگا۔ دوسری لفظوں میں انگلستان کے ارباب حل وعقد کے نزدیک اگر شوہر کے گھر میں اس کی بیوی کا شریک خانہ ڈاڑھی مونچھ والا ہو تو "چند ازواجی" (چند ہمسری) میں کوئی عیب نہیں۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ یورپ نے جنسی اور گھریلو جھگڑے حل کر لیے اب ہمیں بھی اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ تو انھوں نے یہ مسائل اس طرح حل کیے ہیں جیسے آپ دیکھ رہے ہیں۔

یہ باتیں میرے لیے باعث تعجب نہیں ہیں۔

تعجب و افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ہمارے عوام اپنی منطق اپنے ہاتھ سے دے بیٹھے؟ ہمارے جوان، اور تعلیم یافتہ لوگ واقعات کے تجزیہ و تحلیل سے کیونکر ہاتھ دھو بیٹھے؟ انھوں نے اپنی شخصیت کیوں گم کر دی ہے؟ ہاتھ کے قیمتی پتھر کو دنیا کی اس طرف کے لوگوں کے اخروٹ کہنے سے کیوں پھینک دیتے ہیں؟ کیوں بات مان لیتے ہیں۔ اور اگر غیر کے ہاتھ میں اخروٹ ہو اور ان سے کہا جائے کہ یہ قیمتی جوہر ہے تو اسے کیوں مان لیتے ہیں؟

کیا چند ازواجی مرد کی فطرت ہے؟

یقیناً آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ یورپ کے ماہرین نفسیات و فلاسفۂ معاشرت کا نظریہ یہ ہے کہ مرد چند ازواجی فطرت لے کر پیدا ہوا ہے اور یک ازواجی خلاف فطرت انسانی ہے، ویل ڈیورانٹ "لذات فلسفہ" میں صفحہ ۹۱ پر اس دور کی جنسی اخلاقی آوارگی پر تفصیلی بحث کے بعد لکھتا ہے:

"بلاشبہ ان میں سے بہت سی باتیں اصلاح ناپذیر ہیں اس کا سبب تنوع پسندی (ہر روز نئی چیز) اور فطرت ایک بیوی پر اکتفا نہیں کرتی۔"

آگے چل کر لکھتا ہے:

"مرد فطرت میں ذاتی طور پر چند ازدواجی واقع ہوا ہے۔ ایک بیوی پر اسے پابند کرنے والی مضبوط چیز ہے، اخلاقی پابندیاں، سخت محنت اور غربت کا معین معیار اور پہلی بیوی کی سخت نگہداشت۔"

"زن روز" کے شمارہ ۱۱۲ میں ایک مضمون تھا:

"کیا مرد فطرتاً خیانت کار ہے؟"

اس میں درج ہے کہ ایک جرمن پروفیسر آشمید (SCHMIDT) کہتا ہے:

"...... پوری تاریخ میں مرد ہمیشہ خیانت کار رہا ہے اور عورت خیانت میں اس کے پیچھے پیچھے، قرون وسطیٰ میں بھی مسلسل ایسے شواہد ملتے ہیں کہ نوے فی صد جوانوں نے بار بار رفیقۂ حیات بدلی ہے۔ اور پچاس فی صد مردوں

نے اپنی بیویوں سے خیانت کی ہے ۔ رابرٹ کینسی (DR. ROBERT KINSEY)
مشہور امریکی محقق تھا ، اس نے ایک رپورٹ جو "کینسی رپورٹ" سے شہرت پائی ، میں لکھا ہے :
امریکہ کے زن و مرد نے بے وفائی و خیانت میں تمام قوموں کے ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھ رکھے
ہیں ۔ کینسی اپنی رپورٹ کے دوسرے حصے میں لکھتا ہے : عورت ، مرد کے برخلاف ، عشق و
لذت میں تنوع جوئی (ہر روز نئی یاری) سے بیزار ہے ، اسی وجہ سے بعض اوقات مرد کے رویے سے نہیں دبتی ، لیکن مرد
تنوع کو ایک قسم کی مہم سمجھتا ہے اور آسانی سے راستے سے کاٹ جاتا ہے اس کی نظر میں اہم ترین چیز ہے جسمانی لذت
اسے جذباتی لذت سے دلچسپی ہے نہ روحانی سے ۔ روحانی و جذباتی باتوں کا اظہار اس وقت تک کرتا ہے جب تک جسمانی چسکا نہیں لیتا
ایک مشہور فزیشن نے مجھ سے کہا : مرد کا پالی گیمسٹ (POLYGAMIST) ہونا ، اور اس کی تنوع پسندی
و تعدد خواہی اور عورت مونو گیمسٹ (MONOGAMIST) ہونا ، یعنی انحصار طلبی
اور ایک پر اکتفا کرنے کا جذبہ صاف اور سامنے کی بات ہے ۔ کیونکہ مرد میں ملینوں خلیے اسپرم
کے پیدا ہوتے ہیں (SPERMATOZOA) جب کہ عورت میں آمادگی کے وقت تخمدان (رحم)
میں صرف ایک تخم (PREGNANT) ہی پیدا ہوتا ہے ۔ کینسی کے مفروضے سے قطع نظر ،
ہم خود اپنی ذات سے پوچھیں ، کیا مرد کے لیے وفاداری مشکل ہے ؟

فرانسیسی ، ہنری ڈی مونتھرلان (HENRI DE MONTHERLAN) نے
اس سوال کے جواب میں لکھا ہے :

"مرد کے لیے وفادار ہونا مشکل ہی نہیں ، بلکہ غیر ممکن ہے ۔ ایک عورت ایک
مرد کے لئے پیدا ہوئی ہے اور ایک مرد ، زندگی اور تمام عورتوں کے لئے
۔ مرد اگر اندھیرے میں اڑتا اور اپنی بیوی سے خیانت کرتا ہے تو خود کوئی
غلطی نہیں کرتا ۔ کوتاہی اس کی خلقت و فطرت کی ہے جس نے اس کے اندر
خیانت کو جنم دیا ہے ۔"

اس رسالے کے شمارہ نمبر ۱۲۰ میں ایک مضمون ہے ۔ "فرانسیسی عشق اور شادی کا اسٹائل"

اس ذیل میں تحریر ہے :

"فرانسیسی میاں بیویوں نے آپس میں "بے وفائی کا مسئلہ" حل کر لیا، انھوں نے اس بارے میں قاعدہ و قانون، حدود حدود مان لئے ہیں۔ اگر شوہر اس قانون کی سرحد سے آگے بڑھتا ہے تو اندھیرے کی طرف اس کی پیش قدمی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ کیا صولاً، ایک مرد، دو سال عائلی زندگی بسر کرنے کے بعد وفادار رہ سکتا ہے؟ یقیناً نہیں رہ سکتا۔ یہ بات اس کی فطرت کے خلاف ہے لیکن خواتین کے معاملے میں ایک حد تک فرق ہوتا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ وہ اس فرق سے باخبر ہیں۔ فرانس میں اگر کوئی شوہر خیانت کرتا ہے تو اس کی بیوی ناراضگی محسوس نہیں کرتی، غصہ نہیں آتا، وہ اپنے دل کو سمجھاتی ہے۔ اس نے دوسری سے فقط جسمانی لمس کیا ہے، روح اور جذبات اسے نہیں دیئے، روح اور جذبات میری ملکیت ہیں۔"

چند برس پہلے، بیالوجی کے پروفیسر ڈاکٹر رسل لی (DR. RUSSELL LEE) کا اس بارے میں نظریہ روزنامہ کیھان میں چھپا تھا اور ایرانی لکھنے والوں نے کچھ عرصے تک اس پر بحث جاری رکھی تھی۔ ڈاکٹر رسل لی کے نزدیک مرد کا ایک عورت پر قانع رہنا نسل سے خیانت کرنا ہے۔ فقط مقدار ہی نہیں کیفیت کے لحاظ سے بھی برا ہے۔ کیونکہ ایک عورت پر اکتفا کرنے سے اس کی نسل کمزور ہوتی ہے۔ کئی بیویوں کی وجہ سے نسل قوی اور طاقت ور پیدا ہوتی ہے۔

ہمارے خیال میں مرد کی فطرت کا یہ تعارف کسی طرح صحیح نہیں ہے، ان مفکروں کے نظریہ کی پیداوار ان کے معاشرتی ماحول کے سبب ہے۔ مرد کی حقیقت فطرت ایسی نہیں ہے۔

ہم ہرگز مدعی نہیں ہیں کہ عورت و مرد بیالوجی (زیست شناسی) کے زاویئے سے مشابہ حیثیت کے مالک ہیں۔ ہم تو اس کے برعکس یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ زیست شناسی اور نفسیات

کے زاویے سے مرد و عورت میں فرق ہے۔ اس اختلاف میں تحقیق کا ایک مقصد ہے۔ اس بنا پر زن و مرد کے انسانی حقوق کی یکسانیت کو دونوں کے تمام حقوق کی اکائی قرار دینے کا بہانہ بنانا غلط ہے۔ "ایک شوہر و زوجہ کی رسم میں بھی نفسیاتی اعتبار سے زن و مرد کے نفسیات الگ الگ اور قطعاً مختلف ہوتے ہیں۔ عورت فطرتاً یک شوہر پسند ہے، "چند شوہری" رسم اس کی نفسیات کے خلاف ہے، ایک شوہر سے بیوی کی رنگارنگ تمناؤں کی وابستگی کا "چند شوہری نظام" سے کوئی ربط نہیں۔ لیکن مرد "ایک بیوی کی رسم" سے طبعاً ہم آہنگ نہیں ہے، بایں معنی کہ چند ازدواجی زندگی اس کے نفسیات سے اختلاف نہیں رکھتی۔

ہم اس نقطہ نظر سے اتفاق نہیں رکھتے کہ مرد کے نفسیات "ایک بیوی" کی رسم سے ہم آہنگ نہیں۔ ہم اس نظریے کے منکر ہیں کہ جو کہا گیا ہے کہ:

"مرد تنوع پسندی کا رجحان اصلاح ناپذیر ہے۔"

ہم اس رائے کے خلاف ہیں کہ:

"مرد کے لئے وفاداری ناممکن ہے۔ اور ایک بیوی ایک شوہر کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اور ایک مرد تمام عورتوں کے لئے۔"

ہمارے خیال میں مرد کے اندر خیانت کاری، سماجی ماحول پیدا کرتا ہے خلقت و فطرت کی دین نہیں ہے۔ مرد کی خیانت کاری کی ذمہ داری خلقت پر نہیں ہے۔ اس کی جواب دہ سماجی فضا اور ماحول ہے۔ خیانت کاری کے اسباب ماحول پیدا کرتا ہے یہ ماحول عورت کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ اغوا اور اجنبی مرد کو بے راہ کرنے میں ہر قسم کی عیاری استعمال کرے، ایک ہزار ایک نیرنگ دکھائے اور اسے اپنی راہ پر لائے۔ دستور قانون ازدواج کو "ایک بیوی" میں منحصر و محدود کر کے ہزاروں، لاکھوں، بلکہ ملینوں شادی کے قابل عورتوں کو ازدواجی زندگی سے محروم کرتا ہے۔ پھر ان کو مرد کے اغوا کرنے کی خاطر سماج میں دھکیل دیتا ہے۔

مغربی آداب کے عام ہونے سے پہلے اسلامی مشرقی علاقوں میں نوے فی صد "ایک بیوی" ہی کا رواج تھا۔ نہ ایک شرعی بیوی کے علاوہ ان کے گھر میں کوئی اور ہوتی نہ یا یہ محبوبہ سے عشق بازی ہوتی تھی۔ خصوصی روابط زن و شوہر اپنے تمام مفہوم و معنی کے ساتھ اکثر و عمومی طور پر مسلمان خاندانوں میں حکمران تھی۔

چند ازواجی نظام یک زوجہ نظام کی پائداری کا سبب ہے

ہماری بات پر آپ کو تعجب ہوگا، اسلامی مشرق میں "چند ازواجی نظام" ہی "یک زوجہ" رسم کی قوت کا باعث و سبب ہوا۔ ہاں متعدد بیویاں رکھنے کی اجازت بہت بڑا سبب ہے کہ "ایک زوجہ" کی رسم پائدار ہو جائے، یعنی یعنی جن حالات میں تعدد ازواج کی ضرورت ہوتی ہے۔ شادی کے قابل عورتیں شادی کے قابل مردوں سے زیادہ ہوں۔ اگر عورتوں کی اس تعداد کو قانونی تحفظ نہ دیا جائے، اور شرائط پوری کرنے والوں اخلاقی، مالی اور جسمانی صلاحیت رکھنے والوں کو کئی بیویاں رکھنے کا حق نہ دیا جائے تو یاری و معشوقہ بازی قدم بڑھا کر "ایک بیوی" کے نظام کو جڑوں سے خشک کر دے۔

اسلامی مشرق میں، ایک طرف تعدد ازواج کی اجازت اور دوسری طرف ہیجان انگیز اور اغوا کے محرکات موجود نہ تھے، لہذا ایک ازدواجی نظام اکثر خاندانوں پر حکومت کرتا تھا اور عشق بازی کا کاروبار اتنا نہ تھا کہ اس کے لیے خاص فلسفہ وضع کیا جاتے اور کہا جائے کہ مرد کی تخلیق کئی بیویوں کا تقاضا کرتی ہے اور ایک بیوی پر اکتفا کرنا مرد کے لیے محالات و ناممکنات عالم میں ہے۔

ممکن ہے آپ سوال کریں کہ ان دانشوروں کی رائے کے مطابق جو مرد کے لیے چند ازدواج کو مطابق فطرت بتاتے ہیں اور قانون معاشرت کے زاویے سے برا سمجھتے ہیں، مرد کی ذمہ داران دو قانوں کے مابین کیا ہے؟

ان حضرات کے دبستانِ فکر میں مرد کی ذمہ داری واضح ہے۔ "قانوناً ایک بیوی

عملاً چند بیویاں۔ ایک بیوی تو قانونی و شرعی ہونا چاہیے۔ اس کے بعد یار و محبوبہ و معشوقہ جتنی چاہے بنالے، کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ان حضرات کی رائے میں یار بنانے، معشوقہ ساتھ رکھنے کا حق مرد کو فطرت نے دیا ہے، یہ حق تسلیم شدہ ہے اور قانونی ہے۔ ساری زندگی ایک بیوی کے ساتھ گذر بسر کرنا ایک قسم کی نامردی ہے۔

بحث کی اصل صورت

میرا گمان ہے کہ اب وہ لمحہ آگیا ہے، جب ہمارے قارئین کرام توجہ کریں کہ ان کے لیے "چند ازدواجی" کا جو مسئلہ زیر بحث تھا اور اب بھی ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ایک بیوی کی رسم بہتر ہے یا چند بیویوں کی؟

ایک بیوی کی رسم کے اچھے ہونے میں تو کوئی تردید ہے ہی نہیں۔ ایک بیوی کے نظام کا مطلب ہے خاندانی لگاؤ، یعنی میاں بیوی کے جسم و جان ایک ہوں، ظاہر ہے کہ ازدواجی زندگی کی جان وحدت و یگانگت ہے۔ اور یہ بات انفرادی صورت ہی میں کامل و مکمل طور پر جلوہ گر ہو سکتی ہے۔ در اصل آدم زاد اس دوراہے پر نہیں ہے کہ "ایک بیوی" کا نظام اختیار کرے یا "کئی بیویوں" کا مسئلہ تو یہ آن پڑا ہے کہ سماجی ضرورتوں کے پیش نظر، خصوصاً، شادی کے قابل لڑکیوں کی فراوانی ان مردوں سے جو شادی کے قابل ہوں، "ایک بیوی" کا نظام عملی طور پر خطرے میں ہے۔ "فقط ایک بیوی" کا نظام تمام خاندانوں میں نافذ ہو، ایک افسانے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، دو میں سے ایک راستہ ہے۔

یا تعدد ازدواج کا قانون

یا معشوقہ بازی کا رواج

یوں کہیے کہ۔ یا چند شادی شدہ افراد کئی بیویاں رکھیں، جن کی تعداد یقیناً دس فی صد سے زیادہ نہ ہوگی۔ اس سے بے شوہر خواتین گھر بار بنا سکیں گی، زندگی کا کوئی مسر پھیر ہو سکے گا۔ یا پھر معشوقہ بازی کی راہیں کھول دی جائیں۔ چونکہ دوسری صورت میں ہر معشوقہ کئی مردوں سے تعلق پیدا کرلے گی لہٰذا تقریباً بیوی والوں کی

کثرت عملاً چند بیویوں والے ہو جائیں گے۔

"کئی بیویوں" کے جواز و عدم جواز کی بات یوں پیدا ہوتی ہے اور یہی صحیح انداز مسئلہ ہے مگر یورپی پروپیگنڈا کرنے والے حقیقت آشکار نہیں کرنا چاہتے یہ لوگ در اصل معشوقہ بازی و یار بازی کے حامی ہیں، "قانونی و شرعی بیوی کو بار دوش اور راستے کی رکاوٹ جانتے ہیں۔ یہ تو ایک بھی زائد مانتے ہیں، دو، تین اور چار بیویوں کی تو بات ہی چھوڑیے۔ اصل لذت تو پابندازدواج سے آزادی میں سمجھتے ہیں۔ مگر بات یوں کرتے ہیں کہ جیسے وہ "ایک بیوی" کے نظام کے حامی ہیں۔ وہ بڑی معصومیت سے کہتے ہیں، ہم تو اس کے طرفدار ہیں کہ ایک شوہر اور ایک بیوی ہو، دونوں وفادار رہیں۔ کئی ہمسر ہونے کو ہم نہیں مانتے۔

بیسویں صدی کے مرد کی نیرنگیاں

بیسویں صدی کا مرد عائلی حقوق سے متعلق بے شمار مسائل میں الٹی جوتی مارنا چاہتا ہے۔ وہ مساوات و آزادی کے خوبصورت ناموں سے عورت کو بہلا کر اس کے بارے میں اپنی ذمہ داریوں کو کم کر کے، بے حساب انداز سے اپنے کام بنانے کی فکر میں رہتا ہے۔ مگر "تعدد ازدواج" کے سوا بہت مسائل میں کامیاب ہو سکا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ میں کبھی کبھی ایرانی مصنفین اور مضمون نگاروں کے یہاں ایسی چیزیں دیکھتا ہوں تو ایک شک سے دو چار ہو جاتا ہوں کہ یہ لوگ سادہ دل ہیں یا گرفتار غفلت؟!

"تعدد ازدواج" کے بارے میں ایک صاحب لکھتے ہیں:

"آج کل ترقی یافتہ ملکوں میں باہمی ذمہ داریوں کی بنیاد پر میاں بیوی کے تعلقات استوار ہوتے ہیں، لہٰذا تعدد ازدواج کی قانونی حیثیت (دائمی نکاح ہونا منقطع) عورت کی طرف سے بھی ویسی ہی مسلّم ہے جیسے شوہر سے چاہیں کہ رقیبوں کو اپنی عائلی زندگی

میں برداشت کرے ۔

مجھے نہیں معلوم کہ ان حضرات ذہن میں واقعاً صورت معاملہ یہی ہے یا جو بات
نہیں رہے ہیں؟ (جلدی میں بات کچھ سے کچھ کہہ رہے ہیں)
کیا، واقعاً ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ "تعدد ازواج" معاشرتی مشکل
کی وجہ سے ہے ۔ اس مشکل کی ذمہ داری تمام شادی شدہ مرد و زن پر ایک بوجھ
کی صورت میں ہے اور اس کا سب سے اچھا حل "تعدد ازواج" ہی ہے؟ کیا یہ نہیں
جانتے کہ آنکھیں بند کر کے نعرے لگانا "یک زوجہ" نظام زندہ باد ۔ "یک ازواجی نظام مردہ باد"
بیماری کا علاج نہیں ہے؟

کیا انھیں نہیں معلوم کہ تعدد ازواج، عورت کے حقوق کا ایک حصہ ہے، مرد کا نہیں
زن و مرد کے تقابلی حقوق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ۔ ؟
مضحکہ خیز بات ہے کہتے ہیں:

"تعدد زوجات" عورت کی طرف سے اتنا ہی مشکل کام ہے، عورت بھی چاہتی ہے کہ
ازدواجی زندگی کے دوران مرد بھی اپنے رقیبوں کو برداشت کرے ۔ اس سے قطع نظر کہ
دونوں باتوں کا قیاس غلط ہے ۔ شاید، وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ آج کی دنیا میں کچھ حضرات
ہی چیز کو آنکھ بند قبول کر لیتے ہیں اور ماجرے کی صحت میں کوئی شک و تردد صحیح نہیں
سمجھتے آج کی دنیا مرد سے مطالبہ کرتی ہے کہ اپنی بیوی کے عشق کا احترام کرے اور تعلقات
زن و شوہر کے ہوتے ہوئے اپنے رقیبوں کو سہے ۔ آج کی دنیا "ناقابل برداشت باتوں"
کو حسد، تعصب اور فینٹزم جیسے ناموں سے ٹھکراتی ہے ۔ کاش ہمارے جوانوں کو یورپ میں
اس کے ضمن میں ہونے والے واقعات کی تھوڑی سی بھی آگاہی ہو جاتی ۔

ہ ہ ہ ہ ہ ہ ہ ہ ہ ہ ہ

تعدد ازواج مرد کی فطری مانگ نہیں، یہ سماج سے ابھرنے والی ایک ضرورت ہے۔

گرکس نظریے سے دیکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ اگر کسی سماج میں شوہروں کی خواہشمند خواتین کی نسبت ان مردوں سے زیادہ نہ ہو جو ہمسر و رفیقۂ حیات کے متلاشی ہوں تو "کئی بیویوں" کا دستور خود بخود یا تو بالکل ختم ہو جائے گا یا کمی آجائے گی۔ اور اگر ایسے حالات میں (کہ فرض کیجئے، عورتیں عددی کثرت کی وجہ سے معاشرے سے خانہ آبادی چاہتی ہوں) قانون تعدد ازواج ختم کر دیا جائے تو فقط یہ اقدام نہ کافی ہوگا نہ صحیح ہوگا۔ اس کے لیے کچھ اور اقدامات ضروری ہوں گے:

۱۔ عدالت اجتماعی، ہر شخص کو روزگار مہیا کیا جائے، ہر شخص کی اتنی آمدنی رکھی جائے کہ جو شخص بھی شادی کی ضرورت محسوس کرے وہ گھریلو مرکزی زندگی حاصل کر سکے۔

۲۔ عورتوں کو ارادہ و انتخاب کی آزادی دی جائے کہ وہ شوہر خود منتخب کر سکے۔ باپ یا بھائی یا کسی اور رشتے دار کو حق نہ ہو کہ وہ شادی شدہ، بیوی والے دولت مند مرد سے اس عورت کو بیاہ دے۔ ظاہر ہے کہ عورت آزاد و خود مختار ہو اور اپنے لئے ایک مجرد شوہر کو تلاش کر سکے تو وہ ہرگز ایسے مرد کا انتخاب نہیں کرے گی جس کے گھر میں پہلے سے بیوی موجود ہو، اور یہ سوت بن کر اس کے سر پر سوار ہو۔ عورت کے سرپرستوں کا طریقہ ہے کہ پیسے کے لالچ میں، لڑکی یا بہن کو بیوی والے مردوں کے ہاتھوں بیچ دیا کرتے ہیں۔

۳۔ ہیجان آفرین، اغوا اور خانہ خرابی کی تحریکیں اس فراوانی نہ ہونے دی جائیں جن کے دباؤ سے شوہر دار بیویاں، شوہر کے گھر سے نکل کر اجنبی کے گھر نہ جانے پائیں۔ بن بیاہی بے شوہر عورتوں کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

معاشرہ اگر واقعاً اصلاح احوال چاہتا ہے اور "ایک بیوی" ہی کا نظام پسند کرتا ہے تو مذکورہ تینوں اسباب و عوامل کو بروئے کار لائے۔ ورنہ تعدد ازدواج کے دستور پر پابندی لگانے سے صرف عیاشی کی راہیں ہی کھل سکیں گی اور کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

بے شوہر خواتین کی محرومی سے پیدا ہونے والا بحران

جس صورت میں مردوں کی طلب گار عورتوں کی فراوانی ہو اور ضرورت مندان ازدواج مرد کم ہوں تو اس حالت میں "تعدد ازدواج" پر پابندی لگانا انسانیت سے خیانت ہے۔ کیونکہ اس سے فقط حقوق خواتین ہی پامال نہیں ہوتے۔ اگرچہ عورتوں کا حق تلف ہوتا تو شاید اسے برداشت کر لیا جاتا مسئلہ تو وہ بحران ہے جو اس اقدام کے بعد معاشرے میں سر اٹھائے گا اور وہ بحران ہر چیز سے زیادہ خطرناک ہوگا جبکہ بال بچوں کا گھر ہر مرکز سے زیادہ مقدس ہے۔

چونکہ حوا اپنے فطری حق سے محروم ہوتی ہے وہ ایک موجود زندہ ہے۔ ایک موجود زندہ اپنے تمام عاملات کے ساتھ جو محرومی و ناکامی میں رد عمل دکھاتا ہے کیونکہ وہ انسان ہے۔ روحانی و نفسیاتی الجھنوں کی ناکامیوں کے تمام حالات میں عورت ہے۔ زنانہ نیرنگیوں کے ساتھ حوا کی بیٹی ہے، "آدم فریبی" کی مکمل دسترس کے ساتھ۔

وہ جو اور گیہوں نہیں ہے کہ استعمال سے بچے تو سمندر میں پھینک دیں یا "قحط سالی" کے ڈر سے گودام میں رکھ دیں۔ وہ گھر اور کمرہ نہیں کہ ضرورت نہ ہو تو قفل ڈال دیں ہاں، وہ ایک زندہ موجود ہے، ایک انسان ہے، ایک عورت ہے، وہ اپنی حیرت انگیز قوت کا مظاہرہ کرے گی اور معاشرے کے چھکے چھڑا دے گی۔ وہ برملا کہے گی:

سخن درست بگویم نمی توانم دید
کہ می خورند حریفان و من نظارہ کنم

(غالب نے اس کا مفہوم یوں ادا کیا ہے ؎

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے
ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے)

یہی "نمی توانم دید" میں نہیں دیکھ سکتی، بہت کام کرے گی، گھر اور خاندان ویران کرے گی

دشمنیاں اور کینے پیدا ہوں گے ، وہ دن انسان کے لیے کس قدر تباہ کن ہوگا جب انسانی جبلت وقیبی گرہیں آپس میں متحد ہو جائیں۔

گھر سے محروم خواتین ، اس مرد کو اغوا کرنے کی کوشش کریں گی جس کے قدم کہیں بھی اتنی جلدی نہیں پھسلتے جتنی جلدی یہاں لڑکھڑاتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ جب پھسلن زیادہ ہوتی ہے تو ہاتھی بھی پھس جاتے ہیں (چو گل بسیار شد پیلان بلغزند) افسوس تو یہ ہے کہ یہ پھسلن اگر تھوڑی بھی ہو تو اس ہاتھی کے پھسلنے کے لیے کافی ہے۔

پھر ، کیا بات یہیں ختم ہو جائے گی ؟ نہیں ، گھر بار والیوں کی باری اس کے بعد آئی گی ، وہ بیویاں جو اپنے شوہروں کو خیانت کرتے دیکھیں گی وہ انتقام وخیانت کے لیے آگے آئیں گی ، وہ بھی شوہر کی خیانت کا پیچھا کریں گی ۔ آخری نتیجہ کیا ہوگا ؟

اس کا آخری نتیجہ "کینسی کی رپورٹ" میں درج ہے ، اور وہ بھی ایک جملے میں :

"امریکہ کے مرد و عورت ، فساد و کج روی وخیانت میں اقوام عالم کے ہاتھ پشت پر باندھ چکے ہیں۔"

ملاحظہ فرمایئے کہ فقط مرد کی کج روی اور فساد ہی پر قصہ تمام نہیں ہوتا ، اس آگ کا شعلہ خانہ نشین ، بال بچوں والیوں کے دامن تک پہنچتا ہے۔

عورتوں کی فراوانی میں مختلف ردِّ عمل

انسانی زندگی میں عورتوں کی عددی افزائش ہمیشہ رہی ہے ، اس کی وجہ سے اصل چیز اس کے ردِّ عمل ہیں ، جو معاشرے میں کبھی ایک جیسے نہیں رہے ۔ جن قوموں کے مزاج تقوی اور پاک دامنی سے وابستہ رہے وہ بڑے بڑے آسمانی ادیان کے وسیلے سے اس مشکل کو تعدد ازواج کے طور پر حل کرتی رہیں ، جن قوموں کا مزاج خوف خدا اور پاک دامنی سے زیادہ سازگار نہ تھا

نہوں نے اس مشکل کا حل عیاشی سے نکالا۔

"تعدد ازدواج" نہ مشرق میں اسلام کی پیداوار ہے نہ اس کے چھوڑنے میں یورپ کے دین مسیحی کا کوئی ہاتھ ہے، مشرق میں یہ دستور اسلام سے پہلے بھی تھا، یہاں کے مذاہب نے اس کی اجازت دی تھی، خود اصل دین مسیح میں بھی اس کی ممانعت پر کوئی صریحی حکم موجود نہیں۔ وہاں جو کچھ ہے وہ خود مغربی اقوام کے رسم و رواج کی بنا پر ہے، دین مسیح کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔

جن قوموں نے عیاشی کا رویہ اپنایا ہے وہ ان قوموں سے زیادہ ہیں جن کا ر تعدد ازدواج ہے اور انھوں نے "یک ہمسری" پر مضبوط چوٹ لگائی ہے۔

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل، مصنف "زندگانی محمدؐ" تعدد ازدواج کے بارے میں قرآن مجید کی آیتیں لکھنے کے بعد کہتے ہیں:

"یہ آیتیں ایک بیوی پر اکتفا کرنے کو بہتر قرار دیتی ہیں، اور ان کا مطلب ہے کہ اگر تم ڈرتے ہو کہ عدل کا رویہ نہ رکھ سکو گے تو بس ایک بیوی کرو۔ خود الٰہی اصرار کیا ہے کہ تم انصاف نہ رکھ سکو گے۔ اس صورت حال کے باوجود ممکن ہے کہ معاشرتی زندگی میں ایسے حادثے پیش آجائیں کہ تعدد ازدواج کی ضرورت پڑے تو بشرط عدالت اس کو جائز بھی قرار دیا ہے۔

جنگ کے دنوں میں جب مسلمانوں کے گروہ شہادت حاصل کرتے تھے اور فطرتاً بیوہ عورتیں رہ جاتی تھیں، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی دستور دیا تھا۔ کیا واقعی طور پر آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ لڑائیوں اور وبا اور شورشوں کے بعد جن میں سینکڑوں مرد ہلاک ہوتے ہیں اور بے شمار عورتیں بے شوہر رہ جاتی ہیں۔ اس وقت بھی چند بیویوں کے بجائے ایک بیوی پر اکتفا کرنا بہتر ہے؟ جب کہ چند

بیویوں کی اجازت، عدل و انصاف کے رویے کے ساتھ دی گئی ہے اور بطورِ استثنا ہے؟

کیا یورپ کے عوام دعویٰ کر سکتے ہیں کہ جنگ عظیم کے بعد ایک بیوی پر اکتفا کا قانون جس طرح موجود تھا، عملاً بھی اسی طرح نافذ تھا؟"

چند ازواجی کے مشکلات وعیوب

خوشی ۔ سعادت ۔ برکت ۔ خوش حالی ۔ خلوص ۔ درگذر ۔ جاں نثاری ۔
وحدت ویگانگت، غرض سب کچھ ایک گھر اور بیوی ایک میاں کو نصیب ہوتا ہے ۔
چند ازواجی زندگی میں یہ سب باتیں خطرے میں پڑ جاتی ہیں ۔
دو مائیں رکھنے والے بچوں کی تباہ حالی سے قطع نظر، خود شوہر کی ذمے داریاں کئی بیویوں کے ساتھ اتنی بڑھ جاتی ہیں کہ وہ ان میں ٹوٹ پھوٹ کر رہ جاتا ہے ۔ ان مشکلات کا سامنا دراصل مسرت وآسودگی کو پس پشت ڈالنے کی برابر ہے ۔
تعدد ازواج سے خوش ومطمئن لوگوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو عملی طور پر اپنی شرعی واخلاقی ذمہ داریاں پوری نہیں کرتے ۔ ایک بیوی سے زیادہ محبت کرتے اور دوسری کو نظر انداز کر دیتے ہیں ۔ قرآن مجید اس بدنصیب کی تعبیر "معلقہ" سے کرتا ہے، شوہر سے ہوا میں معلق چھوڑ دیتے ہیں ۔ اس قسم کے لوگ جب تعدد ازواج کا نام لیتے ہیں تو دراصل ان کا مقصد "ایک بیوی" ہوتی ہے بہ ضمیمۂ ظلم وستم، جرم وبیداد گری ۔
ایک بازاری محاورہ لوگوں کی زبان پر ہے : "ایک خدا ایک بیوی" ۔
اکثر لوگوں کا خیال یہی تھا اور اب بھی یہی ہے ۔ اور حقیقت میں اگر خوشی ومسرت کو معیار سمجھا جائے اور مسئلے کا انفرادی اور شخصی زاویے سے جائزہ لیں تو یہ خیال بالکل ٹھیک ہے ۔ ممکن ہے سب شوہروں کے بارے میں صحیح نہ ہو، اکثریت کے لیے تو

بہر حال ٹھیک ہے۔

اگر کوئی شوہر تمام شرعی و اخلاقی ذمہ داریاں قبول کرنے کے بعد بھی تعدّدِ ازواج کو اپنے لیے مفید سمجھتا، اور تن آسانی چاہتا ہے تو یقیناً اسے بڑی غلط فہمی ہے "ایک بیوی" خوشیوں اور راحتوں کی ضمانت کے لحاظ سے "کئی بیویوں"، پر بہر حال اور مسلّم طور پر بہتر و برتر ہے۔ لیکن ....

تحقیق کا صحیح راستہ

تعدّدِ ازواج جیسے مسائل کے صحیح اور غلط ہونے کی چھان بین کا طریقہ صحیح نہیں ہے، یہ مسئلہ شخصی اور سماجی مسئلہ ہے۔ اس کا قیاس "ایک بیوی" کے مسئلہ سے غلط ہے۔

اس قسم کے مسائل کا حل اس بات سے وابستہ ہے کہ ایک طرف تو ہم ایسے علل و اسباب کو دیکھیں جن سے یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ غور کریں کہ ان سے بے توجہی کے خطرناک نتائج کیا ہیں۔ دوسری طرف اس پر دھیان دیں کہ خود اس مسئلے یا مسائل سے کیا خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ پھر دونوں زاویوں سے جو آثار و نتائج سامنے آئیں ان کا جائزہ لیں۔ ان مسائل پر گفتگو اور ان کے واقعی حل کا تنہا یہی ایک راستہ ہے، جس سے تحقیق کرنا چاہیے۔ وضاحت کے لیے ایک مثال:

فرض کریں۔ جبری فوجی بھرتی کی رائے ہے۔ اگر اس مسئلے کو فقط نفع اور جس گھر سے اس سپاہی کا تعلق ہے اس خاندان کے رجحانات کے زاویے سے دیکھیں تو قانون کا یہ اقدام اچھا نہیں۔ کس قدر اچھا ہوتا اگر سپاہی بھرتی ہونے کا یہ قانون نہ ہوتا اور خاندان کا محبوب فرزند ان کی گود سے دور نہ ہوتا، میدان جنگ میں جا کر خاک و خون میں نہ نہاتا۔

لیکن مسئلے کی تحقیق کا یہ صحیح انداز نہیں ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ کسی خاندان سے ایک جوان بیٹے کا جدا ہونا، نیز ممکن حد تک گھر والوں کے لئے غم نصیبی کو سامنے رکھنے کے

بعد ملک کے دفاع میں سپاہیوں کی عدم موجودگی سے پیدا ہونے والے بدترین نتائج پر غور کریں، پھر منطقی اور معقول بات معلوم ہوگی کہ فرزندان وطن کا ایک گروہ "سپاہی" کے نام سے ملک اور ملت پر جان نثاری کے لیے موجود ہونا ضروری ہے۔ اس سلسلے سے خاندان کو رنج برداشت کرنا چاہئے۔

ہم نے گذشتہ مقالات میں شخصی اور سماجی ضرورتوں کو تعدد ازدواج کی وجہ جواز بتایا ہے۔ اب ہم تعدد ازدواج سے پیدا ہونے والی خرابیوں کا گہری نظر سے جائزہ لیتے ہیں۔ اس طرح ایک مجموعی حساب کا راستہ ہموار ہوسکے گا۔ نیز اسی سلسلے میں یہ بھی واضح ہوجائیگا کہ ہم تعدد ازواج کی خرابیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اگرچہ بہت سے اعتراضات تسلیم بھی نہیں کرتے جیسا کہ عنقریب عیاں ہوگا۔ تعدّد ازدواج کی بہت سی خرابیاں بیان ہوسکتی ہیں اور ہم مختلف پہلوؤں سے بحث شروع کررہے ہیں۔ ان اعتراضات اور خرابیوں کا بیان یہ ہے:

روحانی زاویۂ نظر

زن و شوہر کا رشتہ فقط مادی و جسمانی ہی نہیں ہے، یہی نہیں کہ یہ تعلق بدنی لمس اور مالی امداد کا ہو۔ اگر یہی بات ہوتی تو کئی بیویوں کا نظام ایک تاویل بدکھ سکتا تھا۔ کیونکہ مادی و جسمانی معاملات کو متعدد افراد میں تقسیم کیا جاسکتا تھا اور ہر ایک کا ایک حصہ ہوتا۔

میاں بیوی کے رشتے میں سب سے عمدہ اور اساسی بات روحانی اور حقیقی معاملات ہیں۔ عشق وہ جذبہ ہے ــــ شادی کی مرکزیت دو دلوں کو جوڑنے کا سبب ہے۔ اندرونی حس کی طرح عشق و احساسات قابل تجزیہ و تقسیم نہیں ہیں۔ انھیں توڑ پھوڑ کے ڈھیریاں لگا کر آدمیوں میں بانٹا نہیں جاسکتا بھلا ممکن ہے کہ دل کے ٹکڑے کردیے جائیں یا ایک دل دو جگہ رہن رکھا جاسکتا ہے؟ کیا ایک دل دو آدمیوں

کو دینا ممکن ہے؟ عشق و پرستش یکتائی چاہتی ہے، اس میں شریک و رقیب کی گنجائش نہیں ہے۔ گندم اور جو نہیں کہ پیمانے میں ناپ ناپ کر ہر ایک کو اس کا حصہ دیا جا سکے۔ اس کے جذبات کنٹرول میں نہیں آسکتے، لہٰذا روح ازدواج اور انسانی پہلو، دو انسانوں کا تعلق، دو جانوروں کی طرح فقط شہوت اور جنسی نہیں ہے۔ یہ تعلق ناقابل تقسیم ہے نا لائق انضباط۔ لہٰذا تعدد ازواج بری چیز ہے۔

ہمارے خیال میں، اس گفتگو میں کچھ زیادہ مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ ٹھیک ہے شادی کی روح جذبات و احساسات ہیں۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ قلبی احساسات آدمی کے اختیار میں نہیں ہوتے ــــ مگر ــــ جذبات و احساسات قابل تقسیم نہیں ــــ یہ شاعرانہ تخیل ہے، یہ مغالطہ ہے۔ اس میں تو بحث نہیں کہ خاص احساسات کسی حصۂ جسم کے مانند دو نہیں کیے جا سکتے اور ہر شخص کو اس کا حصہ نہیں دیا جا سکتا۔ جس پر یہ نتیجہ چسپاں ہوا کہ روحانی اور نفسیاتی امور بھی قابل تقسیم نہیں ہیں۔ بحث روح بشر کی گنجائش میں ہے، طے شدہ بات ہے کہ آدمی کی روح میں اتنی تنگی نہیں ہے کہ دو رشتے اس میں نہ سما سکیں۔ ایک باپ دس بیٹوں کو پرستش کی حد تک محبوب رکھتا ہے۔ ہر ایک پر جان بھی قربان کرتا ہے۔

ہاں، ایک بات ضرور ہے کہ کثرت کی وجہ سے محبت وہ عروج نہیں پاتی جو وحدت کی صورت میں ہو سکتی ہے۔ عشق و جذبات کی آخری معراج کثرت سے جوڑ نہیں کھاتی۔ اور عشق کیا، عقل و منطق بھی اس سے ہم آہنگ نہیں۔

"رسل" نے شادی اور اخلاق پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"بہت سے افراد، آج کل عشق کو احساسات و جذبات کا منصفانہ تبادلہ جانتے ہیں۔ تعدد ازواج کو مسترد کرنے کے لیے دوسری دلیلوں کو چھوڑ کر یہی دلیل کافی ہے۔"

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ "جذبات کی منصفانہ تقسیم کی جائے" تو دلیل اسی میں منحصر کیوں ہے؟ آخر باپ، اپنی تمام اولاد سے محبت نہیں کرتا، اور وہ سب باپ کو نہیں چاہتے؟ یہاں، جذبات کا منصفانہ تبادلہ نہیں ہوتا؟ اتفاق دیکھیے کہ اولاد کی تعداد کافی ہو، باپ کا رشتۂ الفت ہر ایک سے ایسا ہوتا ہے کہ اولاد کے فرداً فرداً جذبۂ الفت پر غالب آتا ہے۔

حیرت ہے۔ بات وہ کر رہا ہے، جو ہمیشہ شوہروں کو سمجھاتا ہے کہ بیوی کے عشق کو بیگانی عورت کے مقابلے میں قابل احترام سمجھیں اور ان کے غیر سے معانقہ کو نہ روکیں، پھر بیویوں کو بھی یہی نصیحت کرتا ہے ـــــ کیا واقعاً، رسل کے نزدیک میاں بیوی کے جذبات کا منصفانہ تبادلہ ہو سکتا ہے؟

تربیتی نقطۂ نظر

سوت کا وجود، نا اتفاقی کا مشہور ذریعہ ہے۔ بیوی کی نظر میں سوت سے بڑا دشمن کوئی نہیں۔ "تعدد ازدواج" بیویوں کو آپس میں اور کبھی شوہر کے خلاف آمادۂ جنگ، بلکہ میدان جنگ میں لانے کا ایک طریقہ ہے۔ ایک بیوی بچے والے گھر کو خلوص اور محبت کی ٹھنڈک سے پر سکون ہونا چاہیے۔ ماؤں کی دشمنیاں اور انتقام طلبی کی دہکتی آگ بچوں میں دوڑ جاتی ہے دو، دو۔ تین، تین گروہ بن جاتے ہیں۔ گھر کا ماحول جیسے بچوں کا پہلا مدرسۂ تعلیم و تربیت روح ہونا چاہیے، جہاں نیکی و رحم و محبت کا سبق ملنا چاہیے وہاں نفاق اور غیر شریفانہ باتیں سکھائی جانے لگتی ہیں۔

تعدد ازدواج سے اس قسم کے نامناسب تربیتی نقصانات بھی ہوتے ہیں ـــــ اس میں شک نہیں ہے، لیکن ایک بات یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ نتائج کتنے تعدد ازدواج کے جبر سے پیدا ہوتے ہیں اور کتنے اس کج روی کی وجہ سے جنم لیتے ہیں جو میاں اور دوسری بیوی کے رویے میں آجاتی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ بے چینیاں

سب کی سب تعدد ازدواج کے خمیر کی پیدا کردہ نہیں ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر باہمی دونوں کی پیداوار ہیں۔

ایک میاں بیوی باہم زندگی بسر کرتے ہیں، دونوں کی زندگی اپنی اپنی ڈگر پر چلتی رہتی ہے۔ اسی اثنا میں، مرد ایک اتفاقی حادثہ کے طور پر دوسری عورت پر فریفتہ ہو جاتا ہے، اس کے دماغ میں "چند ہمسری" کا سودا سما جاتا ہے، وہ خفیہ طور پر قول و قرار کر لیتا ہے۔ ناگہاں دوسری بیوی آسمان سے آنے والی موت بن کر، پہلی بیوی کے آشیانے یا گھر میں نازل ہو جاتی ہے۔ اس کے شوہر اور خود اس کے ساتھ رفیق و شفیق بن بیٹھتی ہے اس کی زندگی پر شب خون مارتی ہے۔ صاف سی بات ہے کہ اس پہلی بیوی کا ردعمل کینہ و انتقام کے علاوہ اور کیا ہو۔ بیوی کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن بات یہ ہے کہ اس کا شوہر اسے حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ عورت کی سب سے بڑی شکست یہ ہے کہ یہ سمجھ لے کہ میں اپنے شوہر کا دل نہ بچا سکی۔ اب وہ کسی اور کو دوست بنا رہا ہے۔ جب مرد، خودسری و ہوس رانی کی راہ غلط پر آتا اور دوسری بیوی شب خون کرنے لگتی ہے۔ تو پھر پہلی بیوی سے تحمل و برداشت کی توقع فضول ہے۔

ہاں، اگر پہلی بیوی کو شوہر کے اس عمل کی وجہ جواز معلوم ہو، مثلاً وہ سیر نہیں ہوا اور تعدد ازدواج سے وہ اسے پیٹھ نہیں دکھانا چاہتا۔ مرد بھی اپنی ہوس رانی کا غلط راستہ اور خودسری چھوڑ دے۔ پہلی بیوی کے ساتھ جذبات و احترامات کا رشتہ برقرار رکھے، دوسری بھی دھیان رکھے کہ پہلی کے حقوق ہیں۔ وہ حقوق قابل احترام بھی ہیں ان پر دست درازی جائز نہیں ہے۔ خصوصاً، سب مل کر ایک سماجی مشکل کو حل کرنے کی فکر میں رہیں، تو یقیناً، اندرونی بے چینیاں کم ہو جائیں۔

قانون تعدد ازدواج، سماجی مشکل کا ایک ترقی پسندانہ حل ہے۔ اس قانون کو نافذ کرنے والے کو بھی ذرا اونچی سطح سے دیکھنا چاہیے۔ اسے اعلیٰ درجے کی اسلامی تربیت

سے آراستہ ہونے کی ضرورت ہے۔

تجربہ نے بتایا ہے۔ جب اور جہاں مرد نے خود سری و ہوس رانی کے غلط رویے سے دامن بچایا اور بیوی نے واقعاً محسوس کیا کہ اس کے شوہر کو دوسری بیوی کی ضرورت ہے تو وہ خود آگے بڑھی اور دوسری بیوی کو اپنے شوہر کے گھر میں لائی ہے اور مذکورہ بالا برائیوں میں سے کوئی بھی برائی دیکھنے میں نہیں آئی۔ اکثر بے چینیوں کا سبب مرد کا وہ غیر انسانی رویہ ہوتا ہے جو وہ اس قانون کے اجرا میں اختیار کرتا ہے۔

اخلاقی زاویۂ نظر

کہتے ہیں تعدد ازدواج کی اجازت، گھٹیا حرص اور شہوت رانی کی اجازت ہے۔ مرد کو ہوس پرستی کی اجازت دی گئی ہے۔ اخلاق کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی شہوت کو ممکن حد تک کم سے کم کرتا جائے کیونکہ آدمی کا مزاج ایسا ہے کہ جس قدر شہوت کے راستے کھلے رکھے گا اس قدر اس کی رغبت اور اس کا شوق بڑھتا جائے گا، ہوس کی آگ بھڑکتی جائے گی۔

مان ٹسکو نے "روح القوانین" ص۳۲۲ پر، کئی بیویوں پر یہ رائے دی ہے:

"شاہ مراکش کے حرم میں سفید و زرد و سیاہ پوست، ہر نسل و قوم کی عورتیں ہیں۔ یہ شخص اگر ان سے دگنی عورتیں بھی حاصل کر لے، جب بھی ایک نئی نویلی دلھن کا طلب گار رہے گا۔ کیونکہ ہوس پرستی، خست کی طرح بڑھنے والی چیز ہے۔ دولت جس قدر بڑھتی جائے ..... تعدد ازدواج گھٹیا درجے کی عشق بازی ہے اور خلاف فطرت (ہم جنس بازی) کو بھی تجربے میں لاتی اور معاشرے میں پھیلاتی ہے۔ شہوت رانی کی راہ میں جو عمل بھی حد سے باہر ہوگا، مزید بے قاعدگی کا سبب بنے گا جب اسلامبول میں شورش ہوئی تو اس وقت بادشاہ کے محل میں ایک بیوی بھی نہ تھی، حکمران صاحب خلاف فطرت عشق بازی میں دن رات گذار رہے تھے۔"

سے آراستہ ہونے کی ضرورت ہے۔

تجربہ نے بتایا ہے۔ جب اور جہاں مرد نے خود سری و ہوس رانی کے غلط رویئے سے دامن بچایا اور بیوی نے واقعاً محسوس کیا کہ اس کے شوہر کو دوسری بیوی کی ضرورت ہے تو وہ خود آگے بڑھی اور دوسری بیوی کو اپنے شوہر کے گھر میں لائی ہے اور مذکورہ بالا برائیوں میں سے کوئی بھی برائی دیکھنے میں نہیں آئی۔ اکثر بے چینیوں کا سبب مرد کا وہ غیر انسانی رویہ ہوتا ہے جو وہ اس قانون کے اجرا میں اختیار کرتا ہے۔

اخلاقی زاویۂ نظر

کہتے ہیں تعدد ازدواج کی اجازت، گھٹیا حرص اور شہوت رانی کی اجازت ہے۔ مرد کو ہوس پرستی کی اجازت دی گئی ہے۔ اخلاق کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی شہوت کو ممکن حد تک کم سے کم کرتا جائے کیونکہ آدمی کا مزاج ایسا ہے کہ جس قدر شہوت کے راستے کھلے رکھے گا اس قدر اس کی رغبت اور اس کا شوق بڑھتا جائے گا، ہوس کی آگ بڑھکتی جائے گی۔

مان تسکو نے "روح القوانین" صفحہ ۲۲۴ پر، کئی بیویوں پر یہ رائے دی ہے:

"شاہ مراکش کے حرم میں سفید و زرد و سیاہ پوست، ہر نسل و قوم کی عورتیں ہیں۔ یہ شخص اگر ان سے دوگنی عورتیں بھی حاصل کر لے، جب بھی ایک نئی نویلی دلھن کا طلب گار رہے گا۔ کیونکہ ہوس پرستی، خست کی طرح بڑھنے والی چیز ہے۔ دولت جس قدر بڑھتی جائے ...... تعدد ازدواج گھٹیا درجے کی عشق بازی ہے اور خلاف فطرت (ہم جنس بازی) کو بھی تجربے میں لاتی اور معاشرے میں پھیلاتی ہے۔ شہوت رانی کی راہ میں جو عمل بھی حد سے باہر ہوگا، مزید بے قاعدگی کا سبب بنے گا جب اسلامبول میں شورش ہوئی تو اس وقت بادشاہ کے محل میں ایک بیوی بھی نہ تھی، حکمران صاحب خلاف فطرت عشق بازی میں دن رات گذار رہے تھے۔"

یہ اعتراض دو پہلوؤں سے بحث و نظر کا طالب ہے۔

۱۔ پاکیزگی اخلاق، افعال شہوت کے خلاف ہے۔ پاکیزگی نفس کے لیے شہوت کو کم سے کم تر کیا جائے۔

۲۔ انسانی نفسیات کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی جس قدر فطرت کے ساتھ چلے گا سرکشی بڑھتی جائے گی اور جس قدر اس کی مخالفت کرے گا۔ اسی قدر اس میں ٹھہراؤ آئے گا۔

پہلا زاویہ۔ افسوس ہے کہ یہ ایک غلط تعلیم ہے اور اس مسیحیت پر قائم ہے جس کی اساس "ریاضت" ہے۔ اس ہندو، بدھ اور ... جیسے نظریات و مذاہب کی اسی پرچھائیں ہے۔ اسلامی اخلاق کی اساس کچھ اور ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ نہیں کہ شہوت کو جس قدر کم کیا جائے اخلاق سے زیادہ قریب ہے۔ اور اگر صفر پر پہنچ جائے تو سو فیصد اخلاقی ہے۔ اسلام کی نظر میں شہوت رانی میں افراط اصول اخلاق کے خلاف ہے۔

تعدد ازدواج، افراطی عمل ہے، یا نہیں؟ تو یہ دیکھیں کہ فطرت نے مرد کے لیے "یک ہمسری" ہی رکھی ہے اور چند ہمسری کو انحرافی و افراطی عمل قرار دیا ہے۔

اکتیس ویں (۳۱) مقالے میں معلوم ہوا کہ آجکل شاید کوئی بھی پیدا نہ ہو جائے جو مرد کی فطرت کی "یک ہمسری" کا قائل ہو اور چند ہمسری کو خلاف فطرت مانتا ہو بلکہ اس کے برعکس بعض کی رائے یہ ہے کہ مرد کی فطرت چند ہمسری سے زیادہ مناسب ہے اور ایک ہمسری مجرد کی طرح خلاف فطرت ہے۔ ہم اس نظریے کے اگرچہ مخالف ہیں لیکن مرد کی فطرت ایک ہمسری کے قائل بھی نہیں۔

مان تسکو کی طرح جن لوگوں نے تعدد ازدواج کو شہوت پرستی کے ہم پلہ مانا ہے ان کی نظر حرم سرا بازی خلفاء بنی عباس و بنی عثمان پر ہے۔ اسلام، سب سے آگے اور سب سے زیادہ اس کردار کے خلاف ہے۔ اسلام نے تعدد ازدواج پر جو حدّ و قید لگائی ہے اس سے ہوس رانی و آزادی مرد کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

رہا بحث کا دوسرا تمہیدی پہلو "آدمی کی طبیعت جس قدر راضی رکھی جائے اتنی ہی سرکش ہوتی جاتی ہے اور جس قدر مخالفت کی جائے اسی قدر ٹھنڈی رہتی ہے" یہ نظریہ بالکل فرائیڈ کے نظریہ کے مقابلے میں ہے کہ آج بھی فرائیڈ کے ماننے والے اس کا پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔

فرائیڈازم والے کہتے ہیں "طبیعت کو جس قدر مطمئن کیا جائے، سکون اور جتنا دبایا جائے اتنا ہی منہ زور ہوتی ہے، سرکشی دکھاتی ہے" لہذا ان لوگوں کا شمار اس گروہ میں ہے جو سو فیصد، آزادی اور رسم و رواج، ادب و آداب کو درہم برہم کرنے والا گروہ ہے۔ خاص کر جنسی معاملات میں۔ کاش، مان ٹسکو زندہ ہوتا اور دیکھتا کہ اس کے نظریات فرائیڈ اور اس کے پرستاروں نے کس طرح استعمال کئے ہیں۔ اس کی فرضیوں کا کتنا مذاق اڑایا ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے دونوں خیال غلط ہیں کیونکہ طبیعت و فطرت کے کچھ حقوق و حدود ہیں ان حقوق و حدود کو سمجھنا اور پہچاننا ضروری ہے۔ طبیعت (فطرت) دو چیزوں کے نتیجے میں سرکشی کرتی اور سکون کو درہم و برہم کر ڈالتی ہے۔ ایک محرومی و ناکامی، دوسرے، اس کے سامنے لگی ہوئی ہر حد و قید سے مکمل آزادی۔

بہرحال تعدد ازدواج ضد و مخالف اخلاق نہیں نہ اس سے پاکیزگی نفس اور روح کا سکون متأثر ہوتا ہے، جو مان ٹسکو کا خیال ہے۔ نہ ایک یا چند شرعی بیوی پر قناعت و اکتفا خلاف اخلاق ہے۔ جیسے فرائیڈ اور اس کے ماننے والے، جن کا ہر وقت عملی مظاہرہ اسی نظام کے تحت چاہتے ہیں۔

قانونی نقطۂ نظر

عقد ازدواج کے بموجب میاں بیوی دونوں ایک دوسرے سے وابستہ اور ایک دوسرے کے قبضے میں آجاتے ہیں، ایک دوسرے سے لذت اندوزی کا جو ربط پیدا ہوتا ہے

اس کا سبب شادی کے منافع کی ملکیت ہے جو عقدِ ازدواج کے بموجب ہے ۔ لہذا تعدد زوجات کی صورت میں صاحبِ حق پہلی زوجہ ہے ۔ اس کے بعد جو معاملہ بھی شوہر اور کسی غیر عورت کے درمیان طے ہوتا ہے وہ دراصل "فضولی" ہے (قانونی حیثیت سے کمزور ہے) دلیل یہ ہے کہ مرد کے "منافع زن و شوہر" اب سے پہلے ، زوجۂ اول کے ہاتھ بک چکے ہیں ۔ اور وہی ان کی مالک سمجھی جاتی ہے ، اس بنا پر اولیت اسی کو حاصل ہے اور اس کی طرف توجہ رہنا چاہیے ۔ اس سے اجازت لینا چاہیے ۔ اس کے بعد اگر تعدد ازدواج کی اجازت دی جائے تو اسے پہلی بیوی کی رضامندی کے حوالے سے ہونا چاہیئے ۔ دراصل پہلی بیوی ہی اپنے شوہر کے بارے میں فیصلہ کر سکتی ہے کہ وہ دوسری شادی کرے یا نہ کرے ۔

تو ، دوسری ، تیسری اور چوتھی شادی کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ایک مرتبہ اپنا مال بیچ ڈالے پھر اسی بکے ہوئے مال کو دوسری تیسری اور چوتھی مرتبہ الگ الگ خریداروں کے ہاتھ بیچے ۔ اگر بیچنے والا وہی مال بعد والوں کے قبضے میں دیدے تو مستحق سزا ہے ۔

یہ اعتراض اس نکتے پر اٹھ سکتا ہے کہ "فطرتِ حقوق ازدواج" کو منافع کا تبادلہ فرض کیا جائے ۔ یعنی میاں بیوی کو "زن و شوہر کے منافع" کو ہر دوسرے فریق کو مالک مانا جائے ۔ ہم سردست اس بات سے بحث نہیں کرتے کہ یہ نکتہ اعتراض و تنقیح طلب ہے یا نہیں ۔ فرض کریں کہ ازدواج کی قانونی فطرت یہی ہو ۔ جب بھی اعتراض اس صورت میں نہ تو ممکن ہے کہ مرد کی طرف سے نئی چیز اور تنوع پسندی کا پہلو پایا جاتا ہو ۔ تو پھر ماننا پڑے گا ازدواج کی قانونی حیثیت "زن و شو" (میاں بیوی) کے منافع کا تبادلہ ہی کی ہوگی ۔ اور بیوی ہر لحاظ سے بالادست ہوگی اسے شوہر کے مفادات کا لحاظ کرنا ہوگا اور شوہر کے لیے کوئی وجہ جواز نہ ہوگی کہ کئی بیویاں خود سے کر سکے ۔

لیکن جس صورت میں مرد کا جذبہ "تنوع پسندی" نہ ہو بلکہ گذشتہ مقالات میں بیان کردہ اسباب میں سے کوئی اور داعی ہو، اس وقت تو یہ اعتراض بے محل ہو جائے گا۔ مثلاً: بیوی بانجھ ہو۔ یا اس عمر کی ہو جب بچہ نہیں ہوا کرتا (یائسہ ہو) اور مرد اولاد کا محتاج ہو۔ یا بیوی مریض ہو اور شوہر اس سے لذت نہیں حاصل کر سکتا۔ یہ ایسے مقامات ہیں جہاں بیوی کو کسی بیویاں کرنے سے روکنے کا حق نہیں ہو سکتا۔

یہ صورت حال وہ تھی جہاں تعدد ازواج کی وجہ جواز، انفرادی پہلو اور وہ بھی شوہر کی ذات سے متعلق ہو، لیکن اگر اس معاملے میں معاشرتی قدم بھی آجائے اور تعدد ازواج کی بنیاد، عورتوں کی فراوانی اور مردوں کی کمی ہو۔ یا۔ معاشرے کو افرادی قوت درکار ہو اور تعدد ازواج اس مقصد کے لیے تجویز کیا جائے، تو پھر صورت مسئلہ کچھ اور رہے گی، ان مقامات پر تعدد ازواج قانونی فرض اور باصطلاح فقہ "واجب کفائی" ہوگا۔ معاشرے سے عیاشی و اوباشی کے خاتمے، یا معاشرے میں افرادی عددی افزائش کی خاطر یہ ذمے داری تو اٹھانا پڑے گی۔ بدیہی بات ہے کہ جب ذمہ داری اور سماج کی طرف سے فریضہ عائد ہو جائے تو اجازت و رضامندی و قبول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فرض کریں۔ معاشرہ واقعاً عورتوں کی فراوانی میں مبتلا ہے یا اسے افراد کی عددی کثرت کی ضرورت ہے، تو شرعی ذمہ داری اور واجب کفائی کا حکم تمام بال بچے والے میاں بیوی پر نافذ ہوگا۔ گھر والی خواتین کو فداکاری و جانثاری کا وہی مظاہرہ کرنا ہوگا جو لڑکے کے فوج میں داخل ہونے کے وقت کیا جاتا ہے۔ کہ معاشرے کے تحفظ کے لیے محاذِ جنگ پر جا سکے۔ ان مقامات پر، ایک یا کئی افراد کی رضامندی کا حوالہ غلط ہوگا۔

جو لوگ زور دیتے ہیں کہ حق و عدالت کا تقاضہ ہے کہ تعدد ازواج پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر نہ ہو، ان کی نظر فقط مرد کی تنوع طلبی ہی پر ہے، وہ

انفرادی و معاشرتی ضرورتوں کو بھلا بیٹھے ہیں۔ بنیادی بات تو یہ ہے کہ اگر انفرادی یا معاشرتی ضرورت موجود نہ ہو تو کئی بیویوں کا جواز ہی قابل قبول نہ ہوگا اس میں پہلی بیوی کی اجازت کے ہونے نہ ہونے کی بات ہی کیا رہ جاتی ہے۔

فلسفی نقطۂ نظر

مساوات حقوقِ زن و مرد، فلسفی اصول ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ دونوں انسانیت میں برابر ہیں لہٰذا قانون تعدد ازدواج خلاف اصول فلسفی ہے۔ چونکہ زن و مرد متساوی الحقوق انسان ہیں اس لیے یا دونوں کو حق دیا جائے کہ متعدد ہمسر رکھ سکیں یا کسی کو اجازت نہ ہو، مرد کو کئی بیویوں کا حق ہو اور عورت کو چند شوہر رکھنے سے محروم رکھنا طبقہ پرستی و مرد نوازی ہے۔

مرد کو چار بیویاں کرنے کا حق دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایک عورت کی ویلیو مرد کے (چوتھے حصے) کے برابر ہے، عورت کی یہ بہت بڑی توہین ہے۔ حتیٰ کہ اسلام نے بھی میراث اور گواہی میں عورت کو مرد کے نصف کے مساوی مانا اور دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر قرار دی ہے لیکن قانونِ تعدد ازدواج اس کے بھی منافی ہے۔

تعدد ازدواج پر یہ اعتراض سب سے زیادہ حقیر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ معترض کو بالکل معلوم نہیں کہ تعددِ ازدواج کے فردی و معاشرتی زاویے سے موجبات و علل و اسباب کیا ہیں؟ اس طرف معترض کی ذرا سی توجہ نہیں ہے معترض کا خیال ہے کہ موضوعِ زیرِ بحث ـــ ہوس ہے۔ جب ہی تو کہا ہے کہ مرد کی ہوس کو تو دیکھا گیا اور عورت کی ہوس نظر انداز کر دی۔

گذشتہ صفحات میں تعدد ازدواج کے علل و موجبات و مجوّزات و اسباب پر گفتگو ہو چکی۔ خصوصاً یہ اہمیت بھی یاد دلائی جا چکی کہ جب بے شوہر عورتیں شادی

تعداد مردوں سے زیادہ ہوں تو بیاہتا جوڑوں میں میاں بیوی دونوں پر یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ ایسی خواتین کو گھروں میں بسائیں اب اس پر زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتا۔

اس مرحلے میں اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تعدد ازواج و میراث و شہادت میں اسلام کے فلسفے کی بنیاد حقوقِ خواتین کی توہین اور ان سے بے توجہی ہوتی اور اسلام، انسانیت کی سطح پر پیدا ہونے والے حقوق میں اختلاف و فرقِ مراتب کا قائل ہوتا تو ہر مسئلہ میں حکم کی نوعیت یکساں ہوتی۔ کیونکہ یہ فلسفہ ہر جگہ یکساں اطلاق پذیر قرار پاتا۔ اسلام نے کہیں یہ نہیں کہا کہ ایک عورت کی میراث ایک مرد کی نصف میراث کے برابر ہے اور کہیں یہ نہیں کہا کہ ایک عورت کو ایک مرد کے برابر ترکے میں حصے ملے گا۔ اور کہیں بھی یہ حکم نہیں کہ ایک مرد چار بیویاں کرے۔ گواہی (شہادت) کے بارے میں بھی ہر مسئلے کا حکم الگ ہے۔ ان باتوں سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ اسلام کی نظر کچھ اور فلسفوں پر ہے اور اس کی قانون سازی کی سائنس اور ہے۔ ہم میراث کے بارے میں گذشتہ مباحث میں روشنی ڈال چکے ہیں۔ ایک اور مقالے میں یہ بھی بتا چکے ہیں کہ۔ انسانیت میں زن و مرد کی مساوات اور انسانیت کی بنیاد پر پیدا ہونے والے حقوقِ زن و مرد کا احترام اسلام کی نظر میں حقوقِ انسانی کی الف بے کا درجہ رکھتا ہے۔ اسلام زن و مرد کے حقوق مساوات کے درجے سے بلند رکھتا ہے۔ اس بات کا گہری نظر سے مطالعہ ضروری ہے۔ اور ان کا نفاذ بھی لازم ہے۔

چند ازواجی دستور میں اسلام کا کردار

اسلام نے نہ تو چند ازواجی دستور کو ایجاد کیا نہ اسے منسوخ کیا، اسلام سے صدیوں پہلے یہ نظام دنیا میں موجود تھا، اور اب معاشرے میں ایسے مشکلات پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا حل صرف تعدد ازدواج ہی ہیں، اسلام اسی کا حامی ہے۔

لیکن۔ اسلام نے چند ازدواجی دستور میں اصلاحات ضرور کیے ہیں۔

محدودیت:

پہلی اصلاح ۔ اسلام نے تعدد ازواج کی رسم میں ایک اقدام یہ کیا کہ اسے محدود کردیا۔ اسلام سے پہلے "چند ازدواجی" دستور لامحدود تھا، ایک مرد، سینکڑوں عورتیں رکھ سکتا تھا۔ یوں حرم سرائی پیدا ہوئی۔ اسلام نے زیادہ سے زیادہ کی حد مقرر کردی۔ ایک آدمی کو چار شادیاں کرنے اور چار بیویوں سے زیادہ بیویاں رکھنے سے روک دیا۔ آغاز اسلام میں ایسے افراد تھے، حکایات و روایات ان لوگوں کے نام موجود ہیں، جو اسلام لائے اور ان کے گھروں میں چار سے زیادہ بیویاں تھیں، اسلام نے ان سے مطالبہ کیا اور انھوں نے زائد بیویوں کو رخصت کردیا۔ غیلان ابن اسلمہ، کی دس بیویاں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حکم دیا کہ چھ بیوں کو رخصت کردے۔

نوفل ابن معاویہ کی پانچ بیویاں تھیں، اسلام لایا۔ حضورؐ نے فرمایا، ایک کو رخصت کرنا ضروری ہے۔

شیعہ روایات میں ہے کہ ـــــ

امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں ایک ایرانی مجوسی نے اسلام قبول کیا اس کے گھر میں اس کی سات بیویاں تھیں ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس بارے میں دریافت کیا گیا ؛ یہ شخص اسلام قبول کر چکا ہے ، ان سات بیویوں کے بارے میں یہ شخص کیا کرے امام نے فرمایا :

"تین بیویوں کو بہر حال رخصت کر دے ۔

عدالت :

دوسری اصلاح ۔ اسلام نے عدالت کی قید لگا دی ؛ اس نے اجازت نہ دی کہ بیویوں یا ان کی اولاد میں کسی قسم کی درجہ بندی ہو ۔ قرآنِ کریم نے صاف صاف کہا :

فان خفتم الا تعدلوا فواحدة

اگر تمہیں عدل نہ کر سکنے کا خوف ہو تو پھر صرف ایک بیوی پر اکتفا کرو ۔

اسلام کی آمد سے پہلے دنیا میں اصولِ عدالت کا خیال ہی نہ تھا ، نہ بیویوں کے معاملات میں انصاف تھا نہ ان کی اولاد میں ۔ مقالہ نمبر ۲۷ میں کرسٹن سن اور دوسروں کی رائے نقل کی جا چکی کہ ، ایران کے ساسانی دور میں تعددِ ازدواج کی رسم عام تھی ۔ بیویوں اور بچوں میں درجہ بندی ہوتی تھی ، ایک یا کئی بیویوں کو "ممتاز محل" کہا جاتا اور "پادشاہ زن" سے موسوم ہوتی تھیں ۔ انہیں تمام حقوق حاصل تھے ۔ دوسری بیویاں نوکر سمجھی جاتی تھیں ۔ انھیں قانونی حق بھی بہت کم نصیب تھے ۔ نوکر بیویوں کی اولاد میں لڑکے قبول تھے ، لڑکیاں باپ سے منسوب نہیں کی جا سکتی تھیں ۔

اسلام نے اس رسم کو منسوخ کیا ، اسلام نے کسی بیوی اور اس کی اولاد کے قانونی حقوق میں کمتری و فرق کو مسترد کیا ۔

ویل ڈیورانٹ نے تاریخ تمدن ، جلد اول میں تعددِ ازدواج پر بحث کرتے

ہوئے لکھا ہے :

"آہستہ آہستہ ایک ایک فرد کے پاس اچھا خاصہ سرمایہ جمع ہوتا گیا، اسے فکر ہوئی کہ اگر اس کی دولت زیادہ حصہ داروں میں تقسیم کی گئی تو اس کی ہر اولاد کو بہت کم حصہ ملے گا ، اس کو فکر ہوئی پہلی بیوی اور دوسری بیوی، نیز دوسری ہم خواب عورتوں میں فرق رکھے تاکہ میراث اصلی بیوی کی اولاد کو ملے ۔"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قدیم زمانے میں بیوی اور اولادوں کے درمیان فرقِ مراتب رائج تھا ۔ تعجب ہے کہ ویل ڈیورانٹ اپنی بات کہتے کہتے یہاں تک پہنچا :

"موجودہ نسل تک براعظم ایشیا میں یہی سلسلہ جاری رہا ، آہستہ آہستہ بیوی ایک ہی رہ گئی ، دوسری بیویاں یا محبوب عورتیں خفیہ ہو گئیں یا بالکل ختم ہو گئیں ۔"

ویل ڈیورانٹ نے یا تو خیال نہ کیا ، یا توجہ نہ کرنا چاہی ، کہ چودہ صدیاں گذر گئیں ، ایشیا میں ، دین مقدس اسلام نے اولاد میں فرقِ مراتب ختم کر دیا ہے ۔ ایک اصلی بیوی اور چند بیوی محبوبائیں رکھنے کی رسم یورپ کی رسم ہے ، ایشیا کی نہیں ، آخر میں یہ دستور یورپ سے ایشیا میں آیا اور پھیلا ہے ۔

بہر حال ۔ اسلام نے تعدد ازواج کے بارے میں دوسری اصلاح یہ کی ہے کہ فرقِ مراتب کو مہمل قرار دیا ۔ سب بیویوں اور ان کی اولاد کو ایک درجہ دیا ۔

اسلام کے نزدیک رنڈی بازی کسی شکل و صورت میں جائز نہیں ، علماء اسلام تقریباً سب ہی متفق ہیں کہ بیویوں میں فرقِ مراتب ناجائز ہے ، ایک آدھ فقہی دبستان میں بیوی کے حق کی تشریح یوں کی گئی ہے جس سے بوئے فرق آتی ہے ۔ میرے نزدیک یہ بات ناقابل تردید ہے کہ قرآن کریم اس کے خلاف ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا:

"جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں عدل نہ برتے، ایک بیوی کی طرف زیادہ جھکاؤ ظاہر کرے تو قیامت میں یوں محشور ہو گا کہ آدھا بدن زمین پر گھسٹ کر چلے گا آخر کار جہنّم میں داخل ہو جائے گا۔"

عدالت انسانی فضائل میں بہترین فضیلت ہے۔ شرط عدالت کا مطلب ہے بلند ترین اخلاقی قوت کا مالک ہونا۔ چونکہ عموماً شوہر کے جذبات تمام بیویوں کے لیے یکساں اور برابر نہیں ہو سکتے، اس لیے عدالت کی نگہداشت اور ان کی فرق نہ کرنا، مشکل ترین مرحلہ ہے جو شوہر کے ذمے ہے۔

سب کو معلوم ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے کے آخری دس برس میں، جو لڑائیوں کے دن تھے، بے شوہر عورتیں مسلمانوں میں بکثرت موجود تھیں آنحضرتؐ نے جن سے شادیاں کیں وہ بیوہ اور بڑی عمر کی عورتیں تھیں اور اکثر کے پاس دوسرے شوہروں سے اولاد بھی تھی۔ ایک ہی دوشیزہ حضرت عائشہ تھیں جس سے آپ نے شادی کی، حضرت عائشہ اس پر فخر کرتی تھیں کہ میں اکیلی بیوی ہوں جس نے آنحضرتؐ کے علاوہ کسی دوسرے مرد کا بدن لمس نہیں کیا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازواج کے معاملات میں انتہائی عدالت کا برتاؤ کرتے تھے، ذرہ برابر فرق نہ برتتے تھے۔ عروہ ابن زبیر حضرت عائشہ کے بھانجے تھے، انھوں نے اپنی خالہ سے آنحضرتؐ کی سیرت کے بارے میں کچھ سوال کیے۔ حضرت عائشہ نے کہا: آنحضرتؐ اپنی سیرت کے مطابق ہم میں سے کسی کو دوسری پر ترجیح نہ دیتے تھے۔ سب کے ساتھ عدالت و یکسانیت کا برتاؤ کرتے تھے، بہت کم ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ اپنی تمام ازواج کے گھر نہ جائیں۔ سب کی مزاج پرسی فرماتے حالات سے باخبر رہتے تھے۔ جس خاتون کا دن ہوتا اس کے یہاں رہتے

مگر دوسریوں سے غافل نہ ہوتے خیریت طلبی ضرور کرتے ۔ رات باری والی بی بی ہی کے یہاں گذارتے تھے اور اگر اتفاقاً کسی ایسی اہلیہ کے یہاں شب گذارنا چاہتے جس کی باری نہ ہوتی تو خود اُن اہلیہ کے گھر جاتے اور اس رات کی اجازت طلب فرماتے تھے ، اگر وہ اجازت دیتی تھیں تو دوسری کے یہاں شب باش ہوتے تھے ۔ اگر وہ اجازت نہ دیتی تھیں تو آپ دوسری کے یہاں نہ جاتے تھے ۔ میں خود بھی ایسے موقع پر آنحضرتؐ کو اجازت نہیں دیتی تھی ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس علالت میں جو انتقال تک رہی ، جب چلنا پھرنا چھوڑ دیا اس وقت بھی انصاف و عدالت کی نزاکتوں کو ملحوظ رکھتے ، اور اپنا بستر اس حجرے سے اس حجرے میں منتقل کرتے تھے ۔ آخر ایک دن سب کو جمع کر کے ایک حجرے میں رہنے کی اجازت لی ۔ اور حجرہ حضرت عائشہ میں رہنے لگے ۔

حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے گھر میں جب دو بیویاں تھیں تو امام اس قدر عدل کا خیال فرماتے تھے کہ اگر ایک معظمہ کی باری ہوتی تو دوسری کے یہاں وضو کرنے بھی نہ جاتے تھے ۔

اسلام بجائے خود اس قدر عدالت کا قائل ہے کہ مرد اور اس کی دوسری بیوی کو یہ حق نہیں دیتا کہ شادی کے سلسلے میں معاہدہ کریں کہ دوسری بیوی پہلی بیوی سے کچھ فرقِ حقوق کے ساتھ گھر میں رہے گی ۔ یعنی اسلام کے نزدیک عدالت ، شوہر پر واجب شرعی ہے ۔ شوہر کسی قبل از وقت شرط کے ذریعے اپنی اصل ذمہ داری سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا ۔ عورت و مرد دونوں میں سے کسی کو اس قسم کی شرط متن عقد میں رکھنے کی اجازت نہیں ۔ دوسری بیوی صرف عملی طور پر اپنے حق سے دست بردار تو ہو سکتی ہے ، مگر یہ شرط نہیں کر سکتی کہ وہ پہلی بیوی کے برابر حقوق نہ رکھے گی ۔ اسی طرح پہلی بیوی عملی طور پر اپنی رضا و رغبت سے اپنے حقوق سے دستبردار

ہوجائے تو ہو جائے، لیکن قانونی طور پر اپنے حقوق کے بارے میں کوئی ایسا قول و قرار نہیں کر سکتی، جس کی رو سے وہ قانوناً محروم ہو جائے۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا:

کیا، مرد اپنی بیوی سے یہ شرط کر سکتا ہے کہ فقط دن کو اس کے یہاں آسکے گا یا مہینے میں ایک بار، یا ہفتے میں ایک بار رہے گا۔ یا شرط کرلے کہ پورا نفقہ یا فلاں بیوی کے برابر نفقہ لے نہ دے گا۔ اور یہ بیوی ان شرائط یا ان میں سے کسی ایک شرط کو مان لے؟ کیا حکم ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا: نہیں، ایسی شرطیں صحیح نہیں ہیں۔ ہر بیوی عقد ازدواج کے بموجب خود بخود ایک زوجہ کے تمام حقوق حاصل کر لیتی ہے۔ البتہ عقد اور حصول حقوق کے بعد، ہر بیوی، شوہر کی توجہ اپنی طرف مائل کرنے کے لئے اور یہ کہ اسے طلاق نہ دے، یا کسی اور مقصد کی خاطر اپنے کچھ حقوق شوہر کو ہبہ کر سکتی ہے۔"

ان اخلاقی شرائط کے بعد، تعدد ازدواج ذریعہ ہوس رانی کے بجائے فرائض و حقوق کی شکل و صورت اختیار کر لیتا ہے۔ شہوت رانی و ہوس پرستی کا مطلب ہی مکمل آزادی اور آرزوے دل پوری کرنا ہے۔ ہوس پرستی اس وقت وجود پذیر ہوتی ہے، جب آدمی دل کے قابو میں آجائے اور جو دل چاہے وہ کرے ۔ اور دل پر خواہشات کا قبضہ ہو۔ دل اور خواہشات دلیل و حساب قبول نہیں کرتے۔ جہاں نظم و ضبط، قانون قاعدہ، فرض کی انجام دہی اور عدل و انصاف کی بات آجائے وہاں، ہوس، آرزو اور آزادی خیال کا قدم نہیں آسکتا۔ اس وجہ سے، اسلامی پابندیوں کے ساتھ "تعدد ازدواج" کو ذریعہ ہوس رانی کہنا درست نہیں۔

جو لوگ تعدد ازدواج کو ہوس رانی کا ذریعہ مانتے ہیں وہ ایک ناجائز کام

کے سے اسلامی قانون کو بہانہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ معاشرے کو ان کے محاسبے اور اس غلط بہانے پر سزا دینے کا حق ہے۔

عدل و انصاف کا خوف

انصاف کی بات کرنا چاہیے، تعدد ازواج کی صورت میں اسلامی پابندیوں کے مطابق کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ فقہ اسلام کہتی ہے:

"اگر ڈرتے ہو کہ پانی کا استعمال جسم کو نقصان پہنچائے گا تو وضو نہ کرو۔"

"اگر خوف ہو کہ روزہ تمہارے لیے ضرر کا باعث ہوگا تو روزہ نہ رکھو"

فقہ میں یہ دونوں حکم موجود ہیں، آپ کو بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جو پوچھتے ہیں۔ جناب پانی کا استعمال مجھے نقصان پہنچاتا ہے، میں وضو کروں یا نہ کروں؟ روزے سے خوف ضرر ہے، روزہ رکھوں یا نہ رکھوں؟ یقیناً یہ سوال درست اور برمحل ہیں ایسے اشخاص واقعاً وضو نہ کریں، ایسے آدمی ہرگز روزہ نہ رکھیں۔

قرآن مجید کے الفاظ ہیں:

"فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ" (النساء/۳)

"اگر تم کو خوف ہو کہ بیویوں میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک سے زیادہ بیوی نہ رکھو۔"

اس صورت حال میں، آپ نے اپنی پوری زندگی میں کبھی کسی سے سنا ہے کہ اس نے پوچھا ہو۔ "میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں اور دوسری بیوی لانا چاہتا ہوں، مگر ڈرتا ہوں کہ برابری و عدالت نہ برت سکوں گا، شادی کروں یا نہ کروں؟ میں نے تو یہ سوال نہیں سنا۔ آپ نے بھی یقیناً یہ بات کسی سے نہ سنی ہوگی۔ ہمارے عوام بیویوں میں عدل و مساوات قائم نہ رکھنے کی نیت کے بعد بھی اگر اسلام اور احکام اسلام کی آڑ میں کئی شادیاں کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ تو بات صاف ہے۔ یہ لوگ اپنی بدکرداری

سے اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔

جو لوگ کم از کم اسی ایک پابندی کو پوری طرح نباہ سکتے ہوں تو بلا شبہ وہ تعدد ازواج پر عمل کر سکتے ہیں اور ان پر کوئی اعتراض بھی نہ ہو سکے گا۔

حرم سرائیں

تعدد ازواج کی بنیاد پر اسلام کے خلاف گفتگو کا ایک سبب گذشتہ خلفاء وسلاطین کی حرم سرائیں تھیں عیسائی مشنریوں اور کچھ مصنفین نے اسلامی اجازت تعدد ازدواج کو ان سونی حرم سراؤں سے جوڑ دیا جہاں کے ظلم وستم کی کہانیوں کا پروپیگنڈہ کیا اور اسے اسلام کے سر منڈھ دیا۔

ہمارے مصنفین بھی ان کے ترجمان بن گئے اور ان کی تحریروں میں وہی صدائے شت آنے لگی، وہی الفاظ، وہی افکار، اور وہی مقاصد کہ تعدد ازواج کا دوسرا حرم سرا ہے۔ اتنی آزادی فکر بھی نہیں حاصل نہیں کہ تعدد ازواج وحرم سرا کا رق بتا سکیں۔

دوسرے شرائط ولوازمات

عدل وانصاف سے قطع نظر، کچھ اور ذمہ داریاں، کچھ اور لوازم وفرائض بھی مرد پر عائد ہوتے ہیں۔ بیوی کے حقوق کا ایک سلسلہ اپنی جگہ پھر شوہر سے فائدہ حاصل کرنے کا جواز سب جانتے ہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی مرد چند شادی کر سکتا، اس کا حوصلہ ومالی امکانات سے اجازت دیتے ہیں تو اعتراض کیوں ہے، آخر ایک بیوی کے لیے بھی تو امکانات مالی پر نظر رکھی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ جسمانی اور طبیعی امکانات بجائے خود ایک شرط لازم ہیں۔

"کافی" اور "وسائل الشیعہ" میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے۔ امام نے فرمایا:

جو شخص عورتوں کو جمع کرے اور انھیں جنسی طور پر مطمئن نہ کر سکے، اور وہ عورتیں بدکرداری میں مبتلا ہوں تو اس کا گناہ اس شوہر کی گردن پر ہے۔

حرم سراؤں کی تاریخ اور ان کے بارے میں داستانوں کا چرچا ایسی عورتوں کی نشاندہی کرتی ہیں جو نوجوان اور اپنے جنسی دباؤ میں گرفتار تھیں، وہی بدکرداری کرتی اور بسا اوقات جنگ و جدال کا سبب بنتی تھیں۔

محترم قارئین !

ان سات مقالوں میں "چند ازدواجی" کے مسئلے پر جو کچھ میں نے لکھا، اس میں اسباب وعلل اور تعدد ازدواج کی بنیاد واضح کی ہے۔ اور یہ بات عرض کی ہے کہ اسلام نے اس دستور کو منسوخ کیوں نہ کیا؟ تعدد ازدواج کے شرائط وحدود، دستور اور پابندیاں بیان کی ہیں جن کے بعد یہ دستور منظور کی۔

آپ پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ اسلام نے تعدد ازدواج کی منظوری میں، عورت کی توہین نہیں کی بلکہ اس طریقے سے اس نے جنسِ خواتین کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ شادی کے قابل عورتوں کی فراوانی اور ان مردوں سے زیادتی کی نسبت جو مرد شادی کے قابل ہوں ــ اور یہ تناسب دنیا میں پہلے بھی اور اب بھی ہے ــ اگر اس معاشرتی مسئلے کو یونہی چھوڑ دیا جاتا تو عورت، مرد کے لیے ایک بدترین کھلونا بن کے رہ جاتی۔ مرد کا اس کے ساتھ ایک لونڈی سے بھی بدتر سلوک ہوتا۔ کیونکہ انسان ایک لونڈی کے لیے بھی کم از کم ایک قسم کا معاہدہ، ایک قسم کی ذمہ داری تو بہر حال رکھتا ہے، اس کی اولاد کو اپنی اولاد مانتا ہے۔ لیکن معشوقہ اور فرینڈ گرلز سے یہ سلوک بھی نہیں ہوتا۔

آج کا مرد اور تعددِ ازدواج :

آج کا مرد تعدد ازدواج سے روگرداں ہے۔ کیوں؟ کیا، اس کا مقصد اپنی پہلی بیوی سے وفاداری ہے۔ یا اس کی خواہش ہے کہ وہ ایک بیوی کے پردے ہر روز نیا مزہ چکھے اور اپنی اِس ہوس کو نہ ختم ہونے والے گناہوں سے آسودگی بخشے؟

آج کل تعدد ازواج کی خانہ پری وفاداری و پاک دامنی کے بجائے عیاشی و گناہ گاری نے کردی اور اسی خاطر آج کا مرد تعددِ ازواج کی ذمہ داری سے نکل بھاگتا ہے کہ اس میں پابندی اور جواب دہی کا بوجھ ہے اسے کیوں اٹھائے وہ اس سے نفرت کرتا ہے کل کا مرد، اگر ہوس رانی کرنا چاہتا تھا تو گناہ کی راہیں اتنی کھلی نہ تھیں، وہ مجبوراً تعدد ازواج کے بہانے اپنی خواہش پوری کرنے کی سعی کرتا ہوگا، ممکن ہے کہ وہ گھٹیا مقصد ہی شادیاں کرتا ہو اور قانونی و مالی اور اخلاقی پابندیوں سے بچتا بھی ہو، لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ ایک ذمہ داری ضرور اٹھاتا تھا، وہ ان بیویوں کی اولاد کو اپنی اولاد ضرور مانتا تھا۔ آج کا مرد، اپنی عیش پرستی کے بعد عورت کی کوئی ذمہ داری اٹھانے کو تیار نہیں، اس کا فائدہ اسی میں ہے کہ تعدد ازواج کے خلاف مہم چلائے۔

آج کا مرد، سیکریٹری، ٹائپسٹ، جیسے ناموں اور کاموں کے لیے خواتین کو جمع کرکے ان سے بیوی کا کام لے۔ پھر مزہ یہ ہے کہ اس کی اجرت اور اخراجات، حکومت یا کمپنی کی جیب سے ادا کرتا ہے۔ خود اپنی جیب سے ایک پیسہ بھی صرف نہیں کرتا۔

آج کا مرد مہر و نان و نفقہ کی زحمت و تکلیفات اٹھائے بغیر روزانہ صبح سویرے طلاق کی ضرورت پیش آئے بغیر اپنی محبوبہ بدل لیتا ہے۔ موسیٰ چومبہ، تعدد ازواج کے خلاف ہے۔ اور ہونا بھی چاہیے آخر اس کی نوجوان سیکریٹری "موبوز" اس کی پہلو نشین ہے، سال بھر بعد اسے بدل لے گا۔ ایسے امکانات کے بعد تعدد ازواج کی ضرورت بھی کیا ہے؟

تعدد ازدواج کے بڑے سخت مخالف، برٹرنڈرسل کی سوانح عمری میں پڑھا کہ ــــ اس کی زندگی کے ابتدائی عہد پر اس کی بڑی ماں کے علاوہ دوسری دو عورتوں کی بڑی چھاپ تھی ایک "الیس" (ALYS) اس کی پہلی بیوی دوسرے اس کی دوست "آٹولین مورل" (OTTOLINE MORELL)۔ مورل اس دور

کی مشہور عورت تھی، بیسویں صدی کے آغاز میں وہ بہت سے لکھنے والوں کی دوست تھی ... مثلاً ایسا شخص "تعدد ازواج" کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا۔

"یہی یار بازیاں تھیں جن کے سائے میں رسل نے اپنی پہلی بیوی "الیس" (ALYS) کے ساتھ زندگی تباہ دی۔ رسل نے اپنی زبان سے خود اقرار کیا ہے:

کچھ دن بعد، سائکل پر سوار دوپہر کو شہر کے قریب ایک ٹھنڈی بستی جا رہا تھا۔ اچانک میں نے محسوس کیا۔

اب مجھے "الیس" (ALYS) سے محبت نہیں رہی۔!

فہارس

فہرست آیات قرآن

متن آیہ — صفحہ

وان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکماً ... (نساء/۳۵)

وجعل منها زوجها لیسکن الیها ... (اعراف/۱۸۹)

وخلق الانسان ضعیفاً ... (نساء/۲۸)

وقاسمهما انّی لکما ... (اعراف/۲۱)

وکیف تأخذونه وقد افضیٰ بعضکم الیٰ بعض ... (نساء/۲۱)

ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل ... (بقرہ/۱۸۸)

ولا تعضلوهن لتذهبوا ببعض ما آتیتموهن ... (نساء/۱۹)

ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم ... (نساء/۲۲)

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ... (تین/۴)

ومتّعوهنّ علی الموسع قدره وعلی المقتر قدره ... (بقرہ/۲۳۶)

ومن آیاته ان خلق لکم ... (روم/۲۱)

ونفسٍ وّما سوّیٰها ... (شمس/۷)

یا ایّها الانسان انّک کادحٌ الیٰ ربّک ... (انشقاق/۶)

یا ایّها الّذین آمنوا لا یحلّ لکم ان ترثوا النساء کرهاً ... (نساء/۱۹)

یا ایّها النّاس اتّقوا ربّکم الّذی خلقکم من نفس واحدة ...

فہرست احادیث نبویؐ و ائمہ اطہارؑ

اتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذ تموھن بامانۃ اللہ و ... (پیغمبر اکرمؐ)

اذا اراد الرجل ان تزوج المرأۃ فلیقل : اقررت بالمیثاق الذی اخذ اللہ :

امساک بمعروف او تسریح باحسان (امام صادقؑ)

نکاح کرو، طلاق نہ دو، عرش الٰہی طلاق سے لرز اٹھتا ہے (حدیث رسول)

اگر عمر جلد بازی نہ کرتے اور متعہ حرام نہ کرتے ... (علیؑ)

ان طلاق ام ایوب لحوب (پیغمبر اکرمؐ)

ایلا کرنے والا چار مہینے بعد جبراً اپنی قسم توڑے .... (امام محمد باقرؑ)

یہ بات اس کے لیے ٹھیک ہے جسے اللہ نے بیوی کی وجہ سے ... (امام کاظمؑ)

تمہیں متعہ کی کیا ضرورت ہے حالانکہ اللہ نے تمہیں اس سے بے نیاز کیا ہے.. (امام کاظمؑ)

جبرئیل نے عورتوں کے بارے میں اتنا زور دیا کہ ... (رسول اللہؐ)

خدا کی نگاہ میں اس گھر سے زیادہ محبوب کوئی جگہ نہیں جہاں نکاح ہوا... (رسول اللہؐ)

خدا دشمن رکھتا اور لعنت کرتا ہے اس مرد پر جو بیویاں بدلتا ... (رسول اللہؐ)

اثناء عقد بیویوں میں درجہ بندی صحیح نہیں ... (امام باقرؑ)

لا شغار فی الاسلام ... (رسول اللہؐ)

ما احل اللہ شیئاً ابغض الیہ من الطلاق (رسول اللہؐ)

من اخلاق الانبیاء حب النساء ... (پیغمبر اکرمؐ)

جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں میں انصاف ... (پیغمبر اکرمؐ)

جو اپنی زوجہ کو لباس نہ دے، نفقہ نہ ادا کرے مسلمانوں کے امام پر فرض ہے کہ ان دونوں کو الگ کر دے۔ (امام صادقؑ)

جو کئی بیویاں جمع کر لے پھر ان کی جنسی آسودگی نہ کر سکے ... (آنحضرتؐ)

وہ مقام جہاں، تقیہ نہ کروں گا وہ متعہ ہے۔ (امام صادقؑ)

مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ شادی شدہ نے متعہ کیا .... (علیؑ)

طلاق سے زیادہ مبغوض و منفور اللہ کے نزدیک کوئی نہیں (امام صادقؑ)

فہرست اشعار

فہرست اعلام